کُلیاتِ باہر

ماہر القادری ایک خوش فکر اور خوش گو شاعر تھے۔ جس وقت اقبال کی شہرت نصف النہار پر تھی اور جوش حفیظ و اختر کے نغمے فضا میں بلند ہو رہے تھے ان دنوں ماہر نے بھی آہستہ آہستہ خوش ذوق قارئین کو متاثر کرنا شروع کیا، ان کے ہاں اختر کی رومانیت، جوش کی انقلابیت، حفیظ کی نغمگی اور اقبال کی مقصدیت کی جھلکیاں موجود تھیں۔ ملک بھر کے ادبی رسائل میں ان کا کلام شائع ہو کر داد حاصل کرتا رہا۔ اور انکی نعت ع سلام اس پر کہ جس نے بیکسوں کی دستگیری کی، اتنی مقبول ہوئی کہ بہت کم نعتیں مقبولیت کے اس درجے پر پہنچ سکیں۔ قیامِ پاکستان کے بعد انھوں نے اپنی شاعری کو تحریکِ اسلامی کے مقاصد سے ہم آہنگ کر دیا اور وفات تک اسی اندازِ سخن پر مستحکم رہے، انکی شاعری اوّل تا آخر مہارتِ زبان اور فنی محاسن کے اعتبار سے اپنی مثال آپ ہے۔ ڈاکٹر عبدالغنی فاروق نے کلیاتِ ماہر القادری مرتب کر کے اور انکے مطبوعہ غیر مدون اور غیر مطبوعہ کلام کو ایک جلد میں یکجا کر کے ایک اہم کام انجام دیا ہے جس سے فراموش گاری کے دھندلکوں میں گم ہوتے ہوئے اس اہم شاعر کے مرتبے کو از سرِ نو متعین کرنے میں ناقدین اور قارئین کو بے حد مدد ملے گی۔

ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا
صدر شعبہ اردو پنجاب یونیورسٹی لاہور

کُلیاتِ ماہر

مَیں ہر اُفق سے طلوع ہو کر جہاں میں ظاہر ہُوا ہوں ماہر
کہیں مرا طرزِ ناصحانہ کہیں مرا رنگِ عاشقانہ

کُلیاتِ ماہر

ماہرُالقادری

مرتّبہ :
ڈاکٹر عبدالغنی فاروق

بہ اہتمام : ادارہ تعمیرِ ادب ○ کراچی

القمر انٹرپرائزرز رحمان مارکیٹ / اُردو بازار : لاہور

خوبصورت اور معیاری کتابیں چھاپنے
کا واحد مرکز: القمر انٹرپرائزز

اہتمام: محمد سعید اللہ صدیق

جملہ حقوق محفوظ

طبع اول	:	جولائی ۱۹۹۴ء
سرورق	:	ایس ایم فاروق
مطبع	:	ندیم یونس پرنٹرز لاہور
قیمت	:	۴۵۰ روپے

فہرست

حمدِ باری تعالیٰ ۳۹

خدا کے نام سے ہر ابتدائے کار کریں ۴۱
جس کی اللہ کی رحمت پہ نظر ہوتی ہے ۴۲
خدا کا نام سہارا ہے ہر کسی کے لئے ۴۳
یہ میرا ایمان ہے، میرے خدا تیرے سوا ۴۴
پروردگار بھی ہے، وہ کارساز بھی ہے ۴۸
ترا ذکر دل کی ہے زندگی، تیرا نام راحت جاں بھی ہے ۴۹
تیری شانِ تجمل کا وقار عرش ہے مظہر ۵۰
ترے حسن جہاں افروز کے ہیں مختلف منظر ۵۱
فکر و دانش کی ہے معراج خدا کا اقرار ۵۳
میرا وجود ہے خود حاصلِ جبینِ نیاز ۵۶
پردہ اٹھ جائے اگر عشق کی زیبائی کا ۵۷
حاجت روا بھی تو ہے، مشکل کشا بھی تو ہے ۵۸
تری ذات ہی ہے غفور و رحیم ۵۹
دعائے شام و سحر لا الہ الا اللہ ۶۰
"نغمۂ حرم" ------ حرم میں اذانِ سحر اللہ اللہ ۶۱
"بہارِ حرم" ------ بہار اور حرم کی بہار کیا کہنا ۶۳

نعتِ رسولِ مقبولؐ

اسیرانِ بدر ۶۷
ظہورِ قدسی ۷۰
حریتِ کاملہ کا مبلغِ اعظمؐ ۷۸
جشنِ ولادت ۸۱
جانوروں سے حسنِ سلوک ۸۳
قال رسولؐ ۸۶
شاہِ حبش کے دربار میں حضرت جعفرؓ کی تقریر ۸۸
معراج کی رات ۹۲
مکہ سے مدینہ جاتے ہوئے ۹۳
دربارِ رسول میں حاضری ۹۵

حسن کی جاں' ایمانِ محبت صلی اللہ علیہ وسلم ۹۶
کیف و سرمستی کا ایک پیغامِ رنگیں تیرا نام ۹۸
کوئے نبی میں اس طرح جانا نہ چاہئے ۹۹
زندگی میں جو کوئی سخت مقام آتا ہے ۱۰۰
"نذرِ عقیدت" ------ نبی دوسرے پیشوا بن کے آئے ۱۰۱
"انقلاب" ---- جہاں سے نقشِ خودی کے مٹا دیئے تو نے ۱۰۳
"دربارِ اقدس میں" اے کہ ترے کرم سے ہیں پست و بلند مستفید ۱۰۴
پیغمبرِ انسانیتؐ ------ تیرے جلووں سے عبارت بزمِ ہستی کا چراغ ۱۰۵
جہاں میں کس پہ مری چشمِ انتخاب نہیں ۱۰۷
"عقیدت کے پھول" صدقے تیرے آئینہ ہستی کو نکھارا ۱۰۸
یہ بزمِ آب و گل جتنی کہ برہم ہوتی جاتی ہے ۱۰۹
"ساقی نامہ" ------ زمانے کا رسالت پر تیری ۱۱۰
"بہارِ مدینہ" جوارِ حرم ہے بہارِ مدینہ ۱۱۴
"صبحِ سعادت" کچھ کفر نے فتنے پھیلائے'
کچھ ظلم نے شعلے بھڑکائے ۱۱۵
"سیرتِ رحمتِ عالمؐ" کس بیم و رجا کے
عالم میں طیبہ کی زیارت ہوتی ہے ۱۱۷
آتے ہیں ------ تاروں سے یہ کہہ دو ۱۱۹
"سوئے مدینہ" ۔ شوقِ طلب ہے راہبر ۱۲۰
حجاز سے رخصت ہوئے ۱۲۲
دعوت و منقبت' روضہ سید ابرار تک آپہنچے ہیں ۱۲۷
وہ منظر وہ نقش و نگارِ مدینہ ۱۲۸
تو حاصلِ کونین ہے محبوبِ خدا ہے ۱۲۹
لب پر صلِ علیٰ اور آنسو رواں ۱۳۰
ہر لحظہ ترقی ہی پہ ہے شانِ محمدؐ ۱۳۱
کفر کی شام صبحِ یقیں بن گئی ۱۳۲
محمد مصطفیٰ صلی علیٰ کیا نام پیارا ہے ۱۳۳
یہ کوئے محبت ہے مدینہ کی گلی ہے ۱۳۴
وہ آئے اور آئے بھی قرآں لئے ہوئے ۱۳۵
اللہ کا ارشاد محمدؐ کی زباں ہے ۱۳۶
ترا نطق وحیٔ یزداں' تری بات شرحِ قرآں ۱۳۷
تو مقصدِ تخلیق ہے تو حاصلِ ایماں ۱۳۸

زندگی کچھ بھی نہیں تیری محبت کے بغیر ۱۳۹
سرِ محشر خدا کی مغفرت نے کی پذیرائی ۱۴۰
محمد رحمتہ للعالمین ہے ۱۴۱
کیا مدینہ سے بھی پیغام کوئی لائی ہے ۱۴۲
رحمتِ عالم شافعِ محشر ۱۴۳
یادِ نبیؐ ہے ذکرِ نبیؐ ہے ۱۴۴
ایمان کی ہے جان محبت رسولؐ کی ۱۴۵
اتنا ہو فزوں شوق و تمنائے مدینہ ۱۴۶
تو نے ہی محبت کے سفینہ کو ترایا ۱۴۷
متفرق اشعار ۱۴۸

محسوساتِ ماہر---۱۹۴۱ء ۱۴۹

فرضِ اولین ۱۵۱
گنگا کے کنارے ۱۵۲
نوجوان بیوہ ۱۵۳
حسنِ راہگذر ۱۵۶
فکر و عمل ۱۵۸
پیام ۱۵۹
ہٹلر کا اعلان اور شاعر کا جواب ۱۶۰
طوائف ۱۶۳
مسلمان لڑکی سے ۱۶۶
تیرے بغیر ۱۶۷
سلام (خط کے جواب میں) ۱۶۸
والدِ مرحوم کی قبر ۱۷۰
وہ راتیں یاد آتی ہیں ۱۷۴
رخصت ہوتے ہوئے ۱۷۶
مشاہدہ ۱۷۷
ایک اشتراکی دوست سے ۱۷۸
کشاکش ۱۷۹
تصویر دیکھ کر ۱۸۰
دنیا ۱۸۱
ذبحِ عظیم ۱۸۲

افغانی نوجوان	۱۸۴
جذب و یقین	۱۸۵
قسم	۱۸۶
بدگمانی	۱۸۷
حسن	۱۹۰
مشرقی خاتون	۱۹۱
وارداتِ شب	۱۹۳
مسلمانانِ سرحد اور اہمسا	۱۹۵
عقیدت کے آنسو	۱۹۶
پنگھٹ کی صبح	۱۹۷
پنگھٹ کی شام	۱۹۸
جدید ہندوستان	۱۹۹
کیف و نشاط	۲۰۲
مشاہدہ	۲۰۳
عہدِ رفتہ کی یاد میں	۲۰۴
فکر و عمل	۲۰۸
چل دیئے	۲۰۹
فریبِ یقین	۲۱۰
سرودِ مستانہ	۲۱۱
تہذیب و سیاست	۲۱۳
واردات	۲۱۵
بہار	۲۱۷
دنیا کا مستقبل	۲۱۸
خطاب	۲۲۰
فلسفی سے	۲۲۱
تبصرہ	۲۲۳
انسان اور کائنات	۲۲۴
مسلم سے خطاب	۲۲۶
حقائق و معارف (قطعات)	۲۲۹
تتلی	۲۳۱
تہذیبِ حاضر سے خطاب	۲۳۲
گلشنِ خیال	۲۳۶

غزلیات

آپ کے غم کی مہربانی ہے ۲۳۹
دل کو وہ برقِ نظر یاد آیا ۲۴۰
ساقی نے جسے مست نگاہوں سے پلا دی ۲۴۱
دنیا میں یہ کیوں سوزِ محبت کی کمی ہے ۲۴۲
زمانہ میں آرام و راحت کہاں ہے ۲۴۴
آرزو اک فریبِ باطل ہے ۲۴۵
جی میں آتا ہے کہ نظمِ دہر برہم کیجیے ۲۴۶
کس قیامت کی گھٹا چھائی ہے ۲۴۷
دید کے قابل مریضِ ہجر کا انجام ہے ۲۴۹
کوئی جہان میں تیری مثال لا نہ سکا ۲۵۰
سورج میں ضو فگن ہیں نہ بہ رو ہلال میں ۲۵۱
فطرتِ پابند کو ہر قید سے آزاد کر ۲۵۲
دل رخصتِ آہ چاہتا ہے ۲۵۳
بارہا تیری نوازش نے جسے تھام لیا ۲۵۴
اک سانس کو آہ کر لیا ہے ۲۵۴
اک اچٹتی سی نگاہ ڈال گئے ۲۵۵
تیرے ہونٹوں پہ ہلکی سی ہنسی معلوم ہوتی ہے ۲۵۶
کیا ظلم کا باقی کوئی عنواں نہ رہے گا ۲۵۷
اس کی پہلی نظر کو کیا کہیے ۲۶۸
انسان کو بارِ عشق کا حامل بنا دیا ۲۵۹
یہ قوسِ قزح ہیں اور وہ تارے ہیں ۲۶۰
وہ اور مجھے اپنا دیدار دکھا دیتے ۲۶۱
سجدہ گہہ ساقی کا پائے ناز رہنا چاہئے ۲۶۲
مجاز ہی کو حقیقت بنائے جاتے ہیں ۲۶۳
اتر بھی آ فرازِ لامکاں سے ۲۶۴
ہر نفس میں دل کی بیتابی بڑھاتے جائیے ۲۶۵
رسوا ہوا ہے دردِ محبت کہاں کہاں (دو شعر) ۲۶۶
ساقی کی نوازش سے گردش میں ہے پیمانہ ۲۶۶
میرا شوقِ دیدار پھر جوش پر ہے ۲۶۸

مانا مقامِ عشرت ہستی بلند ہے	۲۶۹
مخمور بنا دے مجھے سرشار بنا دے	۲۷۰
وہ کیوں نہ ہر نظر میں ہو تابِ نظر فروش	۲۷۱
عرصۂ ہستی جنونِ عشق کے قابل نہیں	۲۷۲
وہ نگاہِ مستانہ کچھ جھکی سی جاتی ہے	۲۷۳
عشق کی بے تابیاں، تنہائیاں	۲۷۵
ان شوخ نگاہوں کے پرستار ہمیں تھے	۲۷۶
منزلِ دل پاس بھی اور دور بھی	۲۷۷
دل حریفِ مے و میخانہ ہوا جاتا ہے	۲۷۸
تیری نگاہِ عنایت جو پردہ دار نہ ہو	۲۷۹
متفرق اشعار	۲۸۰
دورِ ثانی	۲۸۳
دارالسلام	۲۸۳
صبحِ بہاراں	۲۸۴
اقبال	۲۸۶
رخصت ہونے کے بعد	۲۸۸
گیت	۲۹۰
مامتا کی لاش	۲۹۱
ہندوستانی مسلمان سے	۳۰۴
کیا چاہیے؟	۳۰۵
تقدیرِ ہند	۳۰۶
اکثریت کی فرمانروائی	۳۰۷
مسلمان کی دنیا	۳۰۷
جمہوریت اور علمِ حاضر	۳۰۹
ہندی مسلمان کا عزم	۳۱۰
پیامِ خودی، رشتۂ ملت	۳۱۱
سرودِ ضمیر	۳۱۲
سوزِ تمام	۳۱۳
اردو	۳۱۴
دو شعر	۳۱۵

نغماتِ ماہر ---------- ۱۹۴۲ء ۳۱۷

دانش و ہنر کی بزم مشورت ۳۱۹
مجاہدینِ اسلام ۳۲۵
مسلمان سے ۳۳۶
جذبِ دروں ۳۳۹
مسلمانِ عالم ۳۴۱
یقین و عمل ۳۴۳
پھول اور انگارے ۳۴۵
اقبالؒ ۳۵۲
دعوتِ عمل ۳۵۵
کمسن مزدور ۳۵۷
پیام ۳۶۱
مردِ مومن ۳۶۲
منکر وحی سے خطاب ۳۶۳
افکارِ جلیل ۳۶۵
نوائے سروش ۳۶۷
صبحِ چمن ۳۶۸
سرود نشاط ۳۷۰
جمنا کا کنارہ ۳۷۲
شاعر ۳۷۴
یاد ہے! ۳۷۷
آج کل ۳۷۹
عورت ۳۸۱
شبِ بے خواب ۳۸۳
داستانِ محبت ۳۸۴
دکن کی برسات ۳۸۷
وطن کی یاد میں ۳۹۰
حدیثِ شب ۳۹۱
رنگین ضیافت ۳۹۳
کوئے دوست ۳۹۶

جوان ہونے سے کچھ پہلے ۳۹۹

.....؟سے ۴۰۰

نیند کے مارے اک دوشیزہ ۴۰۱

بغداد کے چمن میں ایک شام ۴۰۲

چلے گئے ۴۰۴

رنگین فسانہ ۴۰۵

اک حسینہ سے اس کی شادی کے بعد ۴۰۶

جستجو ۴۰۸

سوزوساز (غزلیں)

رحمت کو ان کی جوش میں لانے کی دیر ہے ۴۱۱

کہدو کہ نفس کی بھی نہ نکلے کوئی آواز ۴۱۲

وہ تیرے حال سے غافل دلِ ناشاد نہیں ۴۱۳

درحقیقت انقلابِ زندگی اعجاز ہے ۴۱۴

ترے سجدے میں ہم نے اپنی پیشانی جہاں رکھ دی ۴۱۵

مرے دل کی ہر اک رگ خونچکاں معلوم ہوتی ہے ۴۱۶

شبِ وعدہ وہ اب تک آرہے ہیں ۴۱۷

خوفِ غم آرزوئے راحت ہے ۴۱۸

دردِ الفت کو ہر صورت چھپانا چاہئے ۴۱۹

یورش ہے درد و غم کی دلِ داغ دار پر ۴۲۱

کب ترا مجھ کو تصور سحر و شام نہ تھا ۴۲۲

کتنا مصروف ضبطِ آہ میں ہے ۴۲۳

نشاط و کیف کا عالم زمیں سے آسماں تک ہے ۴۲۴

نظارے کے قابل اب جوشِ بادہ پرستی ہے ۴۲۵

وہی کچھ دہر میں رازِ نظامِ دل سمجھتے ہیں ۴۲۶

ہر نفس پیغامِ بربادی ہے انساں کے لئے ۴۲۷

سفاک نے بیداد کی پھر داد نہ چاہی ۴۲۸

دیکھنا یہ کون بے پردہ نمایاں ہو گیا ۴۲۹

ہم دردِ محبت کا فسانہ جو سنائیں ۴۳۰

تجھے اک نظر دیکھنا چاہتا ہوں ۴۳۱

نگاہِ مست کو مصروفِ ناز رہنے دے ۴۳۲

جو نظر ہم سے یاب ہوتی ہے ۴۳۳

وہ عربدہ جُو معصوم ادا قاتل بھی ہے اور قاتل بھی نہیں	۴۳۵
یہ کس کے دل کی کہانی سنائی جاتی ہے	۴۳۶
ایک ایک گام پہ دنیا مجھے ٹھکراتی ہے	۴۳۷
تخیل ہے پریشاں ناکام ہے ارادہ	۴۳۸
اعتبارِ بندگی کو تا بکے رسوا کریں	۴۳۹
کاش اَب اس سلسلہ کی لے نہ ٹوٹے حشر تک	۴۴۰
بارہا تیری نوازش نے جسے تھام لیا	۴۴۱
جس سے تیری آنکھ جالڑی ہے	۴۴۲
یہ کیوں کہوں کہ لگی آگ آشیانے کو	۴۴۳
ہر جا وہی سرگرمِ تجلّی تو نہیں ہے	۴۴۴
اپنی ہستی کا جو حاصل کہیں عرفاں ہو جائے	۴۴۶
اصول کے فریب کیوں، ضوابط و قیود کیا	۴۴۷
وہ آرہا ہے کیف کی جنت لئے ہوئے	۴۴۸
ہیئتِ حسن کو بدل چشمِ خیال میں بھی آ	۴۴۹
نالہ ہم رنگ تکلّم میری آواز میں ہے	۴۵۰
مستی نواز شوخی انداز کافرانہ	۴۵۱
وہ ہنس ہنس کے وعدے کئے جارہے ہیں	۴۵۳
ہر سر ہے تیری زلف کا سودا لئے ہوئے	۴۵۴
فضا نشاط کی پھر دل کو راس آئی ہے	۴۵۵
سفینہ میرا ساحل آشنا معلوم ہوتا ہے	۴۵۶
اول اول سوز تھی پھر ساز بن کر رہ گئی	۴۵۷
اٹھ کے خوابِ گراں سے آئے ہیں	۴۵۸
اگر فطرت کا ہر انداز بیباکانہ ہو جائے	۴۵۹
ان کی نگاہِ مست سے مخمور ہو گئے	۴۶۰
نظر ان کی خود ہی جھکی جارہی ہے	۴۶۱
ہوا اس تجمّل سے وہ جلوا آرا	۴۶۲
جاں دادگانِ درد کو حیراں بنایئے	۴۶۳
جانے کیا ظالم کی نظریں کہہ گئیں	۴۶۴
تصور میں جو پھولوں کا سماں ہے	۴۶۵
یاد جب ایامِ رفتہ کی کہانی آگئی	۴۶۷
حسن کی خوابیدہ محفل کو جگا دیتا ہوں میں	۴۶۸
عشق کی زندگی کو کیا کہئے	۴۷۰

تیرے روشن تبسم کا جو افسانہ سنا دیتے	۴۷۱
سچ یہ ہے عیشِ دو عالم کی بھی پروا نہ کریں	۴۷۲
روح پر ایک کیف ہے طاری	۴۷۳
موت کیا ہے ابتدائے دردِ دل	۴۷۴
خاک کے کچھ منتشر ذروں کو انساں کر دیا	۴۷۵
جب کوئی پھول مسکراتا ہے	۴۷۶
فطرتِ پابند کو ہر قید سے آزاد کر	۴۷۷
جلوے سے تیرے مفر کہاں ہے	۴۷۸
جب نظر محوِ راز ہوتی ہے	۴۷۹
پرستارِ محبت کو خیالِ ماسوا کیوں ہو	۴۸۰
اے کیف سجدہ ریزی کیا مجھ کو ہو گیا ہے	۴۸۱
تیرا اک تبسمِ ناز ہے کہ تجلیوں کا وفور ہے	۴۸۳
ہجر میں بیمار غم سہنے کے قابل ہو گیا	۴۸۴
ذوقِ جفا نے درد کو درماں بنا دیا	۴۸۵
فرصتِ آگہی بھی دی لذتِ بیخودی بھی دی	۴۸۶
اللہ رے حوصلہ نگہِ بیقرار کا	۴۸۷
میں یہ نہیں کہتا کہ محبت ہی خدا ہے	۴۸۸
بیمارِ شبِ غم کی اللہ رے توانائی	۴۸۹
زیست آزاد ہوئی جاتی ہے	۴۹۰
وہ نظر اٹھی جھجک کر رہ گئی	۴۹۱
پہلی نظر تھی دل کا مول	۴۹۲
گیت	۴۹۳
قطعات	۴۹۴
جذباتِ ماہر --- ۱۹۴۴ء	۴۹۷
پیامِ سروش	۴۹۹
اپنی زندگی کے نام	۵۰۰
دل کی طرف سے	۵۰۱
ضمیر نے کہا	۵۰۲
علم	۵۰۳
فریبِ مجاز	۵۰۴
سوزِ تمام	۵۰۶
جبر	۵۰۷

امیر مینائی	۵۰۸
فریب	۵۱۱
پہلی ملاقات	۵۱۶
تیرے بغیر	۵۱۷
ریل کے سفر میں	۵۱۸
فلسفی سے خطاب	۵۲۰
چند جرعے	۵۲۳
رمزو حقیقت	۵۲۴
مطالعہ	۵۲۶
دعوت	۵۲۶
ریڈیو کی آواز کا پیام	۵۲۷
آوازِ جرس	۵۲۸
سائے	۵۲۹
سمن زاروں میں	۵۳۱
دورِ اکبری میں مینا بازار	۵۳۲
حسین دوشیزہ	۵۳۴
جنبشِ مینا	۵۳۷
پھول والی	۵۳۹
نغمۂ فردوس	۵۴۱
عید کے دن کسی کی یاد میں	۵۴۲
پس چلمن	۵۴۴
باغ کی سیر	۵۴۵
محبت	۵۴۷
.....کو دیکھ کر	۵۴۸
ایک شب..... حاصل زندگانی	۵۵۰

غزلیات

شیرازۂ حیات پریشان ہو گیا	۵۵۵
مرے لب پر یہ کیوں بے ساختہ آج ان کا نام آیا	۵۵۶
ہر چیز اپنی اپنی جگہ پر ہے کامیاب	۵۵۷
مجھ پہ کیا گزری شکستِ جام کی آواز پر	۵۵۸
کیا یہ بہار بھی نہ مجھے آسکے گی راس	۵۵۹
ان کی رفتارِ بے اماں کی قسم	۵۶۰

پیماں شکن بتوں کی اللہ رے ادائیں	۵۶۱
دلِ بے مدعا ہے اور میں ہوں	۵۶۲
جذبِ الفت کے یہ آثار نمایاں کیوں ہیں	۵۶۳
ایک ناکام مسرت کے سوا کچھ بھی نہیں	۵۶۴
میں باغ میں گر نغمۂ **دلگیر** سنا دوں	۵۶۵
اب تو اس بت کی جفاؤں کی قسم کھانے دو	۵۶۶
ہر منظر جہاں کو محبت بنا کے دیکھ	۵۶۷
وہ سن رہے ہیں قصہ دل بے دلی کے ساتھ	۵۶۸
میں اب آزاد ہوں، ہر موج کا دامن کنارا ہے	۵۶۹
رہِ الفت میں مرجانا حیاتِ جاودانی ہے	۵۷۰
نگاہِ اولیں ہی رفتہ رفتہ دل نہ بن جائے	۵۷۱
اضطرابِ اہلِ دل جیسے کہ نامعلوم ہے	۵۷۲
محفل میں ایک ایک کی حالت تباہ تھی	۵۷۳
کچھ اس طرح نگاہ سے اظہار کر گئے	۵۷۴
رازِ غم، رازِ خوشی معلوم ہونا چاہئے	۵۷۵
حد سے گزری جو مصیبت تو مصیبت نہ رہی	۵۷۶
اک جلوۂ حقیقت ہر آن روبرو ہے	۵۷۷
اسے طوفان کی شدت سے کیا آزردگی ہوگی	۵۷۸
جب موت زندگی سے ہم آغوش ہو گئی	۵۷۹
زلف بدنام ہوئی جاتی ہے	۵۸۰
بلبل نے کی بالآخر گلشن میں نوحہ خوانی	۵۸۱
ہم تو ڈبو کر کشتی کو خود ہی پار لگا لیں گے	۵۸۲
چلے دو قدم اور قیامت اٹھا دی	۵۸۴
میرے حالِ دل کی کس صورت سے رسوائی ہوئی	۵۸۵
وہ داستاں جو خونِ وفا سے لکھی گئی	۵۸۶
تیرے ہی اشارے سے جہاں گرمِ سفر ہے	۵۸۸
کسی صورت طبیعت مجھ سے بہلائی نہیں جاتی	۵۸۹
جو نظر دل کے پار ہوتی ہے	۵۹۰
کیوں اپنی تباہی پہ مجھے غم نہ ہوا تھا	۵۹۱
اب نہ دھوکے دے خدا کے واسطے اے دل مجھے	۵۹۲
جایئے سوئے حرم یا بت کو سجدا کیجئے	۵۹۳

ہر حقیقت منظرِ ہستی پہ لانی چاہئے	۵۹۴
بہار بن کے محبت نے جب پیام دیئے	۵۹۵
وہ چشمِ ناز آپ ہی اپنا جواب ہے	۵۹۷
ذرہ ذرہ میں محبت نظر آتی ہے مجھے	۵۹۸
جگر میں درد پایا جا رہا ہے	۶۰۰
کتنا سرور آفریں کیفِ مئے الست ہے	۶۰۱
ہر ذرہ دل بن جاتا ہے ہر چیز نظر ہو جاتی ہے	۶۰۲
قطعات	۶۰۳
منتخب اشعار	۶۰۴
غزل۔ گیت	۶۰۸
فردوس ----------۱۹۵۶ء	۶۰۹
نوائے جبریل	۶۱۱
منقبت	۶۱۲
سلام	۶۱۳
خلافتِ الٰہی	۶۱۴
پیام	۶۲۴
اسلامی دستور	۶۲۵
ساقی نامہ	۶۲۷
قرآن کی فریاد	۶۲۸
زعیمِ مصر حسن البناؒ	۶۳۰
صبحِ آزادی	۶۳۱
مزدور سے	۶۳۳
محکوم اور آزاد	۶۳۵
بلبل اور چکور	۶۳۷
مغربی تہذیب	۶۳۹
باتیں کریں	۶۴۰
مسلمان عورت سے!	۶۴۱
اندھی بھکارن	۶۴۳
آج بھی!	۶۴۷
سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ	۶۴۹
آیاتِ عمل	۶۵۱
سجدہ و تکبیر	۶۵۲

مشورے	۶۵۳
اپنے حاسدوں سے!	۶۵۴
یہ دنیا	۶۵۵
ان کو پہچانئے	۶۵۶
جائزہ	۶۵۷
علمائے کرام سے!	۶۵۸
جماعت اسلامی کے معترض	۶۶۱
انقلاب زندہ باد	۶۶۳
گذارش	۶۶۵
نزہت کی کامیابی (امتحان) پر!	۶۶۷
ماتمِ شباب	۶۶۹
چلو!	۶۷۱
گرلز کالج کی "لاری" دیکھ کر	۶۷۲
نہیں رہے؟	۶۷۳
گذر جا!	۶۷۴
حسنِ معصوم	۶۷۷
کیا جانئے کیا یاد آیا!	۶۷۹
پاکستان کا مستقبل	۶۸۱
قائدِ ملت بہادر خان	۶۸۵
ضرورت ہے	۶۸۸
جھلکیاں	۶۹۰
دعوتِ نگاہ	۶۹۲
دہلی سے بمبئی جاتے ہوئے	۶۹۳
جہاں میں ہوں	۶۹۵
کیا کروں؟	۶۹۶
سالِ نو کا پیام	۶۹۷
برکھارت	۶۹۸
تاثرات	۶۹۹
نوجوان مجاہد	۷۰۰
اقبال	۷۰۱
برقِ پارے (غزلیات)	
جن کی صبح و شام غرق جام ہیں	۷۰۵

ہیں ٹھوکریں بھی تجھے تلخیٔ کرم آمیز	۷۰۶
میں شکوہ سنج ہوں کیوں خارِ غم کی ہے جو کسک	۷۰۸
ہے دل میں جوش، طبیعت ہے کس قدر موزوں	۷۰۹
نہ وہ خمار شبانہ نہ وہ گراں خوابی	۷۱۰
جو دل کا درد نمایاں نہیں تو کچھ بھی نہیں	۷۱۱
سلطاں کے لئے ہے نہ تو نگر کے لئے ہے	۷۱۲
کانٹوں کی کھٹک دیکھ، نہ پھولوں کی مہک دیکھ	۷۱۳
ہیں مردِ مجاہد کے بھی انداز نرالے	۷۱۴
تیغ کی جھنکار پر نغمے سنا سکتا ہوں میں	۷۱۵
حنین و بدر میں وہ غازیوں کی تکبیریں	۷۱۶
نظر نظر پہ ہے بندش نفس نفس ہے غلام	۷۱۷
معرفت ہے نہ محبت نہ پیمبر نہ کتاب	۷۱۹
زمانہ آج بھی سوزِ یقین سے ہے محروم	۷۲۰
یہ مصلحت کی زباں میں پیامِ بیداری	۷۲۱
مسلم کہ ہے من جملۂ آیاتِ الٰہی	۷۲۲
کہیں پیسہ کہیں روٹی خدا ہے	۷۲۳
دل کی دھڑکن سے پیالوں کی کھنک دب جائے گی	۷۲۴
مرے ماتھے پہ ہلکی سی شکن بھی آ نہیں سکتی	۷۲۶
خیال و فکر کی شیشہ گری میں کچھ بھی نہیں	۷۲۷

انجمن (غزلیات)

جس دل میں خدا کا خوف رہے باطل سے ہراساں کیا ہوگا	۷۲۸
اس طرف بھی نظر اے دیدۂ صاحب نظراں	۷۲۹
صبر آزما تھے لمحے شبِ انتظار کے	۷۳۱
رضائے دوست جہاں لازمی نہیں ہوتی	۷۳۲
شاخیں جھک جھک کے کریں جب گل و ریحاں کو سلام	۷۳۳
عہدِ غم دورِ مصیبت بھی گذر جائے گا	۷۳۴
طلسمِ ہوش و مستی ہے یہ دھوکا ہے کہ نظارہ	۷۳۵
شگفتِ گل کو ہوا میسر نہ لالہ دلنواز میں ہے	۷۳۶
وہ ہیں سرگرم کرم مجھ کو پریشان دیکھ کر	۷۳۷
کچھ ایسے درد سے گھبرا کے آہ کی میں نے	۷۳۸
مجھے فریب نہ دے اے نشاطِ میخانہ	۷۳۹

سازِ دل جب شبِ فرقت میں صدا دیتا ہے ۲۰	۷۴۰
نگاہ و دل کو تجلّی بنا دیا جائے	۷۴۱
منزل دوست نہیں رہگذرِ عام ابھی	۷۴۲
شمع کا عالم صبح کا منظر	۷۴۳
فغاں! کہ لذتِ ضبطِ فغاں نے لوٹ لیا	۷۴۴
نہ فکر و غم نہ دل کی پاسداری	۷۴۵
رازِ ہستی کی یہاں کس کو خبر ہوتی ہے	۷۴۶
کچھ بھی نگہِ دوست پہ الزام نہیں ہے	۷۴۷
ان کے وعدوں سے دل بہل نہ سکے	۷۴۸
دل میں اب آواز کہاں ہے	۷۴۹
احساسِ خوشی مٹ جاتا ہے افسردہ طبیعت ہوتی ہے	۷۵۰
یہ تو مرے نصیب ہیں مجھ کو خوشی نہ مل سکی	۷۵۱
نگاہ دل کی طرح بے قرار کیا ہوگی	۷۵۲
مرا دل لائقِ رنج و محن ہے	۷۵۳
دنیا کو کہیں مسکنِ راحت نہ سمجھنا	۷۵۴
وہ سفینہ جو کنارے سے گریزاں ہوگا	۷۵۵
اب نہیں ہے وہ نگاہِ شوق کی بے مائیگی	۷۵۶
فکرِ موجِ طوفاں سے واسطا نہیں رہتا	۷۵۸
کسی سے مل کے جہاں حسن چال چلتا ہے	۷۵۹
غم نہ ہوتا کوئی تسکیں کا نہ ساماں ہوتا	۷۶۰
عقل بہ ایں یقین و عزم شرک میں مبتلا بھی ہے	۷۶۱
میں کیا کروں مرے دل کی عجیب حالت ہے	۷۶۲
زوالِ ابن آدم ہو رہا ہے	۷۶۳
رہبر کو پا سکا نہ مجھے ہم سفر ملے	۷۶۴
جو چیز ہے سرگرمِ سفر ہو کے رہے گی	۷۶۵
تری منزل گلستاں ہے نہ تیری راہ ویرانہ	۷۶۶
دل کو پھر ٹوٹی امیدوں نے سہارا دے دیا	۷۶۸
تباہی دین و ایماں کی تباہی	۷۶۹
صبحِ چمن ہے انجمن آرا قفس قفس	۷۷۰
جلوے تمام صرفِ نظر ہو کے رہ گئے	۷۷۱
آدمی واقفِ اسرار نہ ہونے پائے	۷۷۲
ان کی رفتار کی ہم نے تو یہ صورت دیکھی	۷۷۳
دید کے قابل ہے اس گل رنگ ماتھے کی شکن	۷۷۴

نہ طولِ وقت نہ اب فاصلے ہیں منزل کے	۷۷۵
نہ وہ خلوتوں میں لذت نہ وہ لطفِ انجمن ہے	۷۷۶
جو تو نے دیکھا ہے خوابِ الفت.....	۷۷۷
بزم میں احساسِ فرقت اَور ہو جاتا ہے تیز	۷۷۸
وعدہ کر لینے سے تو وعدہ وفا ہوتا نہیں	۷۷۹
اک اک ادا تیری دمِ رخصت نظر میں ہے	۷۸۰
پلک جھپکتے ہی میں نے دیکھا گزر چکا ہے بہت زمانہ	۷۸۱
محبت عرش و گردوں ساز بھی ہے	۷۸۳
اس جہاں میں ہر کوئی کرتا ہے منہ دیکھے کا پیار	۷۸۴
اس طرح وہ خیال میں آئے	۷۸۵
فطرتِ دل بدل نہیں سکتی	۷۸۶
ہنسنے پر میرے سب کو مسرت کا گماں ہے	۷۸۷
تجلی بے حجابی کے لئے تیار ہو جائے	۷۸۸
جب غم کی لطافت بڑھتی ہے جب درد گوارا ہوتا ہے	۷۸۹
غزل اور گیت بھی	۷۹۰
متفرق اشعار	۷۹۱
ایک ملحد انقلابی شاعر سے	۷۹۴
رباعیاں	۷۹۵
کچھ اس طرح ستم روزگار ہوتا ہے	۷۹۹
جاتے ہو تو جاتے ہوئے اک تیر نظر اور	۸۰۰
وہ آئے ہر کسی کے سامنے اور بار بار آئے	۸۰۰
شرم و غیرت ہے آبروئے جمال	۸۰۱
غیر مدون کلام ---------۱۹۷۸ء تک	۸۰۳
نہاں بھی ہے تو اور عیاں بھی ہے تو	۸۰۵
خالق بھی کارساز بھی، پروردگار بھی	۸۰۶
یہ میرا ایمان ہے، میرے خدا تیرے سوا	۸۰۷
میں حریمِ قدس میں، کعبہ نظر کے سامنے	۸۱۱
طوفانِ تجلی میں نظروں کا سفینہ ہے	۸۱۲
صبحِ سعادت (نعتیہ مسدس)	۸۱۳
صبحِ انسانیت (نعتیہ مثنوی)	۸۲۰
حرم کی حاضری کے بعد طیبہ کا ارادہ ہے	۸۲۳

معراج	۸۲۴
ذکرِ جمیل	۸۲۶
گلہائے عقیدت	۸۲۸
وہ راستہ جو حقیقت سے جا کے ملتا ہے	۸۳۰
نبیؐ کے ذکر سے دل کو سرور ملتا ہے	۸۳۱
شافعِ روزِ جزا اللہ اکبر آگیا	۸۳۲
تو مقصدِ تخلیق ہے تو حاصل ایماں	۸۳۳
یہ بزمِ آب و گِل جتنی کہ برہم ہوتی جاتی ہے	۸۳۴
حضرتِ صدیق اکبرؓ	۸۳۵
سیدنا فاروق اعظمؓ	۸۳۷
منقبت سیدنا علیؓ مرتضیٰؓ	۸۳۹
جنابِ ابو ترابؓ آئے	۸۴۱
منقبت سیدنا حسینؓ	۸۴۳
شہادتِ معتبر	۸۴۵
نقشِ کربِ وبلا اور ابھر اور ابھر	۸۴۶
منقبت سیدنا حسینؓ	۸۴۸
شاہ اسمٰعیل شہیدؒ	۸۵۰
اقبالؒ	۸۵۲
شاہ فیصل شہیدؒ	۸۵۵
شہید عبدالمالکؒ	۸۵۷
ساقی نامہ	۸۵۹
مسجدِ قرطبہ	۸۶۳
تفہیم القرآن	۸۶۴
اجتماع گاہ	۸۶۷
اے عظمتِ جمہور	۸۶۸
منشورِ ربانی	۸۷۱
پیغامِ عمل	۸۷۳
پیام و تمنا	۸۷۴
رجزیہ غزل	۸۷۶
آج کا پیام	۸۷۸
رجزیہ غزل	۸۸۱
رجزیہ غزل	۸۸۲

مرحبا ماہِ صیام ۸۸۴
شہیدِ اکبر ۸۸۵
رومتہ الکبریٰ میں..... ۸۸۷
رومتہ الکبریٰ کے میوزیم دیکھ کر ۸۸۹
رجزیہ غزل ۸۹۱
مشرقی پاکستان کے المیہ کے بعد ۸۹۲
غالب ۸۹۳
کراچی نامہ ۸۹۴
حسن معصوم
غزلیات ۸۹۷
مرا وجود ہے خود حاصلِ جبینِ نیاز ۸۹۹
نفس کی آمد و شد کا بھی کیا سہارا ہے ۹۰۱
عورت پہ تہذیب کے ڈالے ہوئے گھیرے ۹۰۳
منزلیں ہی منزلیں ہیں کارواں کے سامنے ۹۰۵
ستارے کروٹیں بدلا کئے سحر کے لئے ۹۰۷
اگر ہے جراتِ ایماں تو اس سے کام لینا ہے ۹۰۸
دل امیدوں سے پھر شادماں ہے ۹۱۰
ان کی چین جبیں بن گیا ہے ۹۱۱
متفرقات ۹۱۳
یارانِ ہوس وقت کے دھارے پہ رواں ہیں ۹۱۵
فضا نشاط کی پھر دل کو راس آئی ہے ۹۱۶
طاقتِ پرواز میں جذبِ یقیں سے کام لے ۹۱۸
شاید اسی طرف کی ہو آواز دی ہوئی ۹۱۹
سوزِ غم ہر کسی سے چھپانا پڑا ۹۲۰
کس منہ سے کہوں دولتِ دیدار ملی ہے ۹۲۱
یہ ساقی چھیڑ اور مجھ تشنہ لب سے ۹۲۳
دیوانہ کہیں ایسی باتوں سے بہلتا ہے ۹۲۵
خانقاہوں میں جو قالین بچھا رکھے ہیں ۹۲۶
ہنسی ہنسی میں جو چرکے لگائے جاتے ہیں ۹۲۷
دیکھتے ہی چشمِ ساقی کے بدل جانے کو ہم ۹۲۸
حسن اور عشق میں واسطا بن گیا ۹۲۹
دل تو جاگے کسی عنواں ہی سہی ۹۳۰

وہ نگاہِ مستانہ کچھ جھکی سی جاتی ہے	۹۳۴
ناصح یہ عاشقی ہے محبت کی بات ہے	۹۳۷
کاغذ کے پھول پتے محبوب و محترم ہیں	۹۳۸
کسی کی بے رخی کا غم نہیں ہے	۹۴۰
حسن والو تمہاری بھی کیا بات ہے	۹۴۱
دل تھا بہار پر یہ ہے اگلے برس کی بات	۹۴۲
سراپا سوز ہوتا ہے مجسم ساز ہوتا ہے	۹۴۳
تمہاری بات کسی میں نظر نہیں آئی	۹۴۳
ان کی خوشی یہی ہے تو اچھا یوں ہی سہی	۹۴۴
بہ ہر شکل جلوہ طلب ہو گئی ہے	۹۴۵
ان کی جانب سے بھی پیغام کوئی لائی ہے	۹۴۶
دل جو دھڑکا تو ان کا خیال آگیا	۹۴۸
ہے دھندلکا ہی دھندلکا ابھی تا حد نظر	۹۴۹
یارانِ ہوس وقت کے دھارے پہ رواں ہیں	۹۵۱
اب تبسم کا ہے یہ رنگ دھواں ہو جیسے	۹۵۴
وہ شوخ کیفیتِ ناز کہاں ہے	۹۵۴
دعوتِ وجد و حال دیتا ہوں	۹۵۵
تغافل پر بھی ان سے دل کو اک وابستگی ہو گی	۹۵۶
منکر حسن ہے دل مائلِ ایماں کر لیں	۹۵۸
ان کے جب وعدہ و پیماں کا خیال آتا ہے	۹۵۹
میری قسمت سے توجہ پر جو مائل ہو گئیں	۹۶۰
ترے نام سے جس کو نسبت نہ ہو گی	۹۶۱
اے نگاہِ دوست یہ کیا ہو گیا کیا کر دیا	۹۳۶
چشمِ ساقی جو بیگانہ بیگانہ ہے	۹۶۴
آئینہ دارِ خون شہیداں ہے آج کل	۹۶۵
کتنی عجیب گردشِ دوراں ہے آجکل	۹۶۶
ساقی بھی دورِ جام بھی بادل گھرے ہوئے	۹۶۸
گلشن میں تم آجاؤ اب رت بھی سہانی ہے	۹۷۰
حسن کے جو رو تغافل کا گلہ ہوتا ہے	۹۷۱
کچھ دن سے دل میں اب ہوسِ خام بھی نہیں	۹۷۳
درد پہلے جگر میں رکھا ہے	۹۷۴
دیکھ کر ان کے مسکرانے کو	۹۷۵

اب موسمِ گل یاد نہ گلشن کی فضا یاد	۹۷۶
یوسفی گر نہیں ممکن تو زلیخائی کر	۹۷۸
جھوٹے وعدے سے بھی دل بہل جائے گا	۹۷۹
اس چشمِ التفات میں رنگِ عتاب ہے	۹۸۰
حسن اور عشق کا بھی یہی ہے معاملہ	۹۸۱
اپنی آشفتہ سری پر ہے بہت ناز مجھے	۹۸۲
کس وہم میں اے دل تو گرفتار ہوا ہے	۹۸۳
کچھ اور ہے اب گردشِ دنیا مرے آگے	۹۸۵
گزرے ہوئے شباب کی یوں یاد آئے ہے	۹۸۶
درد و غم بھی تو پائیدار نہیں	۹۸۷
چشمِ ساقی کے تصور سے جو یارانہ ہے	۹۸۸
میں تو غم دیدہ تھا میری ہر خوشی جاتی رہی	۹۸۹
نگاہِ مست کی ہو خیر تشنگی کیا ہے	۹۹۰
جاگتے رہئے مگر کیا ہو گا	۹۹۱
حسن کے ناز و ادا کی شرح فرماتا ہوں میں	۹۹۲
اب ان کے تلوّن سے شکایت بھی نہیں ہے	۹۹۳
لطف تو جب ہے کہ دونوں کو سزا دی جائے	۹۹۴
اسیرو! اور ہی تیور ہیں اب زمانے کے	۹۹۵
کونین کو قرار تھا، غم کا پتا نہ تھا	۹۹۶
پردے گرا گئی ہے کہ پردے الٹ گئی	۹۹۸
جگمگائی نہ محبت کی فضا میرے بعد	۱۰۰۰
تجلی بے حجابی کے لئے تیار ہو جائے	۱۰۰۲
نہ وفا آتی ہے ان کو نہ جفا آتی ہے	۱۰۰۳
وہ ہجر کی شب ہو کہ وصل، خوشی یا ملال ہو	۱۰۰۴
یا دوستوں میں مہر و محبت نہیں رہی	۱۰۰۵
جب بھی وہ مجھ کو بہ عنوانِ کرم یاد آگئے	۱۰۰۶
فغاں اے دوست تیری دوستی سے	۱۰۰۷
ان کے جلووں کا عجب عالم نظر آنے لگا	۱۰۰۸
وعدہ کرتے ہوئے وہ شوخ جو شرماتا ہے	۱۰۰۹
روک دی رو میری بڑھتی رسوائی کی	۱۰۱۱
دل پہ بادل غموں کے ہیں چھائے ہوئے آنسوؤں کے دیئے جھلملائے ہوئے	۱۰۱۲

غم میسر ہے تو اس کے بعد پھر کیا چاہئے ۱۰۱۳
کیا یہ بہار بھی نہ مجھے آسکے گی راس ۱۰۱۵
گل و بلبل کی یکجائی بھی ہوگی ۱۰۱۷
ازل کے دن سے ہی کشمکش ہے گلشن میں ۱۰۱۸
دعویٰ حسن کو میں اور مدلل کر دوں ۱۰۱۹
دیکھ کر مجھ کو طوفانوں میں ۱۰۲۰

فارسی کلام

درمدح رسولؐ ۱۰۲۳
انسان گرے پیدا شد ۱۰۲۵
دو منظر ۱۰۲۷
بارگاہِ فاروقِ اعظم ۱۰۲۸
اولیا اللہ ۱۰۲۹
چیست ہستی ۱۰۳۰
اشتراکیت ۱۰۳۲
یک منظرِ بہار ۱۰۳۳
ایں فرصتِ ہستی کہ شمع سرراہے ۱۰۳۵
در بحر دار فانی یا بے نہ جز سرابے ۱۰۳۶
رشکِ صنوبر و گلاب، عزتِ لالہ و سمن ۱۰۳۸
غزل ۱۰۴۰
سر تکے بہ چشمم پکیدہ پکیدہ ۱۰۴۱
غریب عشق سامانے نہ دارد ۱۰۴۲
چہ وجد و کیف حاصل بود، شب جائیکہ من بودم ۱۰۴۳
قطعہ ۱۰۴۴
موج دریا حباب را بشکست ۱۰۴۵
قطعہ ۱۰۴۶

ماہر القادری

ایک شخصیت ہی کا نہیں' ادب، عقیدہ اور تہذیب کا بھی ایک معتبر نام ہے۔ اردو
ان اور اس کے شعری ادب کی تاریخ جب بھی لکھی گئی وہ ان کے ذکر کے بغیر مکمل نہیں
و گی۔ ماہر نے دل کی گہرائیوں تک اتر جانے والے فکر انگیز شعر ہی نہیں کہے'
ی انحطاط و اضمحلال کے اس عہد میں شعر سازی اور شعر کاری کے فن کو بھی از سرِ نو
ندگی بخشی۔ ادب اور عقیدہ کے خوبصورت امتزاج اور لغت و لسان اور لفظ و بیان پر گہری
ظر اور کڑی گرفت کے ساتھ مولانا ماہر القادری نے ایک اچھے انسان کی ساری شرائط بھی
ری کیں۔

زندگی سے ادب کا گہرا تعلق ہے مگر اس تعلق کو مثبت بنانے کے لئے زندگی اور
ب دونوں کا حقیقی شعور ناگزیر ہے۔ ماہر صاحب کی 71 سالہ زندگی کے شب و روز گواہ
ں کہ ان میں زندگی اور ادب دونوں کو برتنے کا وہ شعور اور انہیں انگیز کرنے کا وہ ادراک
وجود تھا جسے انسانیت کا حسن قرار دیا گیا ہے۔ شائد یہی وجہ ہے کہ فکر و نظر کی پاکیزگی
انہیں حیاتِ بے ثبات کے کسی موڑ پر بھی راہ سے بے راہ نہیں ہونے دیا۔ وہ عین
رشی کی عمر میں حیدر آباد دکن پہنچے اور وہاں 15 سال رہے۔ اس مدت میں مہاراجہ سرکشن
شاد اور پرنس معظم جاہ کے دربار ملے' فانی اور ان جیسے کئی دوسرے شاعروں کی رفاقت
سل ہوئی' متعدد "یار" اور "نواز" جنگوں کا ساتھ رہا وہ سب ماہر کی صلاحیتوں کے معترف
قدرداں تھے۔ انہیں ایک مخصوص ماحول ملا جس سے متاثر ہوئے بغیر رہنا ممکن نہ تھا۔
ت سی خوبیوں کے ساتھ ملوکیت کی برائیاں بھی موجود تھیں ان لہروں اور موجوں میں خود
گم کر دینا بہت آسان تھا مگر ماہر القادری نے اپنا دامن سمیٹے رکھا اور مجلس اتحادالمسلمین
ر نواب بہادر یار جنگ سے وابستگی کو ذریعۂ عزت جانا۔

یہاں سے نکل کر بمبئی کی رنگ و نشاط سے بھرپور دنیا میں داخل ہوئے جہاں نہ
غیبات کی کمی تھی اور نہ مفادات کی' مگر ماہر کی سلیم الطبعی اور پاکیزگئی فطرت نے انہیں
ب مختصر سی مدت میں ہی اس عالمِ رنگ و بو کو خیرباد کہنے پر مجبور کر دیا۔ نومبر 1947ء میں
ستان تشریف لائے اور یہاں آتے ہی "فاران" کی صورت میں قرطاس و قلم کا محاذ
سنبھال لیا جو ان کی زندگی کی آخری سانس تک بلکہ یوں سمجھئے جدہ کے مشاعرے تک گرم

رہا مگر ایک اور محاذ ان کا منتظر تھا چنانچہ 1973ء میں "ادارۂ تعمیرِ ادب" کی تشکیل عمل میں آئی جس کے بانی صدر ماہر صاحب قرار پائے اور آخر تک اس کی رہنمائی کرتے رہے۔

"فاران" اور "ادارۂ تعمیرِ ادب" ماہر القادری صاحب کی شناخت ہیں۔ فاران نے ماہر صاحب کا ہی ادبی مقام متعین نہیں کیا بڑے بڑوں کو آئینہ دکھایا اور ان کی قدر و قیمت متعین کی۔ ایک جانب اگر لغات' فرہنگِ الفاظ و معانی اور لہجہ و بیان کے عقدے حل کئے گئے تو دوسری جانب عقیدہ و اقدار کی بھی آبیاری کی گئی۔ کراچی جیسے شہرِ نمدار میں ترقی پسند ادب اور اتحاد پسند ادیب کی بنیادیں خاصی مضبوط تھیں۔ اخبارات سے جرائد تک اور تنقیدی نشستوں سے عالمی مشاعروں تک ایک مخصوص سانچے اور ڈھانچے کے دانشور مسلط تھے' مگر ماہر صاحب نے اپنی انجمن الگ ہی سجائی۔ فاران اور ادارۂ تعمیرِ ادب کے ذریعہ ادب اور دین کی گرانقدر خدمات انجام دیں اور ان اقدار اور اصولوں سے ایک لمحے کے لئے بھی سمجھوتہ نہیں کیا جو پاکستان' اسلام اور انسانیت سے متصادم تھیں۔

"ادارۂ تعمیرِ ادب" کے زیرِ اہتمام اب تک متعدد انڈ و پاک مشاعرے' اہم موضوعات پر کانفرنسیں اور سیمینار منعقد ہو چکے ہیں جن میں ملک اور بیرونِ ملک سے ممتاز اہلِ قلم' ادیب و شعراء اور دانشوروں نے شرکت کی اور ان پروگراموں پر مولانا ماہر القادری نے تمام حلقوں سے خراجِ تحسین وصول کیا۔ ادارۂ تعمیرِ ادب دراصل مولانا ماہر القادری کی ایک قیمتی امانت ہے جو ان کے رفقاء کو منتقل ہوئی ہے۔ اب یہ ادارہ جن ہاتھوں میں ہے انہوں نے عہد کر رکھا ہے کہ وہ مولانا ماہرالقادری کے طے کردہ اصولوں اور مقاصد کے لئے اپنی جدوجہد جاری رکھیں گے۔

مولانا ماہر القادریؒ کی درجنوں نثری و شعری کتب شائع ہو چکی ہیں۔ کچھ ایسے مسودات بھی ہیں جو اشاعتِ طبع کے منتظر تھے مگر مولانا کو زندگی نے مہلت نہیں دی۔ ادارۂ تعمیرِ ادب نے فیصلہ کیا ہے کہ ماہر صاحب کی تمام تصنیفات کو از سرِ نو مرتب و مدون کر کے انہیں دوبارہ شائع کیا جائے۔ ابتدائی اقدام کے طور پر مولانا کے تمام شعری سرمائے کو یک جا کر کے کلیات کی صورت میں شائع کیا جا رہا ہے جو اب آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ کلیات میں ماہر صاحب کا وہ کلام بھی شامل ہے جو اب تک کہیں شائع نہیں ہوا یا شائع ہو کر نوادر کی حیثیت اختیار کر چکا تھا۔ ہمیں ان کے حصول میں خاصی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا۔ ان

ام حضرات سے جن کے پاس اب بھی مولانا کا کلام موجود ہو، گزارش ہے کہ وہ اولین
رصت میں اس کے بارے میں ادارہ کو مطلع فرمائیں تاکہ آئندہ اشاعتوں میں انہیں شامل
لیا جا سکے۔ ادارۂ تعمیرِ ادب آئندہ ماہر صاحب کی نثری کتب کی از سر نو اشاعت کا بھی
ہتمام کرے گا اس سلسلے میں ضروری اقدامات کئے جا رہے ہیں۔ ماہر القادری صاحب کی
ور تحریریں، غیر مطبوعہ شہپارے، خطوط وغیرہ جن حضرات کے پاس محفوظ ہوں وہ ادارہ سے
اتاخیر رابطہ کریں۔ ہم اس کے لئے ان کے ممنون ہوں گے۔

ادارۂ تعمیرِ ادب سے تعلق رکھنے والے مولانا ماہر القادری کے پرانے رفقائے کار جو
ھ کر رہے ہیں وہ مرحوم سے اظہارِ محبت اور خراجِ عقیدت کے سوا کچھ نہیں۔

سید مقدس علی
نائب صدر ادارۂ تعمیر ادب
C 123 بلاک نمبر 10
فیڈرل بی ایریا، کراچی

ماہر القادری..... مراحلِ حیات

ماہر القادری جامع الصفات شاعر اور نثرنگار تھے۔ ان کا اندازِ نعت گوئی بڑا دل پذیر اور فکر و خیال کی پاکیزگی اور رعنائی کا آئینہ دار ہے جسے خلوص کی حلاوت' جذبے کی صداقت اور زبان وبیان پر قدرتِ کامل نے وہ مخصوص اسلوب بخشا ہے جو انہیں عصرِ حاضر کے نعت نگاروں میں ایک ممتاز مقام عطا کرتا ہے ماہر اپنے ہم عصر غزل گو شعرا میں منفرد خصوصیات کے حامل ہیں اور ڈاکٹر فرمان فتح پوری کے الفاظ میں ان کی غزل گوئی قاری اور سامع کو چونکائے بغیر نہیں رہتی۔ انہوں نے رومانی' سیاسی' ملی' مذہبی اور معاشرتی موضوعات پر مختلف اصنافِ سخن میں بے شمار نظمیں بھی لکھیں جو ان کی قادر الکلامی پر شاہدِ عادل ہیں۔

نثر میں موصوف نے چار ناول یادگار چھوڑے۔مختلف وقتوں میں چھ مجموعے افسانوں کے طبع کرائے۔ مختلف شخصیات پر تقریباً" دو سو خاکے لکھے۔باقاعدہ کتابی صورت میں ایک سفر نامۂ حج (کاروانِ حجاز) کے علاوہ مختلف سفروں کی رو داد"سیاحت نامۂ ماہر" کے عنوان سے بھی شائع ہو چکی ہے جسے ان کی وفات کے بعد جناب طالب ہاشمی نے مرتب فرمایا۔تبصرہ نگاری میں ماہر القادری واقعتہً انفرادیت اور خاص امتیاز کے حامل ہیں اور دو ہزار سے زاید کتابوں پر انہوں نے جامع اور بھرپور تبصرے قلمبند کیے۔ اسی طرح تنقید' لغت اور اصلاحِ زبان کے سلسلے میں ان کی خدمات بڑی وقیع ہیں۔اس کے علاوہ مذہبی' سیاسی اور علمی موضوعات پر ان کی لاتعداد تحریریں اپنی ثقاہت' سند اور وقعت کے اعتبار سے بڑی اہم ہیں۔ اس سلسلے میں ان کے ماہانہ رسالے "فاران" نے جو کردار ادا کیا اور اسلامی نظام اور دینی تعلیمات کے اثبات اور غیر اسلامی افکار اور لادینی نظریات کے رّد میں قلمی جہاد کا جو معرکہ انجام دیا' علم و ادب و زبان کی جو خدمات انجام دیں اور تنقید میں عدل و توازن اور جرأت و وقار کا جو معیار قائم کیا وہ اردو صحافت کی تاریخ میں ہمیشہ زندہ رہے گا فی الحقیقت ایک شاعر' ایک ادیب' ایک داعیٔ حق اور ایک صحافی کی حیثیت سے ماہر کا مقام و مرتبہ بہت بلند ہے۔

ماہر القادری کا اصل نام منظور حسین اور ماہر تخلص تھا۔ سلسلہ قادریہ میں بیعت ہونے کی وجہ سے القادری تخلص کا جزو بن گیا۔30 جولائی 1906ء (8 جمادی الثانی 1324ء) کو ضلع بلند شہر (یو پی' بھارت) کے ایک قصبہ کسیر کلاں میں پیدا ہوئے والد کا نام معشوق علی تھا جو آبائی طور پر زراعت پیشہ تھے مگر علمی و ادبی ذوق رکھتے تھے عربی' فارسی اور انگریزی سے آگاہ تھے اور شعر بھی کہتے تھے۔

ماہر القادری نے جس ماحول میں آنکھیں کھولیں وہاں قبر پرستی اور بدعات اور رسوم کا بڑا چرچا تھا اور صحیح العقیدہ' راست فکر علماء کو سب وشتم کا نشانہ بنایا جاتا تھا۔ ماہر کے والد بھی اگرچہ گاؤں کی مروجہ رسوم: میلاد کے قیام' فاتحہ' سلام و چہلم میں حصہ لیتے تھے مگر وہ دوسرے علما سے بدظن نہ تھے اور پوری بستی میں صرف یہی گھر تھا جس میں مولانا اشرف علی تھانوی کا "بہشتی زیور" موجود تھا جس کی وجہ سے عام لوگوں کی طرف سے ان پر "دیو بندیت" کی طنز سننے میں آتی تھی ۔ ماہر کے والدصوم وصلواۃ کے پابند ایک خدا ترس انسان تھے اور ان کی زبان اکثر وبیشتر اللہ تعالیٰ کے ذکر اور شکر سے تر رہتی تھی۔

ماہر کی عمر آٹھ برس کی تھی جب ان کی والدہ ممتاز بیگم وفات پاگئیں۔اس حادثے کے کئی سال بعد ان کے والد نے ایک خاتون معشوق النساء سے عقدِ ثانی کیا۔یہ خاتون بڑی ہی نیک' دیندار' اور خلیق و حلیم تھیں۔انہوں نے ماہر کو سگی ماں کا پیار دیا' ماہر کے چھوٹے بھائی مسرور حسین ان کے بطن سے پیدا ہوئے اور دونوں میں اخیر وقت تک پیار و محبت اور ایثار و تعاون کا جو گہرا تعلق کار فرما رہا اس کے حوالے سے بہت ہی کم لوگوں کو علم تھا کہ دونوں بھائی ایک ہی ماں کے پیٹ سے نہیں ہیں۔

ماہر نے قرآنِ حکیم اور اردو کی ابتدائی تعلیم گاؤں کے مکتب سے حاصل کی اس کے ساتھ ساتھ وہ اپنے والد سے فارسی کی کتابیں بھی پڑھتے رہے اور نو سال کی عمر میں یعنی 1915ء میں جب انہوں نے کیر مڈل اسکول ڈبائی میں داخلہ لیا تو وہ "گلستان" ختم کر چکے تھے ایک طالب علم کی حیثیت سے ماہر کو تاریخ' اردو اور فارسی میں تو امتیازی حیثیت حاصل رہی مگر ریاضی میں کمزور تھے اس لئے 1924ء میں جب انہوں نے الہ آباد یونیورسٹی سے میٹرک کا امتحان دیا تو فیل ہوگئے تاہم 1926ء میں انہوں نے یہ امتحان مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے پاس کر لیا۔

ماہر کی امتحان میں ناکامی کے چند ہی ماہ بعد ان کے والد وفات پاگئے۔ وہ بڑے ہی شفیق اور محبت کرنیوالے باپ تھے چنانچہ قدرتی طور پر نوجوان ماہر نے اس حادثے کا شدید اثر لیا' امتحان میں ناکامی اس پر مستزاد تھی چنانچہ سال سوا سال کی مدت سخت اضطراب اور بے کیفی میں گزری تا آنکہ ان کی سوتیلی والدہ نے ان کی پریشانی کا مداوا کیا اور دسمبر 1925ء میں ان کی شادی کر دی۔

کیر کلاں سے دس میل کے فاصلے پر ضلع بدایوں کے قصبہ گنور میں مشہور و معروف قادریہ خانقاہ تھی جہاں کے سجادہ نشین مولانا عبدالقدیر بدایونی علاقے بھر میں مرجع خلائق تھے اور کیر کلاں کے بہت سے لوگ بھی مولانا کی ظاہری وجاہت' بزرگی اور تقریر کے

دلکش انداز سے متاثر ہو کر ان کے مرید ہو گئے تھے چنانچہ عام فضا کے پیش نظر ماہر چھٹی جماعت میں پڑھتے تھے جب وہ مولانا موصوف کے باقاعدہ مرید ہوگئے اور ارادت کا سلسلہ گہرا ہوتا چلا گیا۔ ماہر کی شاعرانہ صلاحیتوں سے مولانا بدایونی بہت متاثر ہوئے اور نہ صرف خود خصوصی لطف وکرم سے پیش آتے بلکہ انکے اعزاء ومتوسلین بھی ماہر کو خاص اہمیت دیتے۔

ماہر کو چونکہ کھیتی باڑی سے چنداں دلچسپی نہ تھی اس لئے انہوں نے میٹرک کے بعد ملازمت کی کوشش شروع کردی چنانچہ مولانا عبدالقدیر بدایونی کی سفارش پر ماہر کو 1929ء میں حیدر آباد دکن کے محکمہ ڈاک میں کلرک کی ملازمت مل گئی۔ مولانا بدایونی کے تعلقات نظامِ دکن سے بہت خوشگوار تھے اور حکومت دکن کی طرف سے انہیں بھاری وظیفہ ملتا تھا۔کچھ ہی عرصہ کے بعد مولانا موصوف دکن کی عدالتِ عالیہ میں مفتی بن کر آگئے تو انہوں نے ماہر کی تقرری عدالت کے صیغۂ انتظامی میں کرا لی۔

ماہر حیدر آباد دکن میں کم و بیش پندہ برس تک مقیم رہے اور وہاں کی تمدنی، علمی، اور ادبی فضا سے انہوں نے گہرا اثر قبول کیا یہ ریاست اگرچہ برطانیہ کی باجگزار اور مطیع و فرمانبردار تھی مگر اپنی مخصوص حیثیت اور امتیازی خصوصیات کے اعتبار سے ہندوستان بھر کی ریاستوں میں خاص انفرادیت کی حامل تھی اسے داخلی طور پر خاصی خود مختاری حاصل تھی اور اس کا الگ سکہ ،الگ پرچم اور ڈاک اور ریلوے کا الگ نظام تھا۔معاشرتی امن وامان، مرفہ الحالی ، تمدنی یکسرنگی، انتظامی خوبیوں اور علمی و ادبی ماحول کی وجہ سے پورے برصغیر سے ہر مکتب فکر کے شعراء، ادباء، دانشور اور اہلِ کمال یہاں جمع ہو گئے تھے ماہر غیر معمولی صلاحیتوں کے قادر الکلام شاعر تھے وہ بچپن ہی سے شعروادب سے گہری وابستگی رکھتے تھے اور اپنے وسیع مطالعے، شب و روز کی محنت و ریاضت ، اور پُر سوز مترنم لہجے نے انہیں وہ اعتماد و وقار عطا کر دیا تھا کہ تھوڑے ہی عرصے میں وہ حیدر آباد کی شعری محفلوں پر چھا گئے اور وہ بہت جلد صفِ اول کے شعراء میں شمار کئے جانے لگے صرف یہی نہیں بلکہ دینی اور تبلیغی جلسوں میں تلاوتِ قرآن کے بعد ماہر کی نظم مستقل روایت کی صورت اختیار کر گئی خصوصاً" نواب بہادر یار جنگ کی تقریر اور ماہر کی نعت یا ملی نظم لازم و ملزوم بن گئے۔

ماہر القادری جن دنوں شعر و سخن کی دنیا میں سرگرمِ سفر تھے، ترقی پسند تحریک کے آغاز اور عروج کا دور تھا اور نوے فیصد ادباء و شعراء اس رو میں بہ نکلے تھے۔ اب یہ بات ثابت ہو چکی ہے اور اس زمانے میں بھی ڈھکی چھپی نہیں تھی کہ ترقی پسند تحریک کا اصل مقصد کمیونزم کی ترویج واشاعت اور دینی اور اخلاقی قدروں کے استیلا و انہدام کے سوا کچھ نہ تھا

اور شعر و ادب کے لبادے میں ترقی پسند شعراء اور ادیب بنیادی طور پر روس کی اشتراکی حکومت کے آلۂ کار کی حیثیت سے مصروفِ کار تھے 1935ء میں اس تحریک کا آغاز ہوا ، 1950ء تک اس کا طوطی بولتا رہا اور ترقی پسند تحریک سے وابستگی روشن خیالی کا معیار بن گئی اور اسی نسبت سے عریاں نگاری اور دینی شعار کی توہین دنیائے شعر و ادب کا فیشن بن گیا۔ مگر ماہر القادری کو اللہ نے جن خصوصی انعامات سے نوازا ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ انہوں نے اپنی سلامتِ طبع سے دینِ حق کا بے میل اور صاف ستھرا تصور حاصل کرلیا حیدر آباد جاتے ہی ان کا تعارف مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی سے ہوگیا جو وقت کے ساتھ ساتھ گہرے تعلقات میں بدل گیا دیگر علمائے حق کے ساتھ بھی ان کے مراسم بڑے خوشگوار تھے' نتیجہ یہ ہوا کہ وہ پیر پرستی اور بدعات و رسوم کے ماحول سے مکمل طور پر دامن کش ہوگئے اور توحیدِ خالص کے اس قدر مؤیّد و مبلغ بن گئے کہ ماہر القادری کا نام آتے ہی اہل بدعت کی بھنویں تن جاتی ہیں۔

چنانچہ یہ بھی ماہر القادری کی سلیم الطبعی کا کرشمہ ہے کہ انہوں نے کسی تامل اور تاخیر کے بغیر ترقی پسندوں کو پہچان لیا اور اپنی تقریروں، تحریروں اور منظومات میں ان کا تعاقب شروع کر دیا۔یہ سلسلہ آخیر وقت تک قائم رہا۔

ماہر کو دکن میں ہر طرح کی سہولتیں حاصل تھیں۔ پیسہ' عزت اور شہرت۔ وزیراعظم مہاراجہ سرکشن پرشاد اور ولی عہد پرنس معظم جاہ کے علاوہ ریاست کے دیگر بڑے بڑے عہدیدار ان کی خاص عزت کرتے،علمی و ادبی محفلوں میں انہیں خصوصی تکریم ملتی،مگر وہ ریاست کی سیاسی گھٹن اور مخصوص جاگیر دارانہ ماحول کی وجہ سے خوش نہ تھے' اور کسی بہانے اس سے جان چھڑانا چاہتے تھے چنانچہ ایک بار انہیں "مدینہ" بجنور میں ملازمت کی پیش کش ہوئی تو وہ اخبار کے مدیرِ معاون اور بچوں کے پندرہ روزہ "غنچہ" کے مدیر بن کر بجنور چلے گئے مگر "مدینہ" روزانہ اخبار کی حیثیت سے نہ چل سکا اور چھ ماہ بعد بند ہو گیا اس لئے ماہر واپس دکن آگئے ۔ اسی طرح فلمی دنیا سے وابستہ ماہر کے بعض شاعر دوستوں نے ترغیب دی کہ وہ بمبئی منتقل ہو جائیں۔ ماہر مشاعروں کے سلسلے میں بمبئی جاتے رہتے تھے اور وہاں ان کا حلقۂ تعارف خاصا وسیع تھا۔ چنانچہ ماہر اپنے دوستوں کے اصرار پر فلمی دنیا کی چکا چوند اور غیر معمولی مالی یافت کے پیشِ نظر 1944ء میں بمبئی منتقل ہوگئے۔ وہاں انہوں نے متعدد فلموں کے گیت لکھے جو مقبول ہوئے اور اس طرح تھوڑے ہی عرصے میں ان کی ماہانہ آمدنی ڈھائی تین ہزار روپے تک جا پہنچی۔

بمبئی میں ایک نامور مغنیہ جدن بائی تھی جس کے ہاں ہر شعبۂ زندگی سے وابستہ

نامور لوگ آتے رہتے تھے جن میں ماہر بھی شامل تھے۔جدن بائی ماہر کی شعری صلاحیتوں ' ذاتی خوبیوں اور شخصی وجاہت سے بڑی متاثر تھی یاد رہے کہ ماہر وجیہ و شکیل تھے اور فانی بدایونی انہیں ماہرُ د کہا کرتے تھے۔ جدن بائی کی ایک نو عمر بیٹی تھی جس نے آگے جاکر نرگس کے نام سے فلمی دنیا میں بڑا نام پیدا کیا جدن بائی چاہتی تھی کہ اس کی بیٹی اُس بازار کی آلائشوں سے بچ کر پاکیزہ زندگی گزارے اور ماہر سے اس کی شادی ہوجائے مگر ماہر ایک حقیقت شناس اور بیدار مغز انسان تھے وہ دینی قدروں سے آگاہ تھے اور فلمی دنیا سے وابستگی کے باوجود نہ وہ کبھی شراب کے قریب پھٹکے نہ ان کا کردار کسی آلائش سے داغدار ہوا چنانچہ جدن بائی کی غیر معمولی توجہ اور خود نرگس کی بڑھتی ہوئی دلچسپی سے ماہر گھبرا گئے انہوں نے ساری شہرت اور غیر معمولی مالی فوائد پر لات ماری اور ایک ڈیڑھ سال کے بعد ہی وہ اس ماحول سے پیچھا چھڑا کر دہلی چلے گئے یہ 1946ء کے وسط کی بات ہے۔

دہلی میں ماہر نے ایک نیم تعمیر شدہ مکان خریدا،اسے مکمل کرایا' ایک ماہانہ رسالے کا ڈیکلریشن لیا اور زندگی کے نئے باب کا آغاز کرنے ہی والے تھے کہ پاکستان کا قیام عمل میں آگیا اور وہ سب کچھ چھوڑ کر پاکستان آگئے چند ماہ ملتان میں ٹھہرے اور پھر کراچی منتقل ہوگئے جہاں وہ مئی 78ء یعنی وفات سے پہلے تک مقیم رہے۔

کراچی میں اپریل 1949ء سے ماہر نے ماہنامہ" فاران" کا اجراء کیا جو بڑی ہی پابندی کے ساتھ 29 برس تک شائع ہوتا رہا ادارت کے فرائض ماہر تن تنہا انجام دیتے بلکہ آغاز میں تو رسالے کے بنڈل بھی خود ہی اٹھا کر ڈاک خانے تک لے جاتے تاہم ماہر صاحب کی محنت' لگن' دیانت اور خلوص کے نتیجے میں" فارانؒ کی اشاعت بڑھتی چلی گئی اور اسے اتنے اشتہار ملنے لگے کہ وہ اعلیٰ مقصدیت اور تبلیغِ دین کے ساتھ ساتھ معقول آمدنی کا ذریعہ بھی بن گیا۔

ماہر القادری ایک بااصول مدیر تھے بنکوں کے اور تصویروں والے اشتہار قبول نہ کرتے۔ مخالفانہ تحریروں اور معترضانہ تنقیدوں کو بھی شائع کرتے اور ان کا مدلل و مسکت جواب لکھتے۔ان کا مطالعہ ہمہ جہت تھا اور وہ بڑے ہی زود نویس انشاء پرداز تھے۔بعض موضوعات کے معاملے میں وہ بہت حساس تھے جن میں اسلامی نظام' توحید' اردو' جماعتِ اسلامی' بدعات' انکار حدیث' اور قادیانیت شامل ہیں ان موضوعات کے حوالے سے وہ معترضین کے ایک ایک اعتراض کے جواب میں دلائل اور علمی حوالوں کا انبار لگا دیتے اور مخالف کے اطمینان کے لئے کوئی کسر اٹھا نہ رکھتے۔"نقش اول" میں وہ سیاسی ' دینی' علمی اور تہذیبی حوالوں سے حالات و واقعات کا تجزیہ بڑی جرأت' وقار اور دلیل سے کرتے۔"فاران" میں

مختلف موضوعات پر مستند مضامین شائع ہوتے۔نعت اور غزل کا خوبصورت انتخاب چھپتا اور ہر ماہ کتابوں پر ماہر کے اپنے تبصرے شامل ہوتے۔یہ تبصرے اپنی جزئیات نگاری، بے باکی، عدل وتوازن، اور مدلل ہونے کے اعتبار سے اردو تبصرہ نگاری کی تاریخ میں اپنا کوئی جواب نہیں رکھتے ماہر نے خصوصاً" جماعتِ اسلامی اور مولانا مودودی کی حمایت اور مدافعت میں جو کردار ادا کیا وہ خاص اہمیت رکھتا ہے اور جماعت اسلامی کا کوئی موٴرخ اسے نظرانداز نہیں کرسکے گا۔

"فاران" کی ادارت اور اشاعت کے علاوہ شاعری کا مشغلہ ماہر کے لئے عزت اور تبلیغ کا ذریعہ بھی تھا اور آمدنی کا وسیلہ۔بھی ماہر کو برصغیر اور خصوصاً" پاکستان کے ہر بڑے مشاعرے میں بلایا جاتا اور وہ معقول معاوضہ لئے بغیر مشاعروں میں نہ جاتے۔تبلیغی اور تحریکی اجتماعات البتہ اس سے مستثنیٰ تھے ان اجلاسوں کے لئے سفر خرچ بھی قبول نہ کرتے۔

کراچی میں ماہر نے ایک بھرپور علمی ادبی، دعوتی اور صحافتی زندگی گزاری۔مسلم لیگی حکمرانوں اور سیاست دانوں کی روایتی بے حسی اور ہمہ جہت غیر ذمہ داری کے پیشِ نظر کمونسٹوں نے اس نوازئیدہ مملکت پر قبضہ کرنے کا جامع پروگرام بنایا تھا اور سیاست، تعلیم ادب، اور محنت کے محاذ پر انہوں نے بھرپور انداز میں کام کا آغاز بھی کر دیا تھا خصوصاً" انجمن ترقی پسند مصنفین کے پلیٹ فارم سے شعراء و ادباء اور صحافیوں کی پوری ایک کھیپ اشتراکی نظریات کے فروغ اور اشاعت کے لئے سرگرمِ عمل ہوگئی۔

ماہر القادری اشتراکیوں کے عزائم سے بخوبی اگاہ تھے وہ شروع ہی سے اس طبقے کا تعاقب کررہے تھے اور قیامِ بمبئی کے دوران یہ تصادم تیز تر ہوگیا تھا چنانچہ وہ "فاران" کے اجراء کے ساتھ ہی ان لوگوں کی خبر لینے لگے اور نہ صرف اس رسالے میں کمونسٹوں کو بے نقاب کرنے اور تعمیرپسند ادیبوں اور شاعروں کو منظم کرنے کا پروگرام بنایا اور اس مقصد کے لئے حلقۂ ادب اسلامی قائم کیابلکہ اس کا سب سے بڑا مقصد ادب و شعر کے حوالے سے اسلامی اقدار کی ترویج واشاعت اور دینی قدروں کا احیاء تھا چنانچہ کراچی کے بہت سے باصلاحیت تعمیرپسند ادباء و شعراء اس حلقے میں شامل ہوگئے۔ حلقۂ ادبِ اسلامی کی شاخیں پاکستان بھر میں قائم کی گئیں اور اس ادارے نے ملک بھر کے اسلامی فکر و نظر کے حامل ادیبوں اور شاعروں کو ایک پلیٹ فارم پر متحد ہونے کا موقع فراہم کیا بے شمار نئے لکھنے والوں کی حوصلہ افزائی ہوئی اور ان کی تحریروں میں مثبت نوعیت کی مقصدیت اور پاکیزگی پیدا ہوئی حقیقت یہ ہے کہ "حلقۂ ادب اسلامی" نے ترقی پسندوں کی زہرناکیوں کے تدارک میں اہم کردار ادا کیا۔

ان مصروفیات کے ساتھ ساتھ ماہر صاحب تبلیغی اور دعوتی نوعیت کی تقریبات میں بھی پابندی سے شامل ہوتے سیرت النبیؐ کی محفلوں میں خصوصاً شرکت کرتے اور نعت سنانے کے علاوہ تقریر بھی کرتے انہوں نے جماعتِ اسلامی کی رکینت تو اختیار نہیں کی تھی، مگر جماعت سے انکا نظریاتی تعلق بہت گہرا تھا اس حوالے سے انہیں ملک کے طول و عرض سے دینی و تبلیغی اجتماعات میں شرکت کی دعوت دی جاتی جسے وہ ردّ نہ کرتے تبلیغی حوالے سے وہ کوئی معاوضہ نہ لیتے ان کے پسندیدہ موضوعات بالعموم اثباتِ توحید اور اسلامی نظام کی برکات و جامعیت پر مبنی ہوتے تھے۔

1954ء میں ماہر صاحب نے پہلا حج کیا اور اپنے مشاہدات و تاثرات کو کاروانِ حجاز کے نام سے کتابی صورت میں شائع کیا یہ کتاب حج کے سفرناموں میں ایک ممتاز حیثیت کی حامل ہے۔

مارچ 1969ء میں ماہر نے ڈربن کے مسلمانوں کی دعوت پر جنوبی افریقہ کا دورہ کیا اس سفر میں مشرقی افریقہ، یورپ، ترکی، بیروت کی سیاحت کے علاوہ مکہ اور مدینہ کے سفر کی بھی سعادت حاصل کی اگست 1976ء میں انہیں تیسری بار عمرہ کا اعزاز نصیب ہوا اس سفر میں انہوں نے انگلستان کی سیاحت بھی کی۔

چوتھی اور آخری بار موصوف مئی 1978ء میں حجاز تشریف لے گئے اور یہی ان کا سفرِ آخرت ثابت ہوا 12 مئی کو انہوں نے کعبتہ اللہ میں حاضری دی اور عمرہ ادا کیا اسی رات کو جدہ میں ایک مشاعرہ ہو رہا تھا ماہر ڈائس پر بیٹھے تھے اور وہیں وہ حرکتِ قلب بند ہونے سے انتقال کر گئے۔ دوسرے روز جمعہ تھا۔ ان کی میت حرمِ کعبہ میں لائی گئی نمازِ جمعہ کے بعد جنازہ پڑھا گیا اور اس کے بعد انہیں جنت معلیٰ میں ام المومنین حضرت خدیجتہ الکبریٰؓ کی پائنتی کی طرف دفن کر دیا گیا بقول مولانا محمد علی جوہرؒ۔

ہے رشک ایک خلق کو جوہر کی موت پر
یہ اس کی دین ہے جسے پروردگار دے

مجموعی اعتبار سے ماہر کی صحت عمر بھر قابلِ رشک رہی آخری چند سال وہ عارضۂ قلب میں مبتلا رہے اور یہی مرض 72 برس کی عمر میں ان کی وفات کا سبب بنا۔

ماہر کی اپنی کوئی اولاد نہ تھی، مگر انہوں نے بڑی ہی مطمئن زندگی گزاری ان کی اہلیہ 1966ء میں وفات پاگئی تھیں لیکن ماہر نے یہ صدمہ صبر اور شکر کے ساتھ برداشت کیا انہیں اپنے چھوٹے بھائی مسرور حسین اور ان کے بچوں سے بڑی محبت تھی اور وہ ان کی مالی خوشحالی اور ترقی کے لئے ہر طرح کے تعاون اور ایثار سے کام لیتے تھے۔

جہاں تک شاعری کا تعلق ہے ماہر نے ہر صنف سخن میں طبع آزمائی کی۔ ان کا کلام برصغیر کے ہر اچھے رسالے میں چھپتا رہا اور پسند کیا گیا۔ یہ کلام مختلف وقتوں میں کتابی صورت میں شائع ہوتا رہا چنانچہ 1939ء سے 1956ء تک ان کے چھ شعری مجموعے منظرعام پر آئے یعنی ظہورِ قدسی (نعتیہ مجموعہ) 1939ء، محسوساتِ ماہر 41ء، نغماتِ ماہر 42ء، ذکرِ جمیل 44ء، جذباتِ ماہر 44ء اور فردوس 56ء۔مرتب صورت میں "فردوس" ان کا آخری مجموعہ کلام ہے۔ وفات (1978ء) تک انکی منظومات انکے ذاتی رسالے "فاران" ماہنامہ "سیارہ" لاہور اور ماہنامہ "چراغ راہ" کراچی میں چھپتی رہیں۔ معدودے چند غزلیات "نقوش"، "نیا دور" کراچی، ماہنامہ "اردو ڈائجسٹ"، "ہمدرد ڈائجسٹ" اور "جسارت" کراچی میں بھی شائع ہوئیں۔

مذکورہ بالا مجموعہ ہائے کلام کے جائزے سے اندازہ ہوتا ہے کہ ماہر کے کلام میں غزلیات کا حصہ تقریباً" ایک تہائی کے برابر ہے اور باقی 2/3 حصہ مختلف موضوعات پر مبنی نظموں پر مشتمل ہے۔

موصوف انتخاب اور تنقید کا ایک خاص معیار رکھتے تھے اور اس ضمن میں اپنے آپکو بھی معاف نہیں کرتے تھے چنانچہ یہ دلچسپ امر ہے کہ ایک زمانے میں کراچی سے "گردوپیش" نام کا ایک ماہنامہ شائع ہوتا تھا۔ اس کے ایک خاص نمبر میں ماہرالقادری کی نظم بھی شائع ہوئی۔ رسالہ تبصرے کے لئے ماہر کے پاس بھیجا گیا اور انہوں نے "فاران" میں اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا "ماہرالقادری کی نظم میں نگاہ کو "چشم" کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے جو قابلِ غور ہے۔" (فاران اکتوبر 1965ء)

اسی طرح ماہر صاحب اپنے سارے کلام کا ایک نظرثانی شدہ ایڈیشن مرتب کرنا چاہتے تھے۔ اس امر کا اعلان کرتے ہوئے انہوں نے لکھا:۔

"میں اپنے تمام شائع شدہ کلام کا انتخاب کررہا ہوں تاکہ جو بھرتی کی غزلیں اور نظمیں ہیں ان کو نکال دیا جائے ـــــ میں اس پر خود مقدمہ لکھوں گا جس میں اپنے کلام کی کمزوریوں کی خود نشاندہی کروں گا کہ جن اشعار کو خارج کیا گیا ہے ان میں فن و زبان اور اظہار و بیان کے کیا اسقام ہیں۔" (فاران فروری 65ء)

لیکن یوں لگتا ہے کہ متنوع اور غیرمعمولی مصروفیات کی وجہ سے ماہر اس ارادے کی تکمیل نہ کرسکے اسی انتظار میں (فردوس کے سوا) ان کا کوئی اور مجموعۂ کلام قیامِ پاکستان کے بعد شائع نہ ہوسکا۔

زیر نظر کلیات میں ماہر کا سارا مطبوعہ اور غیر مدون دستیاب کلام زمانی ترتیب سے یکجا کر دیا گیا ہے تاہم ماہر ہی کے انداز میں ایک تصرف تو یہ کیا گیا ہے کہ حمد و نعت پر مبنی سارا کلام کلیات کے شروع میں رکھا گیا ہے (ماہر نے 1944ء میں "ذکر جمیل" شائع کی جس میں ساری مطبوعہ نعتیں بھی شائع کر دی گئی تھیں) اور سارا فارسی کلام اکٹھا کر کے آخر میں دے دیا گیا ہے۔ امید ہے شعر و سخن کے شائقین اور خصوصاً" ماہر صاحب کے چاہنے والے اس سے محظوظ و مستفید ہوں گے۔

طالب ہاشمی صاحب عہدِ حاضر کے بڑے مورخ اور منفرد محقق و مصنف ہیں۔ اللہ نے انہیں خصوصاً" اصحاب رسولؐ کے مبسوط و بھرپور اور مستند تذکرے لکھنے کا جو شرف عطا فرمایا' وہ بڑا ہی مبارک اور قابلِ رشک ہے۔ مگران کا سب سے بڑا امتیاز یہ ہے کہ وہ بحیثیت انسان اخلاص 'اور محبت و شفقت کے پیکرِ مجسم ہیں۔ اسی اخلاص کا نتیجہ ہے کہ موصوف محترم نے مولانا ماہر القادری کی وفات کے بعد دیرینہ تعلق کا حق یوں ادا کیا کہ "فاران" کی فائیلوں میں دفن مختلف موضوعات پر ماہر صاحب کے مضامین کو مرّتب کر کے متعدد کتابوں کی صورت میں شائع کر دیا۔ علمی دنیا پر ان کا یہ بہت بڑا احسان ہے۔

ہاشمی صاحب کی عنایات راقم الحروف کو بھی حاصل ہیں۔ مولانا ماہر القادری پر ڈاکٹریٹ کے دوران انہوں نے مجھے ماہر صاحب کی متعدد نایاب تحریریں فراہم کیں اور خصوصی حوصلہ افزائی فرمائی۔ چنانچہ طالب ہاشمی صاحب مولانا ماہر سے جو گہرا قلبی تعلق رکھتے ہیں اس حوالے سے میں اس کتاب کا انتساب انہی کے اسم گرامی سے کرتا ہوں اور دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کا مبارک سایہ تادیر سلامت رکھے اور آخرت میں ان کی علمی و دینی مساعی کو مشکور فرمائے۔

عبدالغنی فاروق
ایسوسی ایٹ پروفیسر شعبہ اردو
گورنمنٹ کالج آف سائنس" لاہور

حمد و نعت

حمد و نعت و منقبت رُوحِ رواں شاعری

حمد

خدا کے نام سے ہر ابتدائے کار کریں
اسی کی راہ میں ہر چیز کو نثار کریں
یہی تو دل کی سعادت ہے نطق کی معراج
خدا کی حمد کریں اور بار بار کریں
مسرّتیں ہوں تو شکرِ خدا بجا لائیں
مصیبتیں ہوں تو ہم صبر اختیار کریں
یہ کیا کہا کہ نگاہِ کرم نہیں ہوتی
گناہگار گناہوں کا بھی شمار کریں
اسی میں دل کا سکوں ہے یہی ہے عقل کی بات
خدا رسولؐ کی باتوں پہ اعتبار کریں
ہر ایک پھول چمن کا، خدا کی آیت ہے
اسی نگاہ سے نظّارۂ بہار کریں

حمد

خدا کا نام سہارا ہے ہر کسی کے لیے
خدا کا ذکر ہی تسکیں ہے زندگی کے لیے
دل و نظر کو ضرورت نہیں چراغوں کی
یقیں کی شمع ہی سب کچھ ہے روشنی کے لیے
میں کیوں جہاں میں کسی اور کی طرف دیکھوں
خدا کی ذات ہی کافی ہے دوستی کے لیے
اسی کا نام فنا ہے' اسی کا نام بقا
رضائے دوست ضروری ہے زندگی کے لیے
گمان و وہم کے آگے یقیں کی منزل ہے
پھر اس کے بعد اجالا ہے آدمی کے لیے
زباں پہ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ ہے ماہر
یہی وظیفہ ہے ایماں کی تازگی کے لیے

حمد

جس کی اللہ کی رحمت پہ نظر ہوتی ہے
زندگی اس کی امنگوں میں بسر ہوتی ہے

نام اللہ کا لے غم سے نہ گھبرا اے دل
ان دھندلکوں سے نمودار سحر ہوتی ہے

پہلے کرتی ہے یہ اقرار " **ھو اللہُ احد** "
پھر نسیمِ سحری گرمِ سفر ہوتی ہے

وہ دعا ہاں ! وہ دعا جس میں یقیں شامل ہو
کون کہتا ہے کہ محرومِ اثر ہوتی ہے

ہر طرف اس کے ہی جلووں کی ہے رونق ماہر
دل کی دھڑکن سے بھی تائیدِ نظر ہوتی ہے

حمد باری تعالیٰ

یہ مرا ایمان ہے، میرے خدا تیرے سوا
کوئی داتا ہے نہ کوئی دوسرا مشکل کشا

صرف تیری ذاتِ بے ہمتا ہے علّامُ الغیوب
تجھ سے پوشیدہ نہیں ہے وہ خلا ہو یا ملا

سب ترے بندے ہیں تو معبود اور مسجود ہے
سب ترے محتاج ہیں کیا اولیاء کیا انبیاء

ذات تیری ماورائے فہم و ادراک و قیاس
سوچنا چاہے تو دم گھٹنے لگے جبریل کا

حکم سے تیرے زمین و آسماں گردش میں ہیں
تابعِ فرماں ہیں تیرے بحر و بر، آب و ہوا

ماہ و انجم، لالہ و گل تیری قدرت کا ظہور
ہر کمال و حسن و خوبی ہر صفت تیری عطا

ذرہ ذرہ پتہ پتہ تیری صنعت کا گواہ
بلبل و قمری ہیں تیری حمد میں نغمہ سرا

رازق و خلّاق، ربِّ مشرقین و مغربین
مقتدر، قادر، قدیر و مالکِ روزِ جزا

تیری خلّاقی کا مظہر، تیری قدرت کی دلیل
عالمِ کون و مکاں از ابتدا تا انتہا

نور و ظلمت خیر و شر، رنج و خوشی، موت و حیات
عزت و ذلت، سرور و غم، زوال و ارتقا

خندہ گل، گریۂ شبنم، خزاں ہو یا بہار
آب و آتش برق و باراں سب کا خالق ہے خدا

کون ہے تیرے سوا بندہ نواز و دستگیر
تو ہی سنتا ہے شکستِ شیشۂ دل کی صدا

تیری حکمت اور مشیت کتنی رنگا رنگ ہے
زہر بھی پیدا کیا، تریاق بھی پیدا کیا

زیب دیتی ہے تجھی کو سروری و برتری
تو سزاوارِ عبادت، تجھ کو سجدہ ہے روا

تو جو چاہے ریت کے تودوں سے ہوں چشمے رواں
تو نہ چاہے سانس لے سکتی نہیں موجِ صبا

کُلُّ شَئٍ ھالِکٌ جز وجہِ ربِّ العالمین
ذاتِ حق باقی ہے اور سب کا مقدر ہے فنا

بزمِ ہستی کیا ہے؟ تیرے حرفِ کن کی ہے نمود
اک اشارے میں ترے قائم ہوئے ارض و سما

96158

ہر صفت ہے بے مثال و بے نظیر و لا شریک
ذات کی کیا ہو صفت لا ابتدا' لا انتہا

ربِّ تشریعی بھی تو ہے ربِ تکوینی بھی تو
ہر جگہ' ہر سمت' ہر دم حکم چلتا ہے ترا

ذرہ ذرہ کہہ رہا ہے اَشْہَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہ
پتہ پتہ کی زباں ہے اور حمدِ کبریا

عقل سکتے میں ہے' تخئیل و تفکّر دم بخود
دخل کیا تنزیہ میں تشبیہ اور تمثیل کا

التفات ایسا کہ آتش بن گئی باغ خلیل
بے نیازی وہ کہ مقتل ہے زمینِ کربلا

تو نے بخشی ہے زمیں کو قوّت روئیدگی
حکم سے تیرے ہے برگ و شاخ کی نشو و نما

تو وہ قادر' تیری قدرت عرش و کرسی کو محیط
ہے تری فرمانروائی میں ظہورِ استوا

رہنمائی کے لیے مبعوث فرمائے رسول
مدتوں تک یہ مقدس سلسلہ چلتا رہا

ہو گیا اتمامِ نعمت' آنے والے آ چکے
آخری نقطہ پہ یہ دورِ نبوّت رک گیا

اور پھر تشریف لے آئے محمد مصطفیٰ
جبذا صلیِّ علیٰ اہلا" و سہلا" مرحبا

مطلعِ صبحِ نبوّت، مقطعِ دورِ رسل
داعئ حق، صاحبِ معراجِ، ختم الانبیاء

ذاتِ اقدس محترم، فخرِ عرب، نازِ عجم
رحمتہُ للعٰلمین، شمسُ الضحیٰ، بدرالدّجیٰ

زیست لا حاصل محمدؐ کی اطاعت کے بغیر
یا الٰہی ! ہم کو توفیقِ اطاعت ہو عطا

قلبِ خاشع، علمِ نافع، رزقِ واسع چاہیے
موت جب آئے تو پھر ایمان پر ہو خاتمہ[1]

[1] خاتمہ

حمد

پروردگار بھی ہے وہ کارساز بھی ہے
خلّاقِ دو جہاں ہے، بندہ نواز بھی ہے
ہے عالم آشکارا یہ بات راز بھی ہے
اک پرتوِ حقیقت، حسن مجاز بھی ہے
ہر شے ظہور اس کا، ہر سمت اس کے جلوے
یہ کار گاہِ ہستی، اک بزمِ ناز بھی ہے
یہ وقت ہے دعا کا، ہاں ! نام لے خدا کا
آنکھیں بھی شبنمی ہیں، دل میں گداز بھی ہے
یہ ذوق و شوقِ طاعت، ماہر تمہیں مبارک
یہ بھی خیال رکھنا، وہ بے نیاز بھی ہے

حمد

ترا ذکر دل کی ہے زندگی، ترا نام راحتِ جاں بھی ہے
ترے نور کی ہے روشنی تو یہاں بھی ہے تو وہاں بھی ہے

کہیں تذکرے ہیں وجود کے، کہیں سلسلے ہیں سجود کے
تری ذاتِ پاک وہ راز ہے، جو عیاں بھی ہے، جو نہاں بھی ہے

ترے حکمِ کن فیکون کا ہے ازل کے روز سے سلسلہ
کہیں پھول ہے، کہیں خار ہے، یہ بہار بھی ہے خزاں بھی ہے

ترا ذکر ہو، تری یاد ہو، ترا نام ہو کہ پیام ہو
یہی جانِ ابرِ بہار ہے، یہ چمن کی روحِ رواں بھی ہے

حمد

تری شانِ تجمّل کا وقارِ عرش ہے مظہر
ترا نقشِ جلالت ثبت ہے کعبہ کی عظمت پر
ضیا افگن ہے تیرا حسن بتخانہ کی دنیا میں
ترے انوار کی تابش ہے فانوسِ کلیسا میں
کہیں موجود ہے رنگ و بہارِ گلستاں بن کر
کہیں ظاہر ہے تو آتشکدے کی گرمیاں بن کر
ترے حسنِ تحیّر زا کی کوئی انتہا بھی ہے
کہ تو شامل ہے سب میں، اور پھر سب سے جدا بھی ہے
ترا سازِ محبت ہے ترنّم عندلیبوں کا
چٹک غنچہ کی کیا ہے، اک تری توحید کا نغمہ

ترے حسنِ جہاں افروز کے ہیں مختلف منظر
شگوفے، پھول ذرے، کہکشاں، قوسِ قزح، اختر
حدودِ ذات سے تیرے نہیں ہے کوئی شے باہر
نشاط و کیف، نوع و جنس، رنگ و بو، عرض، جوہر
تری شانِ ربوبّیت ہے ہر محلول کی علّت
زمانہ، ظرف، مقدار و تجدد، گردش و حرکت
ترے ہی نور سے روشن ہیں پتھرائی ہوئی آنکھیں
رواں ہوتی ہیں تیرے نام سے چھوٹی ہوئی نبضیں
بیاباں، کوہ، باغ و دشت، صحرا، موج اور ساحل
تری تجرید کے، تفرید کے، توحید کے قائل
سمجھتے ہیں خدا تجھ کو، ثنا کرتے ہیں سب تیری
برہمن، شیخ، اسقف، مغ، پری، جن، حور اور قدسی
ہر اک ان میں ہے تابع، تیرے ہی حکمِ محکم کا
ارادہ، آرزو، خواہش، تمنا، ولولہ، جذبہ

غریبوں کی تڑپ میں، اور یتیموں کی نگاہوں میں
تری رحمت کے جھونکے بند ہیں بیوہ کی آہوں میں
بہا لاتی ہے گزرے دور کو موجِ کرم تیری
قسم کھا کر میں کہتا ہوں زلیخا کی جوانی کی
لجاجت سے تری چوکھٹ پہ کرتی ہیں جبیں سائی
پہاڑوں کی بلندی، اور دریاؤں کی گہرائی
تری قدرت کی طاقت کا یہ اک ادنیٰ کرشمہ ہے
زمیں کے سخت پردے نرم دانہ چیر دیتا ہے
ترے حسنِ جلالت خیز کی گرمی اگر چاہے
ابھی سارا زمانہ برف کی صورت پگھل جائے
جو تو چاہے مرے مولا تو کانٹے خون ٹپکائیں
رگیں پھولوں کی پتھر سے زیادہ سخت ہو جائیں
ترے جلوے طلسمِ رنج و کلفت توڑ دیتے ہیں
ترے لطف و کرم ٹوٹے دلوں کو جوڑ دیتے ہیں

حمد

فکر و دانش کی ہے معراج خدا کا اقرار
یہی و جدان کی آواز ہے فطرت کی پکار
علم کا نقطۂ آخر ہے یقیں کی تنویر
اسی تنویر سے ہوتے ہیں منوّر افکار
عقل ایمان کے سائے ہی میں پاتی ہے فروغ
یہی جذبہ ہے جو کرتا ہے خودی کو بیدار
ہے متاعِ دل و جاں نورِ یقیں، حسنِ عمل
اسی ماحول میں ہوتے ہیں نمایاں کردار
بے یقینی کی خلش دل کو ہے پیغامِ اجل
نہ جراحت کی کوئی حد ہے نہ زخموں کا شمار
عقل گمراہ جو ہو جائے تو ہو منکرِ حق
جہل ہے جہل، حماقت ہے خدا کا انکار
آہ! وہ شعر و ادب جو ہو یقیں سے عاری
ہائے! افکار کے یہ خار و خس و گردو غبار
دشتِ قرطاس و قلم کے یہ شغال و روباہ
جہل و نادانی کے یہ کرگسِ گفتار و حمار

ذہن اور فکر ہیں تشکیک و تذبذب کے مریض
عقل کی سطح بہت پست ہے اور نا ہموار
نقش کھنچتا نہیں جب تک کوئی نقّاش نہ ہو
راہرو ہو تو ابھرتے ہیں قدم کے آثار
نہیں ممکن کوئی تکوین مکوّن کے بغیر
حرکت کا ہے محرّک کے ارادے پہ مدار
خلق اک فعل ہے جس کے لیے خالق ہے ضرور
نفسِ فن اپنی جگہ خود ہے دلیلِ فن کار
مادّے میں ارادہ نہ تعقّل نہ شعور
خلق و ایجاد سے اس کو نہیں کوئی سروکار
ذرہ ذرہ کی شہادت کہ خدا ہے موجود
پتہ پتہ کو ہے صانع کی صنعت کا اقرار
اسی خلّاق نے جوہر کو توانائی دی
پھول پتوں کو عطا جس نے کیے نقش و نگار
اس کی صنعت کے نمونے ہیں وہ نکہت ہو کہ رنگ
اس کی قدرت کے کرشمے ہیں خزاں ہو کہ بہار
اسی مالک، اسی خالق کی ہے سب حمد و ثنا
آبشاروں کا ترنم ہو کہ گلبانگِ ہزار

یہ کڑکتی ہوئی بجلی ، یہ گرجتے بادل
یہ سمندر کی تہیں اور یہ پہاڑوں کا ابھار
کبھی گرمی کبھی سردی، کہیں سایہ کہیں دھوپ
کہیں جنگل کہیں گلشن، کہیں ٹیلے کہیں غار
مہ و کیوان و عطارد ہوں کہ پروین و زحل
گردشِ ارض و فلک ہو کہ ستاروں کے مدار
وہ لہکتا ہوا سبزہ ہو کہ تپتی ہوئی ریت
جیٹھ بیساکھ کی لو ہو کہ ہو ساون کی پھوار
فیل و سیمرغ و ابابیل ہوں یا مور و ملخ
ہمصفیرانِ چمن ہوں کہ غزالانِ تتار
ہو وہ حرکت کہ سکوں، حرف و نوا ہو کہ سکوت
وہ خلا ہو کہ ملا، نور ہو یا شعلۂ نار
یہ سب آیاتِ الٰہی ہیں ذرا غور سے دیکھ
اس کی پھر حمد بیاں کر، اسی خالق کو پکار !

حقیقت و مجاز

مرا وجود ہے خود حاصلِ جبینِ نیاز
نفس نفس ہے عبادت، نظر نظر ہے نماز
خرد کی راہ میں آئے بہت نشیب و فراز
رواں دواں ہی رہا میں، یقیں کی عمر دراز
زہے ! کمالِ مشیت، خوشا ! ظہورِ جمال
حقیقتوں کو دیا جس نے آب و رنگِ مجاز
دل و نظر پہ ہوئی ہیں نوازشیں کیا کیا
بہ رنگِ ذوقِ تماشا، بہ نامِ سوز و گداز
اسی کے نام سے گرتے ہوئے سنبھلتے ہیں
کہ جس نے دی ہے پتنگے کو طاقتِ پرواز
نہ جانے کیوں غلط آہنگ ہو گئے نغمے
مدد کا وقت ہے سازِ الست کی آواز
سوائے ذاتِ خدا، جو ہے قادر و خلّاق
نہ کوئی عقدہ کشا ہے، نہ کوئی بندہ نواز

حمد

پردہ اٹھ جائے اگر عشق کی زیبائی کا
حسن پھر نامِ نہ لے انجمن آرائی کا

طور پر برقِ تجلی کی کرم فرمائی
ایک غمزہ تھا تری شانِ خود آرائی کا

پتہ پتہ سے نمودار ہے شانِ وحدت
ذرہ ذرہ کو یقیں ہے تری یکتائی کا

عشق مٹتی ہوئی تصویر تری فطرت کی
حسن دھویا ہوا خاکہ تری رعنائی کا

سر ہو اور سنگِ درِ ختمِ رُسُلؐ ہو ماہر
پھر تو ارمان نکل جائے جبیں سائی کا

حمد

حاجت روا بھی تو ہے، مشکل کشا بھی تو ہے
خلّاقِ دو جہاں ہے، سب کا خدا بھی تو ہے
روزِ ازل بھی تیرا شامِ ابد بھی تیری
ہر ابتدا بھی تو ہے ہر انتہا بھی تو ہے
دکھ درد میں تجھی کو مولا پکارتے ہیں
ٹوٹے ہوئے دلوں کا ہاں آسرا بھی تو ہے
تیری تجلیوں سے روشن ہیں ماہ و انجم
دنیا کی انجمن میں نور و ضیا بھی تو ہے
ہے چارہ ساز بھی تو اور کار ساز بھی تو
آنکھوں کی روشنی ہے، دل کی دوا بھی تو ہے

حمد

تری ذات ہی ہے غفور و رحیم
نہیں کوئی تیرا شریک و سہیم
ترے در کے محتاج خضر و مسیحؑ
ترے نام لیوا خلیلؑ و کلیمؑ
ترے لطف و رحمت کی ادنیٰ جھلک
سحر کا تبسم، گلوں کی شمیم
ترے حکم "کن" کا ہے یہ سب ظہور
لہکتے گلستاں، مہکتی نسیم
کوئی چیز بھی تجھ سے اوجھل نہیں
کہ تو ہے خدائے بصیر و علیم
ہے ماہر ترا بندۂ ناتواں
کرم کی نظر مجھ پہ ربِّ کریم!

لا اِلٰہ اِلاّ اللہ

دعائے شام و سحر لا الٰہ الاّ اللہ
یہی ہے زادِ سفر لا الٰہ الاّ اللہ

سکونِ قلب و جگر لا الٰہ الاّ اللہ
کمالِ فکر و نظر لا الٰہ الاّ اللہ

نہ کہکشاں نہ قمر لا الٰہ الاّ اللہ
نہ کچھ اِدھر نہ اُدھر لا الٰہ الاّ اللہ

تمام ملتیں باطل ہیں صرف اک اسلام
یہی ہے راہ گزر لا الٰہ الاّ اللہ

اسی میں دولتِ دنیا اسی میں دولتِ دیں
متاعِ اہل خبر لا الٰہ الاّ اللہ

ملا رہا ہوں نگاہیں میں کجکلا ہوں سے
نہ خوف ہے نہ خطر لا الٰہ الاّ اللہ

بتوں کو توڑ تخیل کے ہوں کہ پتھر کے
ذرا بھی دیر نہ کر لا الٰہ الاّ اللہ

نغمۂ حرم

حرم میں اذانِ سحر اللہ اللہ
کہ ہیں وجد میں بحر و بر اللہ اللہ

بہ ہر طوف یہ ملتزم پر دعائیں
یقینِ قبول و اثر اللہ اللہ

مقامِ براہیم پر یہ نمازیں
بہ ہر سجدہ معراجِ سر اللہ اللہ

دھڑکتے ہوئے دل کا لے کر سہارا
مناجات با چشمِ تر اللہ اللہ

تصور بھی ہے ایک زندہ حقیقت
تخیل بھی ہے معتبر اللہ اللہ

تجلی میں دھوئے ہوئے سنگریزے
یہاں کے نجوم و قمر اللہ اللہ

جلالِ الٰہی کی تابندگی میں
جھلکتے ہوئے بام و در اللہ اللہ

یہ میزابِ رحمت ، وہ رکنِ یمانی
مقاماتِ اہلِ خبر اللہ اللہ

وہ کعبہ جسے دیکھ لینا عبادت
مسلسل ہے پیشِ نظر اللہ اللہ

بہارِ حرم

بہار اور حرم کی بہار کیا کہنا
تمام رحمتِ پروردگار کیا کہنا

قدم قدم پہ ہدایت، روش روش پہ نجات
نفس نفس کرمِ بے شمار کیا کہنا

کشافتیں ہیں کہ سب دور ہوتی جاتی ہیں
رہِ حجاز کی گرد و غبار کیا کہنا

جگہ جگہ یہ کھجوروں کی دلنواز قطار
شعاعِ مہر سرِ شاخسار کیا کہنا
بس اس خیال سے پائے طلب نہ سو جائیں
کبھی کبھی خلشِ نوکِ خار کیا کہنا

قبا کی مسجدِ اقدس، یہ بدر ہے، یہ احد
نبیؐ کے دَور کی ہر یادگار کیا کہنا

ادھر سے بھی ہے نوازش کا سلسلہ ماہر
مآلِ جذبۂ بے اختیار کیا کہنا

ذکرِ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم

نعت گوئی میرا منصب ہے نہ میں حسانؓ ہوں
میرے آنسو شعر بن جائیں تو پھر میں کیا کروں

اسیرانِ بدر

بدر میں سخت تھی آویزشِ کفر و اسلام
ایک مرکز پہ سمٹ آئے تھے سارے کفّار
اس طرف چند مسلمان تھے وہ بھی مفلوک
اس طرف سیکڑوں پیدل تو بہت سے تھے سوار
لات و عزّیٰ کے پرستار بڑھے جوش کے ساتھ
نیزے ہلنے لگے چلنے لگی باہم تلوار
رکھ دیا خاک پہ سرکارؐ نے سر سجدے میں
اور کی عرض کہ اے حضرتِ ربِّ غفّار
"دیکھ دنیا سے اگر مٹ گئے یہ چند نفوس"
"حشر تک تیری پرستش بھی نہ ہو گی زنہار"
غیرتِ حق میں یکایک ہوئی جنبش پیدا
آ گئی بدر کے میداں میں فرشتوں کی قطار
جم گئے حق کے پرستار چٹانوں کی طرح
جن سے آ کر متصادم ہوئی فوجِ کفار
ایسی گھمسان لڑائی میں وہ تلوار کے ہاتھ
چوم لیتی تھی کلائی کو شجاعت ہر بار
ابتری پھیل گئی فوج میں اور ہو گئے قتل
عتبہ و شیبہ و بوجہل سے نامی سردار

فتحمندی نے دیا ساتھ مسلمانوں کا
بول بالا ہوا اسلام کا اور کفر کی ہار

قتل کچھ ہو گئے، کچھ بھاگ گئے میداں سے
قید میں آئے مسلمانوں کی باقی اشرار

آئے میداں سے مدینہ کی طرف ہو کے اسیر
کون؟ وہ خونِ محمدؐ کے پیاسے کفار

جن کے باعث نہ ملی ارضِ حرم میں بھی پناہ
ہو کے مجبور چلے آئے مدینے سرکارؐ

جن کے پامال جفا کون؟ بلالِؓ حبشی
جن کے ہاتھوں کا ستایا ہوا اک اک دیندار

ان کو پھر مسجدِ نبوی کے تھموں سے باندھا
ایک اک فرد کہ تھا ان میں مجسّم پندار

غم و اندوہِ اسیری سے کراہے قیدی
مضطرب ہو گئے آہوں سے شہِؐ عرش وقار

صحنِ مسجد میں ٹہلنے لگے ہو کر بے چین
پوچھا اصحاب نے سرکارؐ ہیں اب تک بیدار

بولے جب تک کہ نہ کھل جائیں اسیروں کے بند
نیند واللہ نہیں آئے گی مجھ کو زنہار

سن کے ارشاد اسیروں کو معاً کھول دیا
بولے سرکارؐ ہوا اب دلِ مضطر کو قرار
قیدیوں کے لئے جوڑے بھی پہننے کو دیئے
بن گئے پھول مسرت کے قلوبِ کفّار
مرحبا! طرزِ کرم، حبّذا شانِ الطاف
رحمتِ ہر دو جہاں میں تری رحمت کے نثار
مالکِ کون ومکاں! بادشہِ عرش سریر!
نام لیوا ہیں ترے بندِ غلامی میں اسیر

ظہورِ قدسی

وما ارسلنٰک الاّ رحمتہً للعٰلمین

سحر کا وقت ہے معصوم کلیاں مسکراتی ہیں
ہوائیں خیر مقدم کے ترانے گنگناتی ہیں

مئے عشرت چھلکتی ہے ستاروں کے کٹوروں سے
ابلتی ہے شرابِ خلد، مٹی کے سکوروں سے

کھبی جاتی ہے آنکھوں میں گل و لالہ کی رعنائی
کہ جیسے در حقیقت خاک پر جنّت اتر آئی

لٹاتے ہیں درِ خوش آب گلزاروں کے فوارے
خوشی سے جگمگاتے ہیں ثوابت ہوں کہ سیارے

بہارِ شبنم گل چور ہے کیفِ جوانی میں
نہا کر جیسے آئی ہے ابھی کوثر کے پانی میں

خوشی کے گیت گائے جا رہے ہیں آسمانوں پر
درودوں کے ترانے ہیں فرشتوں کی زبانوں پر

سجائی جا رہی ہے محفلِ ہستی قرینے سے
وہ جلوے کارفرما ہیں گزر جائیں جو سینے سے

طرب کے جوش سے ایک ایک ذرہ مسکراتا ہے
زمیں کی آج قسمت پر فلک کو رشک آتا ہے

زمیں سے آسماں تک نور کی بارش ہی بارش ہے
کسی کی بے نیازی آج سرگرمِ نوازش ہے

ستاروں کے کنول جلوہ فگن رنگین و سادہ ہیں
فرشتے بہرِ استقبال ہر سو ایستادہ ہیں

اشارے ہو رہے ہیں گلشنِ جنت کے پھولوں میں
وہ رعنائی نظر آتی ہے، مکہ کے ببولوں میں

برستے ہیں گہر انوار کے میزابِ رحمت سے
کبوتر رقص میں ہیں بامِ کعبہ پر مسرت سے

مسرت کے اثر سے مثلِ صبحِ خلد ہیں خنداں
حرم کے در، منا کی وادیاں، عرفات کا میداں

ابھی جبریل اترے بھی نہ تھے کعبہ کے منبر سے
کہ اتنے میں صدا آئی یہ عبداللہ کے گھر سے

مبارک ہو شہِ ہر دوسرا تشریف لے آئے
مبارک ہو محمد مصطفیٰ تشریف لے آئے

مبارک غمگسارِ بیکساں تشریف لے آئے
مبارک ہو شفیعِ عاصیاں تشریف لے آئے

مبارک ہو نبیؐ آخری تشریف لے آئے
مبارک ہو جہاں کی روشنی تشریف لے آئے

مبارک ہادیٔ دینِ مبیں تشریف لے آئے،
مبارک رحمتہٌ اللعالمین تشریف لے آئے

مبارک رہبروں کے پیشوا تشریف لے آئے
مبارک صدرِ بزمِ انبیاء تشریف لے آئے

مبارک دستگیرِ بے نوا تشریف لے آئے
مبارک درد مندوں کی دعا تشریف لے آئے

مبارک مخبرِ صادق لقب تشریف لے آئے
مبارک سیّدِ والا نسب تشریف لے آئے

مبارک چشمۂ صدق و صفا تشریف لے آئے
مبارک مہبطِ وحیٔ خدا تشریف لے آئے

مبارک خاتمِ پیغمبراں تشریف لے آئے
مبارک ہو امیرِ کارواں تشریف لے آئے

مبارک زندگی کا مدعا تشریف لے آئے
مبارک ہو کہ محبوبِ خدا تشریف لے آئے

مبارک پیکرِ صبر و رضا تشریف لے آئے
مبارک جدِ شاہِ کربلا تشریف لے آئے

مبارک قبلۂ اربابِ دیں تشریف لے آئے
مبارک صادق الوعد و امیں تشریف لے آئے

مبارک صبح کو شمس الضحیٰ تشریف لے آئے
مبارک رات کو بدرالدجیٰ تشریف لے آئے

مبارک کاشفِ اسرارِ حق تشریف لے آئے
مبارک مظہرِ انوارِ حق تشریف لے آئے

مبارک حسن کو حسنِ ادا تشریف لے آئے
مبارک عشق کو جانِ وفا تشریف لے آئے

مبارک ہو رسولِ محتشم تشریف لے آئے
مبارک ہو نبیٔ محترم تشریف لے آئے

مبارک قاسمِ خلد و جناں تشریف لے آئے
حریمِ قدس کے ساکن کہاں تشریف لے آئے

وہ آئے جن کے آنے کی زمانہ کو ضرورت تھی
وہ آئے جن کی آمد کے لیے بے چین فطرت تھے

وہ آئے نغمۂ داؤد میں جن کا ترانہ تھا
وہ آئے گریۂ یعقوب میں جن کا فسانہ تھا

وہ آئے مہرِ عالمتاب تھا جن کا حسیں چہرا
وہ آئے جن کے ماتھے پر شفاعت کا بندھا سہرا

وہ آئے جن کی خاطر مضطرب تھی وادیٔ بطحا
وہ آئے جن کے سجدوں کے لیے کعبہ ترستا تھا

وہ آئے جن کو ابراہیم کا نورِ نظر کہیے
وہ آئے جن کو اسماعیل کا لختِ جگر کہیے

وہ آئے جن کے آنے کو گلستاں کی سحر کہیے
وہ آئے جن کو ختم الانبیاء خیرالبشر کہیے

وہ آئے جن کے ہر نقشِ قدم کو رہنما کہئے
وہ آئے جن کے فرمانے کو فرمانِ خدا کہئے

وہ آئے جن کو رازِ کن فکاں کا پردہ در کہیے
وہ آئے جن کو حق کا آخری پیغامبرؐ کہیے

یا یھا الذین امنو صلو علیہ و سلمو تسلیما

سلام اس پر کہ جس نے بیکسوں کی دستگیری کی
سلام اس پر کہ جس نے بادشاہی میں فقیری کی

سلام اس پر کہ اسرارِ محبت جس نے سمجھائے
سلام اس پر کہ جس نے زخم کھا کر پھول برسائے

سلام اس پر کہ جس نے خوں کے پیاسوں کو قبائیں دیں
سلام اس پر کہ جس نے گالیاں سن کر دعائیں دیں

سلام اس پر کہ دشمن کو حیاتِ جاوداں دے دی
سلام اس پر ابو سفیان کو جس نے اماں دے دی

سلام اس پر کہ جس کا ذکر ہے سارے صحائف میں
سلام اس پر ہوا مجروح جو بازارِ طائف میں

سلام اس پر وطن کے لوگ جس کو تنگ کرتے تھے
سلام اس پر کہ گھر والے بھی جس سے جنگ کرتے تھے

سلام اس پر کہ جس کے گھر میں چاندی تھی نہ سونا تھا
سلام اس پر کہ ٹوٹا بوریا جس کا بچھونا تھا

سلام اس پر جو سچائی کی خاطر دکھ اٹھاتا تھا
سلام اس پر جو بھوکا رہ کے اوروں کو کھلاتا تھا

سلام اس پر جو امّت کے لیے راتوں کو روتا تھا
سلام اس پر جو فرشِ خاک پر جاڑے میں سوتا تھا

سلام اس پر جو دنیا کے لیے رحمت ہی رحمت ہے
سلام اس پر کہ جس کی ذات فخرِ آدمیّت ہے

سلام اس پر کہ جس نے جھولیاں بھر دیں فقیروں کی
سلام اس پر کہ مشکیں کھول دیں جس نے اسیروں کی

سلام اس پر کہ جس نے فضل کے موتی بکھیرے ہیں
سلام اس پر بُروں کو جس نے فرمایا کہ "میرے ہیں"

سلام اس پر کہ جس کی چاند تاروں نے گواہی دی
سلام اس پر کہ جس کی سنگپاروں نے گواہی دی

سلام اس پر شکستیں جس نے دیں باطل کی فوجوں کو
سلام اس پر کہ ساکن کر دیا طوفاں کی موجوں کو

سلام اس پر کہ جس نے زندگی کا راز سمجھایا
سلام اس پر کہ جو خود بدر کے میدان میں آیا

سلام اس پر کہ جس کا نام لے کر اس کے شیدائی
الٹ دیتے ہیں تختِ قیصریت، اوجِ دارائی

سلام اس پر کہ جس کے نام لیوا ہر زمانے میں
بڑھا دیتے ہیں ٹکڑا سرفروشی کے فسانے میں

سلام اس ذات پر جس کے پریشاں حال دیوانے
سنا سکتے ہیں اب بھی خالدؓ و حیدرؓ کے افسانے

درود اس پر کہ جس کی بزم میں قسمت نہیں سوتی
درود اس پر کہ جس کے ذکر سے سیری نہیں ہوتی

درود اس پر کہ جس کے تذکرے ہیں پاکبازوں میں
درود اس پر کہ جس کا نام لیتے ہیں نمازوں میں

درود اس پر جسے شمعِ شبستانِ ازل کہیے
درود اس پر ابد کی بزم کا جس کو کنول کہیے

درود اس پر بہارِ گلشن عالم جسے کہیے
درود اس ذات پر فخرِ بنی آدم جسے کہیے

رسولِ مجتبیٰ کہیے، محمد مصطفیٰ کہیے
وہ جس کو ہادیٔ **دع ماکدر خذ ما صفا** کہیے

درود اس پر کہ جو ماہر کی امیدوں کا ملجا ہے
درود اس پر کہ جس کا دونوں عالم میں سہارا ہے

حُرّیتِ کاملہ کا مبلّغِ اعظمؐ

ذلیل جنبات کی فضا میں ضمیر خوابیدہ ہو چکا تھا
دماغِ انساں کا ہر تخیّل ہوس کی ظلمت میں گھر گیا تھا

بیاضِ اخلاق منتشر تھی، نظامِ بزمِ حیات برہم
غریب تھے ذلتِ سراپا، امیر تھے نخوتِ مجسّم

جفا کے بادل گھرے ہوئے تھے، گھٹا غلامی کی چھا رہی تھی
ستم کی بجلی تڑپ تڑپ کر وفا کا خرمن جلا رہی تھی

تباہیوں کا تھا اک مرقّع، غلام قوموں کا حال بدتر
رگوں میں نشتر، چھری گلے پر، ضمیر بے تاب، روح مضطر

غریب پامال ہو رہے تھے جفا کے ہاتھوں کچھ اس طرح سے
کہ جیسے چٹکی میں کوئی لے کر گلاب کے پھول کو مسل دے

یہ ہم نے مانا ستم رسیدوں کی تھیں بہت دردناک چیخیں
مگر غرض تھی کسے جو سنتا حریمِ عشرت کے قہقہوں میں

پلٹ چکا تھا نظامِ عالم، بدل چکی تھی فضائے دنیا
اِدھر جبیں عاجزی سراپا، اُدھر نظر میں غرورِ باطل

یہ دیکھ کر گرمئ معاصی خدا کی غیرت کو جوش آیا
امنڈ اٹھے رحمتوں کے چشمے، ابل پڑے حریّت کے دریا

فضا غلامی کی کانپ اٹھی، اک انقلاب آ گیا جہاں میں
امارتوں کی بلندیوں نے جھکا ہی دیں خاک پر جبینیں

جھکی اخوت کے آستاں پر مداین و نینوا کی سطوت
اتر گیا چشمِ خود سری سے خمارِ صہبائے قیصریت

گزر گیا حریّت کا طوفاں، غرور و نخوت کی چوٹیوں سے
ابھر کے پہنچیں بلندیوں پر غلام اقوام پستیوں سے

حبیبِ حق کے نثار جاؤں بدل دیا یوں نظامِ دنیا
کھڑے کیے ایک صف میں لا کر امیر و مفلس غلام و آقا

اِدھر علیؓ کے قریں اسامہؓ، ابوہریرہؓ کے پاس عثماںؓ
اُدھر عمرؓ اور بلالِ حبشیؓ، جنابِ بوبکرؓ اور سلماںؓ

طلسم جبر و ستم کے توڑے، مٹا دیے نقش ذلتوں کے
بتا دیا راز زندگی کا، سکھا دیے گُر ترقیوں کے

ہوئی مساوات کی وہ بارش کہ بھر دیے جس نے دشت و صحرا
پہاڑ کے ہو گیا مقابل جہاں کا اک اک حقیر تنکا

بدل گئیں نغمۂ طرب سے ستم رسیدوں کی آہ و شیون
کیے گئے عرصۂ جہاں میں اصولِ جمہوریت مدوّن

سلام اے حریت کے داعی، سلام اے رحمتِ مجسم
سلام اے مرکزِ اخوت، سلام اے رحمتِ دو عالم

جشنِ ولادت

چار سو اللہ کی رحمت کا بادل چھا گیا
پھر محمدؐ کی ولادت کا مہینا آ گیا

کس نے دی فاران سے اللہ اکبر کی صدا
نعرہ تکبیر سے سارا جہاں تھرّا گیا

خود بخود مٹنے لگا جھوٹے خداؤں کا فریب
کفر کے ماتھے پہ گھبرا کر پسینہ آ گیا

اپنے مرکز کی طرف انسانیت پھر آ گئی
حسن دل کی آتشِ نم خوردہ کو بھڑکا گیا

دیکھ کر مہرِ نبوت کی جہاں آرائیاں
سنگِ اسود کے لبوں پر بھی تبسم آ گیا

تاجدارِ انبیاؐ کے خیر مقدم کے لئے
آسماں وقتِ سحر تاروں کا مینہ برسا گیا

اس کے جلووں کی ضرورت آج بھی دنیا کو ہے
جو زمانہ میں اجالا ہر طرف پھیلا گیا

بدر کے میداں میں خود آ کر وہ روحِ کائنات
ہم مسلمانوں کو رازِ زندگی سمجھا گیا

تھا جو سرتاپا صدائے اشہد ان لاَّ الٰہ
جس کا کلمہ زندگی بن کر جہاں پر چھا گیا

در حقیقت میری بخشش کی کوئی صورت نہ تھی
سچ یہ ہے ماہر کہ عشقِ مصطفیٰ کام آ گیا

جانوروں سے حسنِ سلوک

احمدِ مرسل، نبیِ انس و جاں
رحمتِ عالم، پناہِ بے کساں

ایک دن اک باغ میں پہنچے حضورؐ
بن گیا ہر ذرہ رشکِ شمعِ طور

اللہ اللہ سطوتِ شاہِ انام
ڈالیاں جھکنے لگیں بہرِ سلام

اے زہے! رنگینیٔ نقشِ قدم
جس پہ قرباں نزہتِ باغِ ارم

واہ کیا انداز تھے رفتار کے
خاک کے ذرّے گلستاں بن گئے

صحن میں اس باغ کے اک اونٹ تھا
صدمۂ جوع و عطش میں مبتلا

بلبلا اٹھا ستم کش جانور
رحمتِ عالمؐ کو آتا دیکھ کر

آئے سردارِؐ جہاں اس کے قریب
جاگ اٹھے اونٹ کے خفتہ نصیب

سر پہ اس کے ہاتھ پھیرا پیار سے
جانِ رحمت، راحتِ کونینؐ نے

اللہ اللہ ! دستِ شفقت کا اثر
بے زباں نے رکھ دیا قدموں پہ سر

ہو گئے بے چین سردارِ عرب
اونٹ کے مالک کو فرمایا طلب

خدمتِ اقدس میں وہ حاضر ہوا
اس سے یوں حضرتؐ نے سختی سے کہا

بے زباں کا اور یہ حالِ حزیں
غالباً" تجھ کو خدا کا ڈر نہیں

سن کے یہ ارشاد مالک کانپ اٹھا
کام اس جملہ نے نشتر کا کیا

کی گئی تعمیلِ ارشادِ نبیؐ
اونٹ کو تسکین حاصل ہو گئی

السلام اے فاتحِ بدر و تبوک
جانور کے ساتھ یہ حسنِ سلوک

السلام اے رحمتہ" اللعالمیں
السلام اے مرکزِ دنیا و دیں

السلام اے بیکسوں کے غمگسار
السلام اے قلبِ مضطر کے قرار

اے پناہِ خستہ حالی السّلام
مظہرِ شانِ جمالی السّلام

قادرِ مطلق کے پیارے السّلام
بے سہاروں کے سہارے السّلام

آپ کی امت ہے با حالِ تباہ
اس طرف بھی اک عنایت کی نگاہ !

قالِ رسولؐ

مری نگاہ میں ہیں سب مسائلِ نظری
یہ ذہن و فکر کی جدّت وہ اکتشافِ قدیم

ہوا کے دوش پہ جاتے ہوئے پیام و سلام
یہ برق و باد کی قوت کا عالمِ تنظیم

یہ اکتشاف کی دنیا، یہ تجربات کا دور
کہ ذرہ ذرہ ہے محوِ تجزّی و تقسیم

یہ نفسیات کی تحلیل، فکر کی پرواز
محلِ غور ہے ترکیبِ احسنِ تقویم

فضا میں رقص کناں ہے دھواں مشینوں کا
الٹتی جاتی ہے سائنس پردہ ہائے حریم

نئے نئے یہ اصولِ سیاست و تہذیب
معاشرت کے مسائل کی جدّتِ تعمیم

مگر یہ فلسفہ روحِ یقیں سے خالی ہے
نہ اس میں سوزِ کلیمی نہ جذبِ ابراہیم

سراب کو یہ سمجھتے ہیں موجۂ طوفاں
ہے ذرّہ ان کی نظر میں متاعِ ہفت اقلیم

پیامِ ختمِ رسل کی خبر نہیں اِن کو ،
کہ جو ہے رشد و ہدایت کی آخری تعلیم

نہیں ہے جس میں اضافہ کی کوئی گنجائش
نہ جس میں ایک بھی نقطہ کی ہو سکے ترمیم

محمدِؐ عربی رحمتِ تمام و کمال ،
کہ شرق و غرب میں جاری ہے جن کا فیضِ عمیم

وہ بے کسوں کے طرفدار، بے بسوں کے شفیق
خدائے پاک نے جن کو کہا رؤف و رحیم

ہیں اس زمانہ میں جن کے نیاز مند غلام
"شہانِ بے کلہ و خسروانِ بے دیہیم"

وہ راز دارِ عمل، واقفِ رموزِ حیات
جھکا ہوا ہے خرد کا جدھر سرِ تسلیم

محمدِؐ عربی کا پیام کافی ہے ــ،
میں چھیڑتا ہی نہیں مبحثِ جدید و قدیم

کہا خطیب نے جس وقت قالَ قالَ رسولؐ ،
فتاد سامعہ در موجِ کوثر و تسنیم

شاہ حبش کے دربار میں حضرت جعفرؓ کی تقریر

سراپا انتشار و جہل تھے ہم
نہ مرکز تھا نہ کوئی ربطِ باہم

بتوں کو پتھروں کو پوجتے تھے
خدائے جز و و کل سے پھر گئے تھے

جہالت، معصیت، بدکاریاں تھیں
جفا کوشی تھی، دل آزاریاں تھیں

ہماری قوم بالکل بے سری تھی
کہیں چوری کہیں غارت گری تھی

کیا مبعوث حق نے اک نبیؐ کو
ضرورت جس کی تھی ہر زندگی کو

وہ ہم میں ہی سے اک فردِ بشر ہے
مگر ہاں! صاحبِ علم و خبر ہے

ہم اس کی زندگی کو جانتے ہیں
کہ بچپن سے اسے پہچانتے ہیں

وہ ہے اک پیکرِ صدق و امانت
بہت ہی نیک طینت، پاک سیرت

ہے اس کی زندگی بے داغ و سادہ
وہ سچّا ہے زیادہ سے زیادہ

سبق توحید کا ہم کو سکھایا
خدا کا راستہ اس نے دکھایا

کہا اس نے کہ ذاتِ حق کو پوجو
بنو انساں، بری باتوں کو چھوڑو

نہیں حق کے سوا معبود کوئی
پرستش شرک ہے لات و ہبل کی

دل آزاری کسی کی بھی نہ چاہو
کیا ہے وعدہ تو اس کو نباہو

ہمیشہ سے تھی جو غدّار و خودسر
بگڑ بیٹھی ہماری قوم اس پر

ہمیں کیا، خود نبیؐ کو بھی ستایا
جو ممکن ہو سکا وہ ظلم ڈھایا

مصائب پر مصائب سہہ چکے ہیں
بہت مظلوم بن کے رہ چکے ہیں

پیمبرؐ کو ستاتے ہیں یہ ظالم
ہنسی ان کی اڑاتے ہیں یہ ظالم

مظالم سہتے سہتے، چور ہو کر
ہم آئے ہیں یہاں مجبور ہو کر

کہا شہ نے ذرا نزدیک آؤ
مجھے قرآن کچھ پڑھ کر سناؤ

پڑھیں جعفر نے آیاتِ الٰہی
نہ تھا اس پر ذرا بھی رعبِ شاہی

کلامِ حق تھا، جعفر کی زباں تھی
محمدؐ کی ہدایت درمیاں تھی

خدا کی آیتیں تاثیر بن کر
ہوئیں پیوست دل میں تیر بن کر

کہا یہ شاہ نے با چشمِ گریاں
محمدؐ ہیں وہی فخرِ رسولاں

خبر جن کی ہمیں عیسیٰ نے دی ہے
مواعظ میں بہت تعریف کی ہے

میں جن کا ذکر سنتا تھا، یہی ہیں
محمد ہی نبیِ آخری ہیں

اگرچہ ہے تعارف غائبانہ
زہے قسمت ملا ان کا زمانہ

معراج کی رات

جس کا مشتاق ہے خود عرشِ بریں آج کی رات
حرمِ کعبہ کے اندر ہے مکیں آج کی رات

آنکھ میں عرضِ تمنا کی جھلک، لب پہ درود
آئے اس شان سے جبریلؑ امیں آج کی رات

سارے نبیوں کے ہیں جھرمٹ میں نبیِؐ آخر
قابلِ دید ہے اقصیٰ کی زمیں آج کی رات

نور کی گرد اڑاتا ہوا پہنچا جو براق
رہ گزر بن گئی تاروں کی جبیں آج کی رات

اک مقام آیا کہ جبریل کا بھی ساتھ چھٹا
وہ ہیں اور سلسلۂ نورِ مبیں آج کی رات

قابَ قوسین تو ہے قرب کی پہلی منزل
بندہ اللہ سے اتنا ہے قریں آج کی رات

ایک ہی سطح پہ ہے مرتبۂ غیب و شہود
اٹھ گئے سارے حجاباتِ حسیں آج کی رات

ہوش و ادراک کی تکمیل ہوئی جاتی ہے
اپنی معراج پہ ہیں علم و یقیں آج کی رات

یہ فضا اور یہ معراج مگر اس پر بھی
اپنی امّت کو نہ بھولے شہِ دیں آج کی رات

مسکرائے جو نبیؐ دیکھ کے جنت کی طرف
اور بھی ہو گئی فردوس حسیں آج کی رات

در کی زنجیر بھی جنبش میں ہے، بستر بھی ہے گرم
رک گئی گردشِ افلاک و زمیں آج کی رات

او کبھی ہم کو فراموش نہ کرنے والے!
روحِ ماہر بھی ہے موجود کہیں آج کی رات

مکہ سے مدینہ جاتے ہوئے

پاک دل ، پاک نفس ، پاک نظر ، کیا کہنا
بعد مکہؔ کے مدینہ کا سفر کیا کہنا

جیسے جنت کے دریچوں سے جھلکتی ہو بہار
پہلی منزل ہی کے انوارِ سحر کیا کہنا

تپشِ شوق بھی ہے گرمیٔ موسم بھی ہے
اور پھر اس پہ مرا سوزِ جگر ، کیا کہنا

راہِ طیبہ کے ببولوں پہ مچلتی ہے نگاہ
مرحبا! دیدۂ فردوس نگر کیا کہنا

خشک آنکھوں کو مبارک ہو یہ طغیانیٔ شوق
ہیں رواں اشک بہ اندازِ دگر کیا کہنا

سنگریزے ہیں کہ جاگی ہوئی قسمت کے نجوم
خارِ منزل ہیں کہ انگشتِ خضر ، کیا کہنا

افریقہ اور یورپ کے طویل سفر کے بعد
شاعر کی دربار رسولؐ میں حاضری

وارفتہ و بیچارہ، درماندہ و ناکارہ
دربار میں حاضر ہے اک شاعر آوارہ
پہلے تو مری آنکھیں اشکوں سے وضو کر لیں
اتنی مجھے مہلت دے اے حسرتِ نظارہ
چھینٹا کوئی پڑ جائے ہاں! شبنمِ رحمت کا
مدت سے دہکتا ہے سینہ میں اک انگارہ
مسجد کے ستوں کیا ہیں انوار کے فوارے
جالی ترے روضہ کی رحمت کا ہے گہوارہ
جو اشکِ ندامت ہے، نادار کی دولت ہے
دل کا بھی یہی فدیہ، آنکھوں کا بھی کفارہ

صلّی اللہُ علیہِ وسلّم

حسن کی جاں، ایمانِ محبت صلی اللہ علیہ وسلم
سرتا پا رحمت ہی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم

فخرِ امم، غمخوارِ امّت، صاحبِ عظمت، حاملِ قرآں
فرق پہ جنکے تاجِ شفاعت صلی اللہ علیہ وسلم

بندے اور اللہ میں رکھا ہر عالم میں فرقِ مراتب
شرک کے دشمن، ماحیِ بدعت صلی اللہ علیہ وسلم

فرمایا تم قبر کو میرے سجدہ گہ ہرگز نہ بنانا
اللہ اللہ پاسِ شریعت صلی اللہ علیہ وسلم

سنجیدہ سنجیدہ ادائیں، شرمیلی شرمیلی نگاہیں
فخرِ حیا اور نازِ غیرت صلی اللہ علیہ وسلم

ماتھا ان کا نور کا تڑکا، گیسو ہیں رحمت کی گھٹائیں
اور تبسم صبحِ سعادت صلی اللہ علیہ وسلم

دین و دنیا یکجا کر کے راز ترقی کے سمجھائے
یہ بھی رحمت وہ بھی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم

شرق میں ان کا فرماں جاری، غرب بھی ان کے در کا بھکاری
عام ہوا پیغامِ ہدایت صلی اللہ علیہ وسلم

وہ جو نہ ہوتے کچھ بھی نہ ہوتا، دنیا ان سے عقبیٰ ان سے
دونوں جگ ہیں ان کی بدولت صلی اللہ علیہ وسلم

ان کا گر اقرار نہ ہو گا، تکمیلِ توحید نہ ہو گی
عینِ ایماں ان کی الفت صلی اللہ علیہ وسلم

رات کی تنہائی میں نمازیں، امت کی بخشش کی دعائیں
جن کے سجدے فخرِ عبادت صلی اللہ علیہ وسلم

سائل کو ناکام نہ پھیرا بخش دیا جو کچھ گھر میں تھا
فاقے پر فاقے کی عادت صلی اللہ علیہ وسلم

صدیقؓ و فاروقؓ کی صف میں بیٹھے ہیں سلمانؓ و ابوذرؓ
جن کے یہاں مفلس با عزت صلی اللہ علیہ وسلم

اپنے کپڑے خود دھولینا، خاک کے بستر پر سو لینا
سادہ سادہ نیک طبیعت صلی اللہ علیہ وسلم

عدل کیا تو اپنے پرائے سب کو دیکھا ایک نظر سے
حق میں کسی کی بھی نہ رعایت صلی اللہ علیہ وسلم

فخرِ رسل، سردارِ دو عالمؐ سب سے اول سب سے آخر
ساقیٔ کوثر، قاسمِ جنت صلی اللہ علیہ وسلم

ماہر تو مایوس نہ ہونا، اپنا دل تھوڑا مت کرنا
کافی ہے بس ان سے نسبت صلی اللہ علیہ وسلم

ذکرِ جمیل

کیف و سرمستی کا اک پیغامِ رنگیں تیرا نام
انبساطِ روح کی دعوت ترا ذکرِ جمیل

لحنِ داؤدی کی ہر لے تیرے نغمہ کی شہید
ہر ادائے حسنِ یوسفؑ تیرے ابرو کی قتیل

تیرے گیسو حاملِ ناموسِ اسحاق و ذبیح
تیرے عارض باعثِ رنگینیٔ باغِ خلیلؑ

سب کی تیرے چشمۂ رحمت ہی سے بجھتی ہے پیاس
اس میں قلزم ہو کہ دجلہ، رودِ گنگا ہو کہ نیل

تیری سطوت کے اثر سے ریزہ ریزہ پاش پاش
خواہ خندق کی چٹانیں ہوں کہ خیبر کی فصیل

اے تعالی اللہ ترے دربار کے ادنیٰ غلام
تجھ پہ جو ایمان لائے بے ثبوت و بے دلیل

اک طرف یہ شان و شوکت اک طرف تیری غذا
پارۂ نانِ جویں وہ بھی بہ مقدارِ قلیل

ساقیٔ کوثرؐ تری دریا دلی کا ہو بھلا
نظمِ ماہر بن گئی آبِ روانِ سلسبیل

○

کوئے نبیؐ میں اس طرح جانا نہ چاہئے!
اک اک قدم پہ سجدۂ شکرانہ چاہئے

اک لمحہ ان کی یاد سے غفلت ہے معصیت
آٹھوں پہر تصورِ جانانہ چاہئے

مخمور جس شراب سے تھے بوذرؓ و بلالؓ
مجھ کو اسی شراب کا پیمانہ چاہئے

جالی سے چھن رہا ہے وہ نورِ مزارِ پاک
ایسے میں صرف جرأتِ پروانہ چاہئے

جب پی لیا ہے بادۂ حبِّ نبیؐ کا جام
پھر اس کے بعد ہوش میں آنا نہ چاہئے

ممکن نہیں جو ان کی طرف سے نہ ہو کشش
انداز گفتگو کا کلیمانہ چاہئے

ماہر غم و الم سے ہو کتنا ہی دل نڈھال
شکوہ مگر زبان پہ لانا نہ چاہئے

تین شعر

زندگی میں جو کوئی سخت مقام آتا ہے
اس گھڑی لب پہ محمدؐ ہی کا نام آتا ہے

صبر کر اے دلِ بے تاب نہ اتنا گھبرا
اب کوئی دم میں مدینہ سے پیام آتا ہے

میں سرِ حشر کچھ اس شان سے پہنچا ماہر
شور اٹھا کہ محمدؐ کا غلام آتا ہے

نذرِ عقیدت

نبیؐ دوسرے ، پیشوا بن کے آئے
محمدؐ مگر مصطفیٰ بن کے آئے

کہیں قابَ قوسین کا راز کھولا
کہیں معنیٔ ھَلْ اَتیٰ بن کے آئے

کبھی محفلِ ابتداء کو سجایا
کبھی نقطۂ انتہا بن کے آئے

وہ مکہ کی سختی وہ طائف کا منظر
محمدؐ خدا کی رضا بن کے آئے

امیروں کو رازِ اخوّت بتایا
غریبوں کے حاجت روا بن کے آئے

نجاشیؓ بھی خادم ، ابوذرؓ بھی خادم
وہ سلطانِ شاہ و گدا بن کے آئے

شکستہ دلوں کو محبت سے جوڑا
دھڑکتے دلوں کی دعا بن کے آئے

کہیں بدر و خندق میں فوجیں لڑائیں
کہیں صلح کا سلسلہ بن کے آئے

کبھی دشت میں بکریوں کو چرایا
کبھی دہر کے پیشوا بن کے آئے

زمانہ کی سوکھی ہوئی کھیتیوں پر
گھٹا بن کے برسے ' ہوا بن کے آئے

انہی کی محبت ہے ایمان ماہر
جو کونین کا مدعا بن کے آئے

انقلاب

حضرت محمد رسولؐ جس انقلاب کے پیغمبر تھے وہی حقیقی اور آخری انقلاب تھا' اس کے بعد جتنے انقلاب بھی دنیا میں آئے' آرہے ہیں یا آئیں گے وہ بالکل وقتی اور ہنگامی ہیں جن کو زندگی کے مسائل کی اساس بنانا انتہائی خطرناک غلطی ہے۔ ماہر

جہاں سے نقشِ خودی کے مٹا دیئے تو نے
چراغِ مجلسِ عرفاں جلا دیئے تو نے

قدم قدم پہ تجلّی کی روح دوڑا دی
روش روش پہ گلستاں کھلادیئے تونے

وہ سر کہ جن میں بھری تھی ہوائے کبر و غرور
خدا کے سامنے لاکر جھکا دیئے تونے

عرب کی خاک کو خلد و جناں بنا ڈالا
لطافتوں کے خزانے لٹا دیئے تونے

جہاں کو درس دیا زندگیٔ سادہ کا
تکلفات کے پرزے اٹھا دیئے تونے

تری نگاہ کے قرباں کہ مل گئی تسکیں
ترے نثار کہ روتے ہنسا دیئے تونے

دربارِ اقدس میں

اے کہ ترے کرم سے ہیں پست و بلند مستفید،
اے کہ ترا وجود ہے وجہِ ظہورِ کائنات

کھول دیئے اک آن میں تونے حقیقتوں کے راز
ایک نظر میں توڑ دی تو نے حدِ تعیّنات

گردشِ چرخِ چنبری اس کا نہ کچھ بھی کرسکی
تونے نگاہِ لطف سے بخش دیا جسے ثبات

اے کہ ترے ظہور نے دہر سے محو کر دیئے
کفر کے سب تکلفات ، شرک کے سب توہمات

صلِّ علیک ، یا نبیؐ روزِ ازل دیا گیا
تیرے اصول کو خلود ، تیری حدیث کو ثبات

عزم کا تیرے پرتوا ، شانِ جلالِ حیدریؓ
صبر کا تیرے آئنہ غربتِ تشنۂ فرات

تیرے جلال کے حضور سطوتِ روم سجدہ ریز
تیرے قدم پہ جبہ سا شانِ و شکوہِ سومنات

کب سے کرم کا منتظر ماہرِ نامراد ہے
اس کی طرف بھی یا نبیؐ گوشۂ چشمِ التفات

پیغمبرِ انسانیت

تیرے جلووں سے عبارت بزمِ ہستی کا چراغ
اے کہ تیرے دم سے وابستہ نظامِ کائنات

تیرے ملفوظات کا ہر نقطہ روحِ سرمدی
تیرے ارشادات کا ہر حرف ہے جانِ ثبات

انگلیاں تیری بہا دیں چشمۂ صدق و صفا
تیرے جلوے جگمگا دیں کفر کی تاریک رات

تیرے صدقے تو نے کی تنظیمِ بزمِ زندگی
تیرے قرباں تو نے دی ترتیبِ اجزائے حیات

تیرے رشحاتِ کرم کو پرتوا گنگ و جمن
تیرے ابرِ فیض کے مرہون ہیں نیل و فرات

تیری شوکت کا نچھاور شانِ بغداد و دمشق
تیری عظمت کا تصدق عظمتِ مصر و ہرات

کفر کی ظلمت کو فانوسِ تجلّا کر دیا
آدمیت کا جہاں میں بول بالا کر دیا

تو نے سوکھی پتیوں میں پھونک دی روحِ حیات
تونے ذروں کو بنایا روکشِ صد آفتاب

تیرے فیضِ تربیت کا عکس ہے عزمِ حسینؓ
زندگی کا تیری اک پہلو ہے فقرِ بو ترابؓ

وحشیوں کو واقفِ تہذیبِ فطرت کر دیا
بارک اللہ تونے کانٹوں کو بنا ڈالا گلاب

تونے بخشا لطف سے بے تاب روحوں کو سکوں
تونے اطمینان سے بدلا دلوں کا اضطراب

تونے فرمایا کہ ہیں یہ طَور فتحِ زیست کے
تونے سمجھایا کہ یوں ہوتی ہیں قومیں کامیاب

تونے رنگِ جہل کو فانوسِ عرفاں کر دیا
تونے بخشی چہرۂ انسانیت کو آب وتاب

نام لیوا ہیں ترے پامالِ صد رنج و محن
یک نظر یا رحمتہٗ للعٰلمین برما فگن

○

جہاں میں کس پہ مری چشمِ انتخاب نہیں
محمدِ عربیؐ کا مگر جواب نہیں

شفیعِ روزِ قیامت کا نام کافی ہے
گناہگار کو اندیشۂ حساب نہیں

نہ جانے حسن کو شوق و طلب سے ہے کیوں لاگ
جہاں نگاہ نہیں ہے وہاں حساب نہیں

گناہ کر کے نہ پہنچا ضمیر کو صدمے
کہ اس عذاب سے بڑھ کر کوئی عذاب نہیں

میں ایسے شوق سے بے شوق و آرزو اچھا
ترے حضورؐ میں جو شوق باریاب نہیں

بنا دیا مجھے مدّاحِ مصطفیٰؐ ماہر
یہ کیوں کہوں کہ دعا میری مستجاب نہیں

عقیدت کے پھول

صدقے ترے آئینۂ ہستی کو نکھارا
قربان ترے گیسوئے فطرت کو سنوارا
اللہ رے! تری شوکت و اجلال کا عالم
قدموں پہ ترے لوٹ گئی سطوتِ دارا
آتے ہی ترے دوڑ گئی خنکیٔ توحید
تھمتا ہی نہ تھا کفر کا چڑھتا ہوا پارا

○

یہ بزمِ آب و گل جتنی کہ برہم ہوتی جاتی ہے
محمدؐ کی شریعت اور محکم ہوتی جاتی ہے
مرے غم پر زمانہ کی ہزاروں عشرتیں قرباں
تصور میں نبیؐ کے آنکھ پُر نم ہوتی جاتی ہے
مری فردِ عمل پر ہے قیامت میں نظر ان کی
طلوعِ صبح ہے ' خود جذب شبنم ہوتی جاتی ہے
ہوئی ہے یاد میری آج شاید بزمِ اقدس میں
مسرّت ہے کہ ماہر دل کا عالم ہوتی جاتی ہے

ساقی نامہ

دورِ اول

زمانے کا رسالت پر تری ایمان ہے ساقیؐ
مگر الفت تری ایمان کی بھی جان ہے ساقیؐ

ترے کردار پر دشمن بھی انگلی رکھ نہیں سکتا
ترا اخلاق تو قرآن ہی قرآن ہے ساقیؐ

مشیّت بھی تری مرضی کے تیور دیکھ لیتی ہے
بہ ایں اقرارِ عبدیت، یہ تیری شان ہے ساقیؐ

تجھے جس نے نہ پایا وہ خدا کو پا نہیں سکتا
کہ تیری معرفت اللہ کی پہچان ہے ساقیؐ

گنہگاروں کی نظریں تیری جانب اٹھ رہی ہوں گی
ہجومِ حشر میں تیری یہی پہچان ہے ساقیؐ

نہ وہ ایمان کی گرمی، نہ وہ تنظیم امّت کی
نہ مصر و شام پہلے سے، نہ وہ ایران ہے ساقیؐ

مری آنکھوں نے دیکھی ہے عجم کی بزم آرائی
غضب ہے محفلِ بغداد بھی ویران ہے ساقیؐ

نگاہ و دل پہ قبضہ کرلیا ہے علمِ حاضر نے
کوئی منکر ، کوئی باغی ، کوئی حیران ہے ساقیؔ

جہاں میں انتشار و برہمی کا دور دورہ ہے
اِدھر طغیان ہے ساقیؔ ، اُدھر طوفان ہے ساقیؔ

بتوں کی طرح قبروں کی طرف پیشانیاں خم ہیں
خدا کے ماننے والوں کا یہ ایمان ہے ساقیؔ

خداوندانِ دولت کی خدائی آہ! کیا کہیئے
کوئی فرعون ہے ساقیؔ کوئی ہامان ہے ساقیؔ

مسلماں نامسلمانوں کی صف میں آئے جاتے ہیں
کہ اب ایمان اک ٹوٹا ہوا پیمان ہے ساقیؔ

جو ڈوبے ہیں نکل آئیں ، جو گرتے ہیں سنبھل جائیں
توجہ سے تری اس کا ابھی امکان ہے ، ساقیؔ

زہے قسمت کہ میں رِمن جملۂ اہلِ محبت ہوں
ترے اصحابؓ کی الفت مرا ایمان ہے ساقیؔ

کوئی صدیقِؓ اکبر ہے ، کوئی فاروقِ اعظمؓ ہے
کوئی حیدرؓ ہے ، کوئی جامعِ قرآن ہے ساقیؔ

مرا مسلک نہیں ایمان کو ڈر کر چھپا لینا
مرا ایمان تو اعلان ہی اعلان ہے ساقیؔ

دورِ ثانی

تری آواز حق کا آخری پیغام ہے ساقیؐ
کہ تیری ذات پر ہی دین کا اتمام ہے ساقیؐ

شبِ معراج تو اس بارگاہِ خاص میں پہنچا
جہاں پر ختم دورِ گردشِ ایّام ہے ساقیؐ

ترے دور رسالت کا تعیّن ہو نہیں سکتا
ازل آغاز ہے ساقیؐ ابد انجام ہے ساقیؐ

مکان و لا مکاں میں کس قدر ہے فصل ، کیا کہیئے
مگر تجھ کو بقدرِ وسعتِ یک گام ہے ساقیؐ

تری ہر بات پر ایمان لانا عینِ فطرت ہے
کہ تیرا نطق تو پروردۂ الہام ہے ساقیؐ

حنین و بدر و خیبر میں وہ تیری رزم آرائی
جہانِ کفر اب تک لرزہ براندام ہے ساقیؐ

" حریمٌ لی مَعَ اللّٰہ " کے کوئی اسرار کیا جانے
جہاں تو ہے وہاں اک عالمِ بے نام ہے ساقیؐ

جہانِ آب و گل ہو ' قبر ہو ' برزخ ہو محشر ہو
مجھے اوروں سے کیا مطلب تجھی سے کام ہے ساقیؔ

مسلمانوں کی وہ اقبال مندی کیا ہوئی آخر
وہی قران ہے ساقیؔ وہی اسلام ہے ساقیؔ

زمانہ آگیا تہذیبِ افرنگی کے پھندوں میں
کہ ہم رنگِ زمیں پھیلا ہوا اک دام ہے ساقیؔ

مگر اس پر بھی باطل حق پہ غالب آنہیں سکتا
خدا کے دشمنوں کا یہ خیالِ خام ہے ساقیؔ

مبارک اہلِ دنیا کو زر و دولت کی ارزانی
مگر ماہر کو بس کافی ترا اک نام ہے ساقیؔ

بہارِ مدینہ

جوارِ حرم ہے بہارِ مدینہ
زہے رحمتِ بے شمارِ مدینہ

اِدھر دونوں عالم بہ ایں شان و شوکت
اُدھر ایک مشتِ غبارِ مدینہ

وہ جنت کے پھولوں سے کیا شاد ہوگا
کھٹکتا ہے جس دل میں خارِ مدینہ

ادھر لاؤ جنت کی رعنائیوں کو
میں ان کو بھی کر دوں نثارِ مدینہ

بہت دن سے ماہر گرفتارِ غم ہے
نگاہِ کرم! تاجدارِ مدینہ

صبحِ سعادت

کچھ کفر نے فتنے پھیلائے ، کچھ ظلم نے شعلے بھڑکائے
سینوں میں عداوت جاگ اٹھی ، انسان سے انساں ٹکرائے

پامال کیا برباد کیا کمزور کو طاقت والوں نے
جب ظلم و ستم حد سے گزرے تشریف محمدؐ لے آئے

رحمت کی گھٹائیں لہرائیں ، دنیا کی امیدیں بر آئیں
اکرام و عطا کی بارش کی ، اخلاق کے موتی برسائے

تہذیب کی شمعیں روشن کیں اونٹوں کے چرانے والوں نے
کانٹوں کو گلوں کی قسمت دی ، ذرّوں کے مقدر چمکائے

کچھ کیف دیا کچھ ہشیاری ، کچھ سوز دیا کچھ ساز دیا
میخانۂ علم و عرفاں میں توحید کے ساغر چھلکائے

ہر چیز کو رعنائی دے کر دنیا کو حیاتِ نو بخشی
صبحوں کے بھی چہروں کو دھویا راتوں کے بھی گیسو سلجھائے

اللہ سے رشتے کو جوڑا ، باطل کے طلسموں کو توڑا
خود وقت کے دھارے کو موڑا ، طوفاں میں سفینے تیرائے

تلوار بھی دی ، قرآں بھی دیا ، دنیا بھی عطا کی ، عقبیٰ بھی
مرنے کو شہادت فرمایا ، جینے کے طریقے سمجھائے

مکّہ کی زمیں اور عرش کہاں، دم بھر میں یہاں پل بھر میں وہاں
پتھر کو عطا گویائی کی اور چاند کے ٹکڑے فرمائے

مظلوموں کی فریاد سنی ، مجبوروں کی غم خواری کی
زخموں پہ خنک مرہم رکھے ، بے چین دلوں کے کام آئے

عورت کو حیا کی چادر دی ، غیرت کا غازہ بھی بخشا
شیشوں میں نزاکت پیدا کی ، کردار کے جوہر چمکائے

توحید کا دھارا رک نہ سکا ، اسلام کا پرچم جھک نہ سکا
کفار بہت کچھ جھنجھلائے شیطاں نے ہزاروں بل کھائے

اے نامِ محمدؐ صلِّ علیٰ ماہر کے لئے تُو سب کچھ ہے
ہونٹوں پہ تبسم بھی آیا ، آنکھوں میں بھی آنسو بھر آئے

سیرتِ رحمتِ عالمؐ

کس بیم و رجا کے عالم میں طیبہ کی زیارت ہوتی ہے
اک سمت شریعت ہوتی ہے اک سمت محبت ہوتی ہے

اس دل پہ خدا کی رحمت ہو جس دل کی یہ حالت ہوتی ہے
اک بار خطا ہو جاتی ہے ' سو بار ندامت ہوتی ہے

اے صلِّ علیٰ ! ایک ایک ادا اللہ کی آیت ہوتی ہے
ہے روئے محمدؐ پیشِ نظر قرآں کی تلاوت ہوتی ہے

اک وہ بھی مقدر ہوتا ہے اک ایسی بھی قسمت ہوتی ہے
بوجہل یوں ہی رہ جاتا ہے ' بوذرؓ کو ہدایت ہوتی ہے

جو بات وہ فرما دیتے ہیں معیارِ صداقت ہوتی ہے
دستورِ عمل بن جاتی ہے اور دین میں حجت ہوتی ہے

طیبہ کے ببولوں کے کانٹے پھولوں سے بھی نازک تر نکلے
تلووں کو بھی لذت ملتی ہے ' آسودہ طبیعت ہوتی ہے

مقصودِ جہاں ، محبوبِ خدا ، اور اس پہ یہ شانِ فقر و غنا
کپڑے بھی وہ خود دھولیتے ہیں فاقوں کی بھی عادت ہوتی ہے

"اتممت علیکم" فرما کر اللہ نے خود اعلان کیا
اتمامِ کرم اب ہو تو چکا ، بس ختم نبوت ہوتی ہے

..... آتے ہیں

(جو کراچی ایک طرحی مشاعرے میں شاعر کی زبان سے فی البدیہہ سنی گئی)

تاروں سے یہ کہہ دو کوچ کریں خورشیدِ منوّر آتے ہیں
قوموں کے پیمبرؐ آ تو چکے اب سب کے پیمبرؐ آتے ہیں

رستے میں جو پودے ملتے ہیں تعظیم کو جھک جھک پڑتے ہیں
کھل کھل کے گواہی دیتے ہیں مٹھی میں جو کنکر آتے ہیں

دربارِ نبیؐ جب گرم ہوا، افلاکِ بریں سے آئی صدا
یہ قیصر و کسریٰ حاضر ہیں یہ طغرل و سنجر آتے ہیں

اے حامیٔ بیکس ! ختمِ رسل ! یہ حال ہے تیری امت کا
دنیا میں کسی کی بھی ہو خطا الزام ہمیں پر آتے ہیں

سوئے مدینہ

شوقِ طلب ہے راہبر ، جوشِ جنوں ہے پاسباں
سوئے مدینتہ النبیؐ کون ہے یہ رواں دواں

ان کا خیال ان کی یاد ، ان کا ہی ذکر و داستاں
شکرِ خدا کہ اب نہیں ایک نفس بھی رائیگاں

فکر و خیال ہم عناں ، قول و عمل ہیں یک زباں
اب کوئی فاصلہ نہیں قلب و نظر کے درمیاں

جبکہ " سفینۂ عرب " سوئے عرب ہوا رواں
عشق نے مرحبا کہا شوق نے لی جو چٹکیاں

خاکِ حجاز پر نثار ، ایک نہیں ہزار بار
لالہ و سرو و نسترن ، ماہ و نجوم و کہکشاں

آج دبی دبی سی ہے چینِ جبینِ روزگار
آج رکی رکی سی ہے گردشِ ہفت آسماں

زندگی آجِ تک تو تھی رنج و خوشی کی دھوپ چھاؤں
اب ہے بہ فیضِ قربِ دوست حاصلِ عیشِ جاوداں

ذاتِ نبی پہ ختم ہے کون و مکاں کا ہر شرف
آپ رسولِ جزو و کل ، آپ امامِ انس و جاں

محوِ ہے گوشِ کائنات ، گونج رہے ہیں شش جہات
جیسے لبِ بلالؓ پر ، صبح کو نغمۂ اذاں

نازشِ انتخاب ہے اس کی نگاہِ انتخاب
شاخِ حرم کو چن لیا جس نے برائے آشیاں

حالِ تباہ دیکھ کر ، ان کو بھی پیار آگیا
تجھ پہ خدا کی رحمتیں ، اے مرے قلبِ ناتواں

حجاز سے رخصت ہوتے ہوئے

الوداع ! اے عرب کی پاک زمیں
تیرے ذرے ہیں رفعتوں کے امیں

الوداع ! اے جہان ذکر و صلاۃ
الوداع ! اے مقام عفو و نجات

الوداع ! اے ارض بے زراعت و کشت
الوداع ! اے نگاہ و دل کی بہشت

الوداع ! اے فضائے کیف و سرور
الوداع ! اے ہوائے دامن نور

رخصت اے بو قبیس و کوہ صفا!
رخصت اے غار ثور و غار حرا!

الفراق اے مقام ابراہیمؑ
الوداع اے مطاف و رکن حطیم

الوداع ! اے کبوتران حرم
ہم نشینان خاصگان حرم

الوداع ! اے جوار بیت اللہ
بیکسوں غمزدوں کی جائے پناہ

چاہ زمزم ہے یا خدا کی سبیل
رخصت ! اے یادگار اسمٰعیل

تجھ کو ہر وقت ہے حضور نصیب
بارک اللہ اے دیار حبیبؐ

تیری مٹی میں ہے وفا کا خمیر
رخصت اے سرزمین پاک ضمیر

رخصت اے روضہ نبی کریمؐ
رخصت اے حجلہ رؤفؐ و رحیمؐ

رخصت اے جلوہ گاہ قدس جناب
رخصت ! اے بارگاہ وحی و کتاب

رخصت اے جالیوں کے نظارے !
رخصت اے رحمتوں کے گہوارے

رخصت اے قبر حضرت صدیقؓ
تجھ پہ رحمت ہو اے نبی کے رفیقؓ

رخصت اے مرقد جناب عمرؓ
تیرے ذرے نشان فتح و ظفر

رخصت اے منبر رسولؐ خدا
رخصت اے مرکز پیام ہدی

اللہ اللہ ! مسجد نبوی
رخصت اے سجدہ گاہ مصطفوی

رخصت اے ارض قبلتین و قبا
رخصت اے خندق و احد کی فضا

کپکپانے لگی مری آواز
رخصت اے قبر حمزہؓ جانباز

الوداع الفراق ! خلد بقیع
ذرہ ذرہ ترا وجیہ و وقیع

کتنے شمس و قمر ہیں تجھ میں نہاں
سنگریزے ترے ہیں کاہکشاں

کچھ شہیدان سینہ چاک بھی ہیں
اھل بیت رسولؐ پاک بھی ہیں

شہ لولاک کی بناتؓ بھی ہیں
اور ازواجؓ طاہرات بھی ہیں

رخصت آرام گاہ ذیؓ النورین
رخصت اے فاتحان بدر و حنین

اے شکستہ مزار پاک بتولؓ
تجھ پہ قربان رحمتوں کے پھول

اب بھی ہیں بے قرار تیرے لئے
کتنے آنسو مری عقیدت کے

الوداع ! اے حدود ملک حجاز
رخصت اے قبلہ گاہ اہل نیاز

تیری مٹی نہیں دفینہ ہے
صدق و اخلاص کا خزینہ ہے

تو زمیں پر خدا کی آیت ہے
شام بھی تیری صبح جنت ہے

شان حق کا ظہور کیا کہنا !
تیری راتوں کا نور کیا کہنا

اے عناں گیر گردش ایام
تیری شام و سحر کو میرا سلام

سوئے خود بیں، بہ سوئے من منگر
میری کوتاہیوں سے صرف نظر

اب بھی باقی ہے میرے دل میں خلش
اے کہ تو ہے جہان جذب و کشش

پھر مرے سامنے یہ منظر ہو
پھر مجھے حاضری میسر ہو!

دعوت و منقبت

روضۂ سیدِؐ ابرار تک آپہنچے ہیں
غم کے مارے ہوئے غم خوار تک آپہنچے ہیں

زائرِ شہرِ مدینہ ! تجھے لینے کے لئے
عالمِ قدس کے انوار تک آپہنچے ہیں

یا نبیؐ ! آپ کا دین اور ہو بدعت کا شکار
امتّی جدّتِ افکار تک آ پہنچے ہیں

حق شناسوں میں کوئی ایک بھی فاروقؓ نہیں؟
لوگ اب جرأتِ انکار تک آ پہنچے ہیں

تابکے ضبط؟ مری مصلحت اندیش خرد
معرکے جب رسن و دار تک آ پہنچے ہیں

دامنِ سوزِ یقیں نے جنھیں دہکایا تھا
وہی شعلے مرے اشعار تک آ پہنچے ہیں

○

وہ منظر ، وہ نقش و نگارِ مدینہ
بہاریں ہیں منت گزارِ مدینہ
محبت کی نازک خلش اللہ اللہ
خوشا! لذتِ نوکِ خار مدینہ
اِدھر دونوں عالم بہ ایں شان و شوکت
اُدھر ایک مشتِ غبارِ مدینہ
ہے شاہانِ عالم سے رتبہ میں بڑھ کر
گدائے حرم ، خاکسارِ مدینہ
ادھر لاؤ جنت کی رعنائیوں کو
میں ان کو بھی کردوں نثارِ مدینہ
یہاں کی زمیں بوسہ گاہِ ملک ہے
زہے عزت و افتخارِ مدینہ
شکستہ دلوں کے ہیں غمخوار ، ماہر
رسولِ خدا ، تاجدارِ مدینہ

○

تو حاصلِ کونین ہے ، محبوبِ خدا ہے
تجھ سا کوئی دنیا میں نہ ہوگا نہ ہوا ہے
بلبل نے چمن میں جو ترا نام لیا ہے
کلیوں کی چٹک زمزمۂ صلِّ علیٰ ہے
وہ گلشنِ جنت کی تمنّا نہ کرے گا
جس نے ترے روضہ کا سماں دیکھ لیا ہے
جس چیز کو کہتا ہے زمانہ مہِ تاباں
یہ تو مرے سرکارؐ کا نقشِ کفِ پا ہے
یہ نعت کا انداز ، یہ اشعار کا آہنگ
ماہرؔ! یہ مرے دل کے دھڑکنے کی صدا ہے

○

لب پہ صلِّ علیٰ اور آنسو رواں
یادِ طیبہ نے پھر دل میں لیں چٹکیاں

سرورِ دو جہاںؐ کا مقدس حرم
قبلۂ اہلِ دل ہے یہی آستاں

جیسے روح القدس خود ہے نغمہ سرا
یہ مدینہ کی مسجد سحر کی اذاں

اس طرح دم جو نکلے، تو کیا پوچھنا
سامنے ان کے روضہ کی ہوں جالیاں

اے مسافر! مدینہ کے تجھ پر سلام
تیرے قدموں کے نیچے ہیں کون و مکاں

ان کی محفل تجلی کی روشن سحر
ان کی محفل سے باہر دھواں ہی دھواں

یہ بھی ماہر انہی کا ہے لطف و کرم
وصفِ ختم الرسل اور میری زباں

○

ہر لحظہ ترقی ہی پہ ہے شانِ محمدؐ
اے صلِّ علیٰ حسنِ فراوانِ محمدؐ

ہیں فقرِ ابوذرؓ پہ سلاطیں کی نگاہیں
اللہ رے ! اک بے سرو سامانِ محمدؐ

ہر عقدۂ دشوار کس انداز سے کھولا
قربان ترے جنبشِ مژگانِ محمدؐ

قرآن کی تفسیر ہے ارشادِ نبیؐ کا
اسلام کا منشور ہے فرمانِ محمدؐ

اس ہاتھ کے قبضہ میں ہے کونین کی دولت
جس ہاتھ میں ہے گوشۂ دامانِ محمدؐ

اخلاق کے پھولوں سے مہکتی ہیں فضائیں
صدقے تری خوشبو کے گلستانِ محمدؐ

ماہر ، مجھے تقدیر پہ ہے ناز کہ ہوں میں
مِن جملۂ خدّامِ غلامانِ محمدؐ

○

کفر کی شام صبحِ یقیں بن گئی
آپؐ آئے تو دنیا حسیں بن گئی

وہ مدینہ کی مسجد ، وہ سجدے مرے
لوحِ تقدیر جیسے جبیں بن گئی

چہرہ والشمس تھا ، زلف واللّیل تھی
ان کی اک اک ادا دل نشیں بن گئی

اللہ اللہ ! یہ فیضانِ ختم الرسل
جس کو کہتے تھے دنیا وہ دیں بن گئی

پہلے نورِ محمدؐ کو پیدا کیا
آسماں بن گیا ، پھر زمیں بن گئی

یاد میں ان کی ماہر ، یہ میری غزل
مشکبو ہوگئی ، عنبریں بن گئی

○

محمدؐ مصطفیٰ صلّی علیٰ کیا نام پیارا ہے
دلوں کی آرزو ہے ' دردمندوں کا سہارا ہے
زمانے بھر پہ ہے احسان تیری رہنمائی کا
ترا نقشِ قدم کیا ہے ہدایت کا ستارہ ہے
جو تو آیا تو دنیا کی ہوئی پھر سے چمن بندی
ترے دستِ کرم نے زلفِ گیتی کو سنوارا ہے
ترا قول و عمل بنیاد ٹھہرا دین و ایماں کی
کہ یہ قدرت کا منشا ہے ' مشیّت کا اشارہ ہے
ترے صدقے کہ تو نے دل کے آئینے کئے روشن
ترے قربان اک اک نقشِ فطرت کو ابھارا ہے
وہی حاصل ہے ماہر میری ساری زندگانی کا
وہ اک لمحہ کہ جو یادِ محمدؐ میں گزارا ہے

○

یہ کوئے محبت ہے، مدینہ کی گلی ہے
دنیا بھی یہی ہے، مری عقبیٰ بھی یہی ہے
مژدہ! تجھے بخشش کا، مدینہ کے مسافر
یہ راہگزر گلشنِ جنت سے ملی ہے
ہم سب کو بہت عشقِ محمدؐ کا ہے دعویٰ
کیا ہم میں کوئی شخص اویسِ قرنی ہے؟
گزرے تھے جو اس راہ سے سرکارِ دو عالمؐ
اب تک مہ و انجم کی فضا جھوم رہی ہے
تم رتبۂ ماہر سے خبردار نہیں ہو
مِن جملۂ خدّامِ رسولِ عربیؐ ہے

○

وہ آئے اور آئے بھی قرآں لئے ہوئے
تنظیمِ کائنات کا ساماں لئے ہوئے
نکلا حِرا کے غار سے وہ نازشِ مسیح
سارے جہاں کے درد کا درماں لئے ہوئے
معراج میں یہ شوکت و اجلال مصطفیٰ
جبریل بھی ہیں دیدۂ حیراں لئے ہوئے
گزرے وہ ہر مقام سے طائف ہو یا حنین
اپنے جلو میں نصرتِ یزداں لئے ہوئے
اللہ رے نطقِ احمدِ مرسل کی سادگی
ہر لفظ ہے حقیقتِ عریاں لئے ہوئے
ان کے حضور ان کی نوازش کی سن کے دھوم
آئی سحر بھی چاکِ گریباں لئے ہوئے
ماہر بھی بارگاہِ نبیؐ میں بصد نیاز
حاضر ہے بہرِ نذر دل و جاں لئے ہوئے

○

اللہ کا ارشاد ' محمد کی زباں ہے
یہ ایسی حقیقت ہے جو دنیا پہ عیاں ہے
اس نام کی عظمت پہ میں سوجان سے قرباں
وہ نام کہ جو شاملِ تکبیر و اذاں ہے
اے صلِّ علیٰ! یہ مری دنیائے تصور
طیبہ کی طرف قافلۂ شوق رواں ہے
واعظ سے کہو ' ذکرِ محمدؐ ہی کئے جائے
یہ تو میرا ایمان ہے ' یہ تو مری جاں ہے
بندہ ہے وہ بندہ کہ ہے اللہ کا محبوب
انسان وہ انسان کہ مقصودِ جہاں ہے
ماہر وہ ہر اک گام پہ جنّت کے نظارے
اب تک مری آنکھوں میں مدینہ کا سماں ہے

○

ترا نطق وحیِ یزداں ، تری بات شرحِ قرآں
ترا نام دل کی تسکیں ، ترا ذکر راحتِ جاں،
ہوئی تیری آمد آمد ، تو برائے خیر مقدم
کہیں کھل گئے گلستاں ، کہیں ہوگیا چراغاں
ہے جہانِ آب و گل میں ترے دم قدم سے رونق
تو فروغِ بزم ہستی ، تو بہارِ باغِ امکاں
وہ ہے خوش نصیب جس کو ملی عزتِ غلامی
ترے در کے سب سلامی وہ فقیر ہو کہ سلطاں
تری ذات سے محبت ، ترے حکم کی اطاعت
یہی زندگی کا مقصد یہی اصلِ دین و ایماں
تری زندگی کا پرتو ہے کمالِ آدمیّت
تری شخصیت سے قائم ہے وقارِ نوعِ انساں

○

تو مقصدِ تخلیق ہے تو حاصلِ ایماں
جو تجھ سے گریزاں وہ خدا سے ہے گریزاں
کردار کا یہ حال صداقت ہی صداقت
اخلاق کا یہ رنگ کہ قرآن ہی قرآں
کیا نام ہے شامل ہے جو تکبیر و اذاں میں
اس نام کی عظمت کے ہیں قربان دل و جاں
اشکوں سے ترے دین کی کھیتی ہوئی سیراب
فاقوں نے ترے دہر کو بخشا سرو ساماں
انسان کو شائستہ و خوددار بنایا ،
تہذیب و تمدن ترے شرمندۂ احساں
رحمت کا یہ عالم ہے ، مروت کا یہ انداز
ماہر سا گنہ گار ہے وابستۂ داماں!

○

زندگی کچھ بھی نہیں تیری محبت کے بغیر
اور بے روح محبت ہے اطاعت کے بغیر
کوئی دستور مکمل نہ کوئی نظم درست
تیرے لائے ہوئے آئینِ شریعت کے بغیر
دین ہی میں کوئی لذّت ہے نہ دنیا میں ہے لطف
اے غمِ عشقِ نبیؐ ، تیری رفاقت کے بغیر
ساغرِ آبِ حیات آئے تو میں ٹھکرا دوں
بخدا نامِ محمدؐ کی حلاوت کے بغیر
مرحبا الفتِ سردارِ دو عالم کے طفیل
آن پہنچا ہوں کہاں کشف وکرامت کے بغیر

○

سرِ محشر خدا کی مغفرت نے کی پذیرائی
شفیع المذنبیں آئے گنہگاروں کی بن آئی
تفکّر بھی عبادت بھی وہ استغراقِ تنہائی
حرا کے غار میں پہلے پہل وحیِ خدا آئی
نبوّت کا خطابِ عام ہے سارے زمانے سے
وہ شرقی ہو کہ غربی ہو ' وہ شہری ہو کہ صحرائی
مرے سرکار ہیں دونوں جہاں کے واسطے رحمت
شریعت آپ کی ہے دین اور دنیا کی یکجائی
محمد مصطفےٰؐ کے مکتبِ عرفاں سے ملتی ہے
خردمندی' فراست' حکمت و تدبیر و دانائی
نگاہوں کو بصیرت دی' دلوں کو زندگی بخشی
کسی کو کب میسر ہے یہ اندازِ مسیحائی
ترے کردار کا پرتو ہے عصمت ہو کہ تقویٰ ہو
ترے اخلاق کا صدقہ ہے نیکی ہو کہ سچائی

○

محمدؐ رحمتہٗ للعٰلمیں ہے
وہ فخرِ اولین و آخریں ہے
وہی ہیں جان و دل دونوں جہاں کے
بغیر ان کے نہ دنیا ہے نہ دیں ہے
سراپا حسن ہے شامِ مدینہ
یہی تو صبحِ فردوسِ بریں ہے
طفیلِ ماہِ طیبہ، چشمِ بد دور
فروزاں آج تک شمعِ یقیں ہے
مدینہ کی یہ راتیں اللہ اللہ
اندھیرا ہے مگر نور آفریں ہے
بہت دلکش ہیں دنیا کے نظارے
مگر اتنی مجھے فرصت نہیں ہے
کلامِ حق کی ہے تفسیر ماہر
حدیثِ مصطفٰے کیا دل نشیں ہے

○

کیا مدینہ سے بھی پیغام کوئی لائی ہے
یا نسیمِ سحری یوں ہی چلی آئی ہے

ہر نفس اس کے لئے انجمن آرائی ہے
جس کی والشّمس کے جلووں سے شناسائی ہے

واقعہ یہ ہے کہ یادِ رخِ جاناں کے بغیر
زندگی کیا ہے مسلسل شبِ تنہائی ہے

دین دراصل محمدؐ کی اطاعت کا ہے نام
یہ حقیقت مجھے قرآن نے سمجھائی ہے

آپؐ سے پہلے نہ خوشبو تھی نہ رعنائی تھی
آپؐ آئے ہیں تو دنیا میں بہار آئی ہے

یہ جہاں حسنِ مشیت کا ہے پرتو ماہر
آدمی صرف مناظر کا تماشائی ہے

رحمتِ عالم شافعِ محشر
قاسمِ جنت ساقیٔ کوثر
جس پر لاکھوں صبحیں قرباں
صلِّ علیٰ وہ روئے منور
رحمت کی پاکیزہ گھٹائیں
اللہ اللہ ! زلفِ معنبر
آنکھوں میں مازاغ کا سرمہ
پیشانی والشمس سراسر
عزمِ محمد کا پرتو ہیں
فتحِ مکہ ، نصرتِ خیبر
ماہر ہیں دربارِ نبیؐ میں
شاہ و گدا سب ایک برابر

○

یادِ نبیؐ ہے ذکر نبیؐ کا ہے
اب تو اپنی زیست یہی ہے

اک کملی والے کے گھر سے
دنیا کو تہذیب ملی ہے

نامِ محمدؐ جان ہے دل کی
دل کی دھڑکن بول رہی ہے

کفر کے چھکے چھوٹ گئے تھے
بدر میں جب تلوار چلی ہے

دنیا تھی اور رات اندھیری
آپؐ آئے تو صبح ہوئی ہے

سیدھا سچا دین نبیؐ کا
اور باقی سب درد سری ہے

خلقِ محمدؐ کا ذکر آیا
جب نیکی کی بات چھڑی ہے

ماہر ہے کیا حال تمھارا
آنکھ میں آنسو لب پہ ہنسی ہے

○

ایمان کی ہے جان محبت رسولؐ کی
ہے فرضِ عین سب پہ اطاعت رسولؐ کی
سجدے میں سر ہے ' لب پہ دعا، چشم اشکبار
اللہ رے! وہ شانِ عبادت رسولؐ کی
قرآں کی شرح آپؐ کا خلقِ عظیم ہے
اللہ کی کتاب ہے سیرت رسولؐ کی
والشمس روئے پاک ہے ' واللیل زلفِ یار
صلِّ علیٰ وہ شکل و شباہت رسولؐ کی
قول و عمل نبی کا ہے معیارِ زندگی
فطرت کا آئنہ ہے شریعت رسولؐ کی
یارب بروزِ حشر تری مغفرت کے ساتھ
ماہر کو ہو نصیب شفاعت رسولؐ کی

○

اتنا ہو فزوں شوق و تمنائے مدینہ
جس سمت نظر جائے، نظر آئے مدینہ

زاہد تجھے جنت کی تمنّا ہو مبارک
میرے لیے فردوس ہے صحرائے مدینہ

ماہر تجھے مژدہ ہو کہ بخشش کی سند ہے
یہ شوق، یہ حسرت، یہ تولّائے مدینہ

تونے ہی محبت کے سفینہ کو ترایا
ملتا ہی نہ تھا حسن کے دریا کا کنارا
تاریخ کے صفحات کو بھی ناز ہے جس پر
اک گرتی ہوئی قوم کو اس درجہ ابھارا
چلتی ہی رہے گی ترے احکام کی کشتی
بہتا ہی رہے گا ترے الطاف کا دھارا
اس وقت کہ مٹھی میں تری سارا عرب تھا
کہتے ہیں ترا نانِ جویں پہ تھا گزارا
اس وقت بھی تھی تیری نبوت کی خدائی
آدمؑ کی بھی تقدیر کا چمکا نہ تھا تارا
اب بھی تری عظمت پہ کٹا دیتے ہیں سرکو
اب بھی ہے ترا نام ہمیں جان سے پیارا
اب بھی ہیں تری نام کی عظمت کے فدائی
بغداد ، فلسطین ، سمر قند ، بخارا
اے وہ کہ ترے ذکر میں تسکینِ دل و جاں
اے وہ کہ تری ذات دو عالم کا سہارا
اے وہ کہ ترے نام سے ٹلتی ہے مصیبت
ماہر کی طرف چشمِ عنایت کا اشارا

○

آپؐ کیا آئے کہ حق کا بول بالا ہو گیا
ساری دنیا میں اجالا ہی اجالا ہو گیا

○

اللہ کی ہیں آخری حجت مرے حضورؐ
سارا جہاں مجاز، حقیقت مرے حضورؐ

○

لایا ہوں بصد شوق پئے نذر ، دل و جاں
نادم ہوں کہ یہ بھی نہیں شایانِ محمدؐ

○

تیری وفا کی اک جھلک دستِ فگارِ فاطمہؓ
تیری معاشرت کی شان گردِ قبائے حیدریؓ

محسُوساتِ ماہر

فرضِ اوّلین

ارے! یہ کس کی تجلّی نے کر دیا مدہوش
نگاہ محوِ تحیّر زبان ہے خاموش
فرازِ عرش سے آئے وہ میکدہ بردوش
چھلک پڑے نہ ستاروں سے بادۂ سرجوش
صفات و ذات میں ہے ربطِ عکس و آئینہ
ازل سے حسن و محبت رہے ہیں دوش بدوش
حرم کی راہ سے گزرا ہے قافلہ دل کا
وہاں بھی عالمِ حیرت، وہی فضا خاموش
مشاہدہ بھی تجلّی سے خاک ہو جاتا
بھلا ہوا وہ نگاہوں سے ہو گئے روپوش
کہا جو دل نے مرے "لاالٰہ الا اللہ"
کسی کے جلوۂ رحمت نے کھول دی آغوش

گنگا کے کنارے

فردوس میں بیٹھا ہوں کہ گنگا کے کنارے
بھرتی ہیں نگاہیں جو ترارے پہ ترارے
پتھر کے ہیں ریزے کہ چمکتے ہوئے جگنو
ہیں ریت کے ذرّے کہ دمکتے ہوئے تارے
یہ تابشِ مہ اور یہ موجوں کا تصادم
پانی سے نکلتے ہوئے بجلی کے شرارے
وہ منحنی اجسام کہ کہیے جنہیں حشرات
لیتے ہوئے انگڑائیاں کائی کے سہارے
پانی میں حبابوں کا یہ رہ رہ کے ابھرنا
جیسے پسِ چلمن کوئی کرتا ہے اشارے
گرداب کے ہیں پیچ کہ فانوس کے شعلے
دریا کی یہ موجیں ہیں کہ انوار کے دھارے
یہ چاندنی رات اور یہ لہروں کی کشاکش
آئینہ پہ چلتے ہوئے بلوّر کے آرے
نکھرے ہوئے ساحل پہ یہ بگلوں کی قطاریں
حوروں کے پرے جیسے ہوں کوثر کے کنارے
ہر موج الٹتی ہوئی انوار کے پردے۔
اب آنکھ تو کیا روح پہ واجب ہیں نظارے
گنگا است کہ سرمایۂ صد حسن بہارے
رعنائی بہ ہر منظر و نزہت بکنارے

نوجوان بیوہ

زلف بے ترتیب، کپڑے ملگجے، چہرہ اداس
ایک پژمردہ تمنّا ایک غم انجام آس
پھول سے رخسار کی سرخی میں زردی کی جھلک
ہونٹ کملائے ہوئے سے شبنم آلودہ پلک
ناخنوں کی کور پر مہندی کے دھندلے سے نشاں
ہاتھ کہتے ہیں ابھی توڑی گئی ہیں چوڑیاں
ہر طرف سے ہے دوپٹہ کی کناری تار تار
چھن چکی ہیں بجلیاں کانوں کی اور گردن کا ہار
پائنچوں کی بیل پر شکنوں کا عالم ہائے! ہائے
یہ جوانی اور یہ فریاد و ماتم ہائے! ہائے
اس قدر ویراں نگاہیں، اس قدر حالت تباہ
جیسے دنیا میں نہیں اس کیلئے کوئی پناہ
روح بھی غلطاں ہے اس کے دیدۂ خونبار میں
دل کی دھڑکن بھی ہے شامل نبض کی رفتار میں
اک خزاں دیدہ کلی کی طرح مرجھائی ہوئی
سر سے پاتک بیوگی ہی بیوگی چھائی ہوئی
ایک غم کی رات جس کی صبح ہو سکتی نہیں
اک کلی جو اوس سے بھی منہ کو دھو سکتی نہیں
اک بھیانک خواب جس کی خودکشی تعبیر ہے
ایک انساں جو غم و اندوہ کی تصویر ہے

اک جواں امید جو سینہ میں گھٹ کر رہ گئی
اک سہاگن اپنے جو ساجن سے چھٹ کر رہ گئی
اک چمن جس پر بہار آتے ہی بجلی گر پڑی
اک مسلسل مرگ اک پیہم قیامت کی گھڑی
ایک دکھیاری نہیں جس کا کوئی جز بیکسی
ایک کہرے کی سحر جس میں نہیں تابندگی
ایک حسرت جو ابھرنے بھی نہ پائی تھی ابھی
زندگی جس کے لیے پیغام لائی تھی ابھی
ایک نغمہ جو ابھی پوری طرح گونجا نہیں
ایک عورت جس نے دنیا کو ابھی برتا نہیں
ایک شمعِ آرزو جلتے ہی جو گل ہو گئی
اک صدا جو دل سے اٹھی اور دل میں کھو گئی
ایک نورس پھول جو وقتِ سحر کملا گیا
اک جوانی جس پہ دو دن میں بڑھاپا آ گیا
جانتا ہوں تیرے مستقبل کے پیچ و خم کو میں
فطرتِ گیتی مزاجِ ہستیٔ عالم کو میں
مسکراہٹ بھی تری دنیا کو ہو گی ناگوار
شک میں ڈالے گا جہاں کو تیری آنکھوں کا خمار
تجھ سے بیاہی عورتیں ملتے ہوئے کترائیں گی
دور رہ کر تجھ سے ساون کی ملہاریں گائیں گی
تیری پرچھائیں سے دلہن کو بچایا جائے گا
تجھ کو ہر تقریب میں نیچا دکھایا جائے گا

تیرے ہنسنے پر اٹھیں گی عورتوں کی انگلیاں
گھور کر دیکھیں گی تجھ کو بن بیاہی لڑکیاں
تیری امیّدوں سے لے گی فطرتِ ہستی خراج
تجھ کو ٹھکرائے گا اک اک گام پر ظالم سماج
آرزوؤں پر تری پہرے بٹھائے جائیں گے
رنج و غم کے تجھ کو افسانے سنائے جائیں گے
دہر میں اب کوئی گنجایش نہیں تیرے لئے
یہ جہاں اور اس کی آسائش نہیں تیرے لئے

حسنِ رہگزر

کل شام سرِ راہ گلستاں نظر آئی
وہ جس کے تبسم میں فروغِ گل و لالہ
وہ حسن کا پندار وہ رفتار کی شوخی
ٹھکرا کے گذر جائے محبت کا شوالہ
رفتار کی مستی کا وہ چلتا ہوا جادو
ہر بار چھلکتا تھا جوانی کا پیالہ
وہ شامِ چمن اور وہ مستانہ ہوائیں
اور اس کا وہ ڈھلکا ہوا زرّین دوشالہ
تاروں کے کٹورے بھی جو دیکھیں تو چھلک جائیں
اس شان سے ماتھے پہ جھلکتا تھا پسینہ
بے چین تھا پارے کی بھی فطرت سے زیادہ
طوفانِ جوانی میں اداؤں کا سفینہ
اس پھول سے چہرے پہ نگاہوں کی وہ یورش
ہر گام پہ اس کا وہ دھڑکتا ہوا سینہ
وہ لب متبسّم تھے بصد شوخی و انداز
کلیوں کو سکھا دیں جو تبسّم کا قرینہ
میں بے خود و سرشار تھا بے ساغر و مینا
افسانوں کے خاکے تھے ہتھیلی کی لکیریں
اشعار کا موضوع تھیں بدمست ادائیں
رخسار میں انداز بنارس کی سحر کا

گیسو میں مچلتی ہوئیں ساون کی گھٹائیں
اس شوخ کا غنچوں سے یہ کہتا تھا تبسم
آؤ تمہیں برسات کا اک گیت سنائیں
ہیں نقش مرے دل پہ وہ معصوم جفائیں
ہر ذرہ کو مدہوش بناتی ہوئی گذری
آنکھوں کے پیالوں سے پلاتی ہوئی گذری
وہ حسن وہ انداز، وہ شوخی وہ لگاوٹ
رفتار سے اک حشر اٹھاتی ہوئی گزری
جو شعر کہ منت کشِ الفاظ نہیں ہے
وہ شعر نگاہوں سے سناتی ہوئی گزری

فکر و عمل

عمل کا نام ہے ناداں! فروغِ مستقبل
الٹ دے پردۂ تقدیر سوچتا کیا ہے؟
یہ حادثات کی دنیا یہ کار زارِ حیات
عمل کے جذبۂ سرگرم کے سوا کیا ہے
نظر کو پست نہ کر، عشق کو ہوس نہ بنا
چمن میں لالہ و گل کے سوا دھرا کیا ہے
خدا جمود کی ہر گز مدد نہیں کرتا
ترے لبوں پہ یہ ہنگامۂ دعا کیا ہے
ہے اک گناہ غلاموں کی پارسائی بھی
تجھے خبر ہے کہ فطرت کا مقتضا کیا ہے
تجھے تو خاک کے ذروں سے کام لینا ہے
فلک کے چاند ستاروں کو دیکھتا کیا ہے
کہیں خیال سے ہوتی ہے منقلب دنیا
تو کس خیال میں ہے، یہ تجھے ہوا کیا ہے؟
تجھے تو عشق کے طوفاں میں کود پڑنا ہے
نہ سوچ یہ کہ محبت کی انتہا کیا ہے
بہ فیض حضرتِ رومیؒ سفالِ ماہر میں
فروغِ بادۂ اقبالؒ کے سوا کیا ہے

پیام

جینے کا قصد ہے تو سکوں کی نہ کر تلاش
یہ زندگی حوادثِ پیہم کا نام ہے
وہ حرّیت کہ جس میں نہ آزاد ہو ضمیر
اس حرّیت کو دور سے میرا سلام ہے
مانا کہ عرش سدرہ و طوبیٰ سے ہے بلند
مومن کا اس فضا سے بھی اونچا مقام ہے
میری نظر میں قدر نہیں اس نگاہ کی
تہذیب جس نگاہ میں ماہِ تمام ہے
اس زندگی کا آئنہ پتھر سے توڑ دو
جس زندگی کا عیشِ دو روزہ مقام ہے
جس زہد میں ہو خوئے غلامی کا رنگ و بو
اس پر ہوائے گلشنِ جنت حرام ہے
خود حسن کی نمود کو الفت کی ہے تلاش
یہ کس نے کہہ دیا کہ محبت غلام ہے
اوجِ برامکہ ہو کہ فرِّ قرامطہ
عشرت کی زندگی صفتِ دورِ جام ہے
اسٹیج پر جہاں کے مناظر ہیں مختلف
یہ نینوا کی صبح وہ بابل کی شام ہے
نظریں بلند ہوں تو زمیں بھی ہے آسماں
سمعِ قبول ہو تو خموشی پیام ہے۔

ہٹلر کا اعلان اور شاعر کا جواب

زندگی کا لطف ہے شانہ بشانہ مو بمُو
درسِ امن و آشتی ہے صرف دیوانہ کی ہُو
دوسروں کے لطف و رحمت پر ہے جن کو اعتماد
میں بہا دیتا ہوں ان کمزور قوموں کا لہو
دعویٰٔ اخلاق ہو یا ہو سیاست کا فریب
جانتا ہوں سب کو میں نکتہ بہ نکتہ مو بہ مو
ہڈیوں کے فرش پر ہوتی ہے سطوت کی نماز
"آمریت" خونِ انسانی سے کرتی ہے وضو
میری محفل گرم رہتی ہے لہو اور آگ سے
توڑ ڈالے میں نے اک مدت ہوئی جام و سبو
میرے ایوانوں کی زینت گیس اور بارود سے
رقص خانوں میں ملیں گے شاہدانِ خوبرو
پھول کا دیتا ہوں میں دنیا کو پتھر سے جواب
توپ کے منہ سے کیا کرتا ہوں اکثر گفتگو
تیرے سینہ میں سمو دوں گا تباہی کے شرار
اے نسیمِ باغِ عشرت دیکھ تو مجھ کو نہ چھو
آرزوؤں نے مری توڑا طلسمِ بحر و بر
ایسے نازک دور میں دجلہ بہ دجلہ جو بجو
نالۂ مظلوم، آہِ بیوہ، فریادِ یتیم
میری محفل کے یہی ہیں مطربانِ خوش گلو

خونِ انسانی کی ارزانی ہو اتنی دہر میں
بچھ سکے جس پر مری نخوت کا تختِ آرزو
جانتا ہوں میں زمانہ کا مزاجِ گرم و سرد
دے نہیں سکتا مجھے کوئی فریبِ رنگ و بو
دام ہم رنگِ زمیں تھا آشیانہ کے قریب
آگیا دھوکے میں آخر ایک مرغِ قبلہ رو
اہرمن کی بزم میں تھی مردنی چھائی ہوئی
ولولوں نے میرے گرمایا ہے شیطاں کا لہو

شاعر کا جواب

نخوت بھرے اٹھان سے تیرے مجھے ہے ڈر
تو اپنے جوش ہی میں زمیں پر نہ گر پڑے
فرصت ملے تو دل پہ کبھی ہاتھ رکھ کے سوچ
برلن کو وارسا کا مقدر اگر ملے
پولینڈ کے تڑپتے ہوئے دل کی دھڑکنیں
اے کاش! تو ضمیر کے کانوں سے سن سکے
شاید ترے ضمیر کو ہو گا نہ یہ پسند
تاریخ تجھ کو جابر و ظالم اگر لکھے
تعمیر دہر میں نہیں ہوتی ہے آگ سے
آتش فشانیوں میں اکارت نہ کر سمے

ظالم کا جبر و ظلم تو کاغذ کی ناؤ ہے
انجام کار ہوتی ہے مظلومیت کی جے
ان فتح مندیوں پہ نہ اترا، مآل سوچ
قدرت کا انتقام بڑا خوفناک ہے
نمرود کی خدائی باطل کا واسطہ
اچھا نہیں ہے کبر کی اتنی بڑھا نہ لے
میں ہوں غلام ملک کا شاعر نہ اس پہ جا
ہندی ہے میرا جام، حجازی ہے اس کی مے
"کم کن زکبر و ناز کہ دید است روزگار
چین قبائے قیصر و طرفِ کلاہِ کے"

طوائف

اے زنِ ناپاک فطرت، پیکرِ مکر و ریا
دشمنِ مہر و وفا، غارت گرِ شرم و حیا
تیری ہر شوخی لچر ہے، تیرا ہر انداز پوچ
سخت تر ہے سنگ و آہن سے تری باہوں کا لوچ
تیرا ظاہر خوشنما ہے، تیرا باطن ہے سیاہ
ہر ادا تیری مکمل دعوتِ جرم و گناہ
تیری چٹکی کی صدا ہے یا کہ شیطاں کا خروش
رحم کر انسانیت پر او بتِ عصمت فروش
الامان اے تیرے مصنوعی تبسم کا فریب
تھر تھرا اٹھتی ہے جس کے زور سے نبضِ شکیب
یہ نزاکت کی نمائش یہ فریب آمیز چال
دوشِ ہستی پر تری ناپاک ہستی ہے وبال
تیرے ہر غمزے کی تہہ میں ہے بناوٹ کا شکوہ
جس کے آگے سر بہ سجدہ معصیت کے دشت و کوہ
تیرا چہرہ ارغوانی، تیرا دل بے آب و رنگ
زندگی کیا ہے تری قانون سے فطرت کے جنگ
تیری پیشانی کا ہر خط معصیت آلودہ ہے
تیرا ہر اقدام نافرجام ہے، بے ہودہ ہے
تیرے ہونٹوں پر ہنسی ہے دل ترا افسردہ ہے
تو بظاہر جی رہی ہے روح تیری مردہ ہے

تو حصولِ زر کی خاطر، کس قدر بے چین ہے
کسبِ دولت زندگی کا تیری نصب العین ہے
تیرے مذہب میں حفاظت آبرو کی ہے گناہ
مانگتی ہے تیری باتوں سے نسائیت پناہ
تیرا دل ہے زنگ آلودہ مگر چہرہ ہے صاف
تیرے ظاہر اور باطن میں ہے کتنا اختلاف
جانتی ہے اپنی رسوائی کو تو وجہِ نمود
صنفِ نازک کی کھلی توہین ہے تیرا وجود
تیری بیداری نہیں ہے اک مسلسل خواب ہے
کیا تو واقف ہے کہ عصمت گوہرِ نایاب ہے
جانتا ہوں تیری باہوں کی لچک کو بدشعار
کیوں دکھاتی ہے جڑاؤ کنگنوں کو بار بار
میری نظروں کو خدارا دعوتِ کاوش نہ دے
جگمگاتے موتیوں کے ہار کو جنبش نہ دے
ریشمیں رومال سے ہونٹوں کی سرخی کو نہ چھو
مجھ پہ چل سکتا نہیں تیرا فریبِ رنگ و بو
زلفِ مشکیں کو حنائی انگلیوں سے مت سنبھال
کھل چکا ہے میری نظروں پر ترا رازِ جمال
ریشمیں ساڑھی کو سر سے خود ہی ڈھلکاتی بھی ہے
بالارادہ بے حیائی کر کے شرماتی بھی ہے
سسکیاں بھرتی ہے تو، انگڑائیاں لیتی ہے تو
اف ری مکّارہ! بھری محفل کو جُل دیتی ہے تو

کوئی ہو جاتا ہے جب تیرے تصنع کا شکار
چپکے چپکے کام کرتا ہے فریب آمیز پیار
تو دلا دیتی ہے اس کو اپنی الفت کا یقیں
سچ تو یہ ہے تیرے کاٹے کا کوئی منتر نہیں
زندگی کو اس کی یکسر تلخ کر دیتی ہے تو
کانپ جاتا ہے جگر وہ چٹکیاں لیتی ہے تو
بھاگتا ہے کوئی جیسے سانپ کی پھنکار سے
دور رہنا چاہیے یوں ہی ترے کردار سے

مسلمان لڑکی سے!

اے تو کہ ہے اخلاق کے پھولوں کا خزانہ
دنیا بڑی پُر پیچ ہے نازک ہے زمانہ
سورج کی کرن تیرے تقدّس کی ہے شاہد
کلیوں کی زباں پر تری عصمت کا فسانہ
نغمہ بہ ہر انداز ہے برہم کنِ جذبات
بربط کی صدا ہو کہ پیانو کا ترانہ
تہذیب گناہوں کے دوراہے پہ کھڑی ہے
تعلیم فقط مکر ہے ' اصلاح بہانہ
کاغذ کے ہیں یہ پھول نہ خوشبو نہ طراوت
افرنگ کی تہذیب کے دھوکے میں نہ آنا
آتے ہیں تری سمت بھڑکتے ہوئے شعلے
شعلوں سے ذرا دامنِ تقدیس بچانا
اسلام کو اب تک ترے کردار پہ ہے ناز
جذبات کو اخلاق کا پابند بنانا

تیرے بغیر

آ کہ دل اب زیست سے بیزار ہے تیرے بغیر
ہر نفس چلتی ہوئی تلوار ہے تیرے بغیر

یہ سہانی رات اور تجھ سے جدائی ہائے! ہائے
ہر شکن بستر کی نوکِ خار ہے تیرے بغیر

رازِ الفت وائے مجبوری ہوا جاتا ہے فاش
حالِ دل شرمندۂ اظہار ہے تیرے بغیر

اب کہاں وہ کیف کی راتیں وہ دلچسپی کے دن
زندگی اک مستقل آزار ہے تیرے بغیر

غیر تو ہیں غیر اپنے بھی پرائے ہو گئے
ساری دنیا برسرِ آزار ہے تیرے بغیر

چشمِ نرگس تک ہی کچھ محدود بیتابی نہیں
گلستاں کا گلستاں بیمار ہے تیرے بغیر

صبح کے آغوش میں نورس شگوفوں کی چٹک
طبعِ افسردہ پہ کتنی بار ہے تیرے بغیر

آ کہ زہد و معصیت کی محفلیں ویران ہیں
رونقِ دنیا و دیں بیکار ہے تیرے بغیر

ڈھونڈتا ہے پھر کسی موضوعِ رنگیں کو خیال
فکرِ ماہر شیفتۂ اشعار ہے تیرے بغیر

سلام!

خط کے جواب میں

تمہیں حرم کی فضائیں سلام کہتی ہیں
صنم کدوں کی ہوائیں سلام کہتی ہیں
بہار حسنِ عقیدت کے بھیجتی ہے پھول
چمن کی مست گھٹائیں سلام کہتی ہیں
دبی زبان سے کلیوں کے لب پہ ہے آداب
گلوں کی تنگ قبائیں سلام کہتی ہیں
درِ قبول سے ٹھکرا دیا گیا جن کو
وہ بدنصیب دعائیں سلام کہتی ہیں
جو ہیں تصورِ سود و زیاں سے بے پروا
وہ بے نیاز وفائیں سلام کہتی ہیں
تمہاری بزم میں بھی جو سکون پا نہ سکیں
وہ بیقرار نگاہیں سلام کہتی ہیں
جو رہ گئیں تھیں تمہاری طرف ذرا اٹھ کر
بصد نیاز وہ باہیں سلام کہتی ہیں
جو ہو سکے تو اسی طرح مسکرا دینا
کسی غریب کی آہیں سلام کہتی ہیں

پیام!

مجھے یہ ڈر ہے کہیں راز آشکار نہ ہو
خدا کے واسطے اس درجہ بیقرار نہ ہو
خدا بچائے جدائی کی سخت گھڑیوں سے
تری طرح کوئی مجبورِ انتظار نہ ہو
زمانہ ٹوہ میں رہتا ہے ایسی باتوں کی
خدا کرے کہ ترا کوئی راز دار نہ ہو
ترے جواب کو پڑھ کر ضمیر کانپ اٹھا
ملول ہجر نہ بن اور اشکبار نہ ہو
جسے سنا تھا کسی نشرگاہ سے تو نے
مرے دکھے ہوئے دل کی کہیں پکار نہ ہو
محبت ایک مقدس خلش ہے فطرت کی
اسی خلش سے نہ کیوں ابتدائے کار کریں
دکھا کے عشق کی پاکیزگی کا اک منظر
ہوس پرست زمانہ کو شرمسار کریں
رہیں شگفتہ ہماری مسرتوں کے پھول
خزاں بھی آئے تو نظارۂ بہار کریں
نگاہ جس طرح پھولوں کو چوم لیتی ہے
اسی طرح سے ہم اک دوسرے کو پیار کریں

والدِ مرحوم کی قبر پر

جھٹ پٹے کا وقت گورستان کا منظر اداس
بے کسی، افسردگی، ویرانیاں، خوف و ہراس
نیم کے کچھ خشک پتے جا بجا بکھرے ہوئے
قبر کے ٹوٹے ہوئے تختے کہیں نکلے ہوئے
خاک کے کچھ ڈھیر، کچھ بیٹھی ہوئی قبروں کے غار
منتشر ڈھیلوں کی پگ ڈنڈی پہ چیونٹوں کی قطار
بکریوں کے گھاس چرنے کے نشاں ابھرے ہوئے
پائمالی کے فسانے خاک پر لکھے ہوئے
ٹھیکرے، ٹوٹی ہوئی اینٹیں، خزاں دیدہ درخت
ٹہنیوں کو جنبشیں دیتی ہے آوازِ کرخت
کوئی کتبہ ہے نہ کوئی امتیازی ہے نشاں
ایک دنیا خاک میں گمناميوں کی ہے نہاں
موت کی پرچھائیاں ہیں اور سوادِ شام ہے
خاک کے کچھ ڈھیر ہیں باقی خدا کا نام ہے
دیکھ کر اک قبر کو آنکھوں میں آنسو آ گئے
جسم میں لرزہ ہوا پیدا، قدم تھرّا گئے
سامنے آنکھوں کے اک غمخوار صورت آ گئی
قبر کے اوپر محبت ہی محبت چھا گئی
مَیں کہ آزردہ بہت ہوں کلفتوں کے جال سے
داستانِ دل سنا ڈالی زبانِ حال سے

جس کی خاطر آپ کے تھے دیدہ و دل فرشِ راہ
آج اس بے کس کی اس دنیا میں حالت ہے تباہ
آپ لکھتے تھے جسے نورِ نظر جانِ پدر
آج اس کی تنگ حالی سے ہے دنیا بے خبر
جس کی ادنیٰ سی اذیّت آپ کو تھی ناگوار
آج اس بدبخت کا ناگفتنی ہے حالِ زار
جس کی راحت کے لئے صدمے اٹھائے آپ نے
جس کو سونے کے نوالے تک کھلائے آپ نے
آپ کے دل کی خلش تھی جس کے تلوے کی خراش
آج اس کا شیشۂ دل ہے غموں سے پاش پاش
آپ کو ہاں! آپ کو جس کی جدائی شاق تھی
آج وہ ہے اور پیہم ٹھوکریں پردیس کی
آپ کی لختِ جگر یعنی وہ میری بیوہ بہن
سی رہی ہے غم کے ہاتھوں آپ ہی اپنا کفن
آ پڑا ہے اس کے نازک دوش پر کنبہ کا بار
آپ کا مسرور ہے جور و مصیبت کا شکار
دیکھتے ہی دیکھتے سر پر مصیبت آ گئی
آپ کیا رخصت ہوئے ہم پر قیامت آ گئی
وہ مری ضدّی طبیعت، وہ مرا نازک مزاج
آپ کی وہ درگزر کرنے کی عادت ہائے! ہائے
وہ مرے ہنستے ہوئے چہرے پہ نظریں پیار کی
اور وہ دانستہ اخفائے محبت ہائے! ہائے

دوسروں کے سامنے میری ذہانت کا بیاں
اور میرے سامنے میری شکایت ہائے! ہائے
ایک جانِ ناتواں اور غم کی یورش حیف! حیف
ایک نازک دل پہ اور بارِ مصیبت ہائے! ہائے
اہلِ دولت ، صاحبانِ ذوق ، اربابِ کرم
ان کے الطاف و نوازش کی حقیقت ہائے! ہائے
ہر طرف غم کی فضا ہے دیس یا پردیس ہو
چھین لی ماہر سے دنیا نے مسرت ہائے! ہائے
آپ کا مسکن ہے جس جا آپ رہتے ہیں جہاں
کیا وہاں پر بھی ہے کوئی خطۂ ہندوستاں
کیا وہاں بھی کوڑیوں کے مول بکتا ہے کمال
کیا وہاں بھی ہو چکا ہے آدمیت کا زوال
کیا وہاں بھی ہے اسی صورت غلامی کو فروغ
کیا وہاں بھی کام کرتا ہے سیاست کا دروغ
کیا ہوا کرتا ہے واں بھی فرقہ وارانہ فساد
کیا وہاں کے لوگ کہتے ہیں! "غلامی زندہ باد"
کیا وہاں بھی سیم و زر کے سامنے جھکتے ہیں سر
کیا وہاں بھی آگ سے تنکے نہیں کرتے حذر
کیا وہاں فاقہ کشی کا نام ہے عیش و فراغ
جل رہا ہے کیا وہاں بھی اہلِ دولت کا چراغ
کیا لکھا کرتے ہیں واں تعویز میں "واتین" کو
کیا وہاں کے مولوی بھی بیچتے ہیں دین کو

کیا وہاں نیچی عباؤں پر ہے تقوے کا مدار
کیا وہاں بھی ڈاڑھیاں کرتی ہیں انساں کا شکار
جس طرح ممکن ہو اس گتھی کو سلجھا دیجئے
اس دلِ بے تاب کی تسکین فرما دیجئے

وہ راتیں یاد آتی ہیں

وہ راتیں جو کہ تھیں موضوع الفت کی کہانی کا
وہ راتیں جن پہ سایہ تھا نشاط و شادمانی کا
وہ راتیں جن پہ دھوکہ تھا حسینوں کی جوانی کا
وہ راتیں جن کو کہہ سکتے ہیں حاصل زندگانی کا
وہ راتیں یاد آتیں ہیں ' وہ راتیں یاد آتی ہیں

وہ راتیں جن کو میرے شوقِ بے حد نے ابھارا تھا
وہ راتیں جن میں ان کا جورِ پنہاں بھی گوارا تھا
وہ راتیں جن کے پیچ و خم میں امیدوں کا دھارا تھا
وہ راتیں جن کو ان کی مسکراہٹ نے سنوارا تھا
وہ راتیں یاد آتی ہیں' وہ راتیں یاد آتی ہیں

وہ کچھ بے تابیاں سی جلوہ گر' زلفِ پریشاں پر
کہ جو بھاری ہیں میری سیکڑوں شب ہائے ہجراں پر
نوازش ہائے بے پایاں مری دنیائے ویراں پر
وہ ان کا مسکرا کر جھومنا "صبحِ بہاراں" پر'
وہ راتیں یاد آتی ہیں ' وہ راتیں یاد آتی ہیں

ہوا پھولوں کو چھو کر آ رہی تھی مرغزاروں سے
وہ ان کی تابشِ عارض کا ٹکرانا ستاروں سے
وہ ان کا گنگنا کر کھیلنا پھولوں کے ہاروں سے
وہ میرے شعر پر تنقید فرمانا اشاروں سے
وہ راتیں یاد آتی ہیں ' وہ راتیں یاد آتی ہیں

ہوائیں سنسناتی تھیں، ستارے جگمگاتے تھے
وہ پیہم گنگناتے تھے، مسلسل مسکراتے تھے
وہ مجھ کو مست مست آنکھوں سے پیمانے پلاتے تھے
نگاہوں کو مری آدابِ مے نوشی سکھاتے تھے
وہ راتیں یاد آتی ہیں، وہ راتیں یاد آتی ہیں

رخصت ہوتے ہوئے

مقدّر کی شکایت کر رہے ہیں
وہ کس حسرت سے رخصت کر رہے ہیں
کبھی ہنس کر، کبھی آنسو بہا کر
وہ پیمانِ محبت کر رہے ہیں
تبسم، نغمہ، غمخواری، تسلی
عنایت پر عنایت کر رہے ہیں
وہ غم جس کی کوئی قیمت نہیں ہے
مرے دل کو ودیعت کر رہے ہیں

مشاہدہ

نظروں کے سامنے ہے اک شوخ ماہ پارا
میں لڑکھڑا رہا ہوں دینا کوئی سہارا
وہ اس کا میری جانب یکبارگی اشارا
رخ جس طرح بدل دے دریا کا تیز دھارا
اس جانِ گلستاں نے انگڑائی ناز سے لی
یا طاقِ میکدہ سے شیشہ کوئی اتارا
رنگیں لبوں پہ رقصاں ہلکی سی مسکراہٹ
جیسے شفق کی ضو میں اک کانپتا ستارا
اندازِ کم نگاہی، جلووں کی بے پناہی
بے تاب ہے تمنّا، سکتہ میں ہے نظارا
یہ حال، یہ قیامت، یہ نازیہ شرارت!
حل ہو گیا ہے جیسے شوخی میں گرم پارا
میں بسملِ سراپا در زعمِ باطلِ خود
وہ قاتلِ مجسم "بالاتفاق آرا"
یہ کس نے مسکرا کر نیچی نظر سے دیکھا
جنبش میں آ گیا ہے دل کا نظام سارا
اس مختصر نظر پر، یہ جان و دل نچھاور
اک کامیاب سودا، جس میں نہیں خسارا
ماہر یہی گھڑی ہے معراج زندگی کی
اتنے حسیں مناظر ملتے نہیں دوبارا

ایک اشتراکی دوست سے

مجھ میں اور تجھ میں بڑا فرق ہے اے جانِ عزیز
تو ہے لینن کا غلام اور میں محمدؐ کا غلام
میرے ماضی کی روایات ہیں اب تک زندہ
تیری تہذیب کا سورج ہے ابھی سے لبِ بام
عرش و کرسی کی فضاؤں سے تجھے کیا مطلب
تیرے افکار کا شاہیں ہے ابھی تک تہہِ دام
میری تہذیب سے روشن ہیں عرب اور عجم
تیری تہذیب کی دنیا ہے چراغِ سرِ شام
تجھ کو معلوم نہیں فطرتِ انساں کے رموز
تیرے ہاتھوں میں نہیں ابلقِ ہستی کی لگام
تجھ کو فطرت کے توازن کی خبر ہی نہ رہی
ہو گیا جب سے مساوات کا تجھ کو سرسام

کشاکش

وہ ذرہ جو تاروں سے ٹکرا رہا ہے
اجالے کا مرکز بنا جا رہا ہے
یہ بزمِ تصور میں کون آ رہا ہے
تخیّل نئی زندگی پا رہا ہے
محبت کا افسانہ اس دن سے اب تک
کہا جا رہا ہے، سنا جا رہا ہے

تصویر دیکھ کر

یہ نگاہِ حشر ساماں، یہ جوانی کی پھبن
ڈر رہا ہوں وقت سے پہلے قیامت آ نہ جائے
تیرے ہونٹوں کے تبسم نے اسے دہرا دیا
وہ فسانہ جو کہا جائے مگر سمجھا نہ جائے
تو نے کیوں تقویٰ شکن زلفوں کو برہم کر دیا
میکدوں پر پھر کہیں ساون کی بدلی چھا نہ جائے
دل کی خواہش ہے کہ ساری عمر دیکھا چاہیئے
عقل کہتی ہے تری تصویر کو دیکھا نہ جائے
تو ہی فرما دے کہ پھر مجبور انساں کیا کرے
زندگانی میں اگر جذبات سے کھیلا نہ جائے
بحرِ ہستی میں ہیں دھوکے کی چٹانیں زیرِ آب
تیری امیدوں کی کشتی بھی کہیں ٹکرا نہ جائے
مجھ کو آتا ہے ترس تیری جوانی دیکھ کر
تو بھی اس منزل میں میری طرح ٹھوکر کھا نہ جائے

دنیا

مورکھ اور بٹ مار ہے دنیا
جھوٹوں کا دربار ہے دنیا

ہار کو دنیا جیت کہے ہے
جواری کی سی ہار ہے دنیا

کون کسی کا غم کھاتا ہے
کہنے کو غم خوار ہے دنیا

لالچ سے من ہر لیتی ہے
مطلب کی ہشیار ہے دنیا

وقت پڑے تو کام نہ آئے
لکڑی کی تلوار ہے دنیا

پیتل سونا بن جاتی ہے
دھوکے کا بیوپار ہے دنیا

دل میں کپٹ اور میٹھی باتیں
کتنی دنیادار ہے دنیا

امیدوں کی عمر ہے کتنی!
دو دن کی پھلوار ہے دنیا

تو دنیا کو سمجھا کیا ہے
بابا! کس کی یار ہی دنیا

ذبحِ عظیم

اے کہ بخشا ہے تجھے اللہ نے قلبِ سلیم
سن کہ پھر کرتا ہوں شرحِ آیۂ ذبحِ عظیم
زندگی ہے راستہ میں حق کے مٹ جانے کا نام
ہے شہیدانِ وفا پر آتشِ دوزخ حرام
ملّتِ بیضا کی عظمت صرف قربانی میں ہے
لذّتِ آبِ بقا، تلوار کے پانی میں ہے
فطرتِ مسلم کو ہے ہر غیرِ حق سے دشمنی
پھول کی پتی ہو اس میں یا کہ ہیرے کی کنی
غیرِ حق کے سامنے مسلم کا سر جھکتا نہیں
یہ وہ طوفاں ہے پہاڑوں سے بھی جو رکتا نہیں
عظمتِ انسانیت حق کی رضا جوئی میں ہے
حق پرستی، حق شناسی اور حق گوئی میں ہے
دے نہ یوں اسلام کو لفظی فریبِ رنگ و بو
یہ گلستاں چاہتا ہے تیری شہ رگ کا لہو
تشنگی کو قطرۂ شبنم، بجھا سکتا نہیں
صرف اقرارِ زبانی کام آ سکتا نہیں
جانتا ہے بارگاہِ حق کے آئین و اصول
دل کے ٹکڑوں کی یہاں پر نذر ہوتی ہے قبول
عشق ہی کی ہے ضرورت حسن کی سرکار میں
یعنی ہے جنسِ وفا کی قدر اس بازار میں

سوزِ ابراہیمؑ کا جلتا ہے اس گھر میں چراغ
خونِ اسمٰعیلؑ ہی سے لہلہاتا ہے یہ باغ
طائف و بدر و احد کے معرکوں کے ساز پر
جھومتے ہیں اس فضائے قدس کے رنگیں شجر
بام و در پر جو نظر آتی ہیں یاں رنگینیاں
نورِ عینِ مصطفیٰؐ کے خون کی ہیں جھلکیاں
پھر رہا ہے اکبرؓ نوخیز کی سسکی کا ساز
پڑ رہا ہے نزع کے عالم میں بھی کوئی نماز
ابرِ نیساں ہے یہاں پر خونچکاں حبلِ ورید
بلبلیں گاتی ہیں یاں افسانۂ ٹیپو شہیدؒ
انورؒ غازی کے زخموں کے یہاں فانوس ہیں
یاں کے رہنے والے دردِ عشق سے مانوس ہیں
یاں کے پودوں میں نسیمِ آہ کرتی ہے حلول
اس جگہ زنداں کے آلام و مصائب کے ہیں پھول
ساکنانِ عرشِ اعلیٰ آ کے کرتے ہیں وضو
یاں کے فواروں سے جاری ہے شہیدوں کا لہو
عیدِ قرباں کے ترانے گائے جاتے ہیں یہاں
سرفروشانِ محبت لائے جاتے ہیں یہاں
آ کہ ہے بے تاب یہ رنگیں فضا تیرے لئے
منتظر ہے رحمتِ ربِّ علا تیرے لئے

افغانی نوجوان

آ رہا ہے وہ فرازِ کوہ سے گاتا ہوا
آتشیں نغموں سے دل کی آگ بھڑکاتا ہوا
کر رہا ہے "رائفل" سے عہد و پیمانِ ستیز
اپنی آبائی شجاعت کی قسم کھاتا ہوا
دل قوی، چہرے پہ شادابی، نگاہیں مطمئن
جا رہا ہے حریّت کا نور برساتا ہوا
چل رہا ہے پتھروں کے راستہ پر تیز تیز
ہر نفس میں ایک تازہ زندگی پاتا ہوا
گا رہا ہے کس مزے کے ساتھ آزادی کے گیت
گرد افشاں کاکلوں کے پیچ سلجھاتا ہوا
پتھروں کو ٹھوکروں سے کر رہا ہے پائمال
ہر قدم پر سینۂ دشمن کو دھڑکاتا ہوا
ڈالتا ہے برگ و گل پر کس قیامت کی نگاہ
زندگی کی اک نئی تفسیر فرماتا ہوا
ملگجی ٹوپی، پھٹے جوتے، گریباں تار تار
چل رہا ہے پھر بھی اک دنیا کو ٹھکراتا ہوا
قبلہ رو ہو کر کھڑا وہ ہو گیا بہرِ نماز
عظمتِ اسلام کی تاریخ دہراتا ہوا

جذب و یقین

تدبیر کے دامن میں ہے تقدیر کا مقصود
کرتا ہے عمل دہر میں ناپید کو موجود
آزاد بھی ہو جائے تو آزاد نہ ہو گا
ہے خاکِ وطن جس کی تمناؤں کا معبود
جب تک کہ براہیمؑ کی فطرت نہ ہو پیدا
وجدان بھی آذر ہے، تخیل بھی ہے نمرود
توحید کا پیغام نہ ہندی نہ عراقی
اسلام کے نقشہ میں نہ قندھار نہ جمرود
پیپل کے پجاری سے یہ امید نہیں ہے
کر دے جو غلامی کے کسی نقش کو نابود
ایمان کے سایہ میں خطائیں بھی ہیں مقبول
بے جذب و یقیں نیکیٔ اعمال بھی مردود
غازی کے لئے ننگ ہے آرام کی روزی
شاہیں کی غذا سیب نہ انگور نہ امرود

قسم

اس شگفتہ مسکراہٹ کی قسم
گلستانوں کی سجاوٹ کی قسم
چھڑ گئے دل میں تمناؤں کے ساز
آپ کے پیروں کی آہٹ کی قسم
ان کے ہنستے ہی اجالا ہو گیا
قمقموں کی جگمگاہٹ کی قسم
آج تک وہ نغمہ ہے فردوسِ گوش
ساریوں کی سرسراہٹ کی قسم
دل کی دھڑکن گیت بن کر رہ گئی
آپ کی اس گنگناہٹ کی قسم
آج تک باقی ہے اُس دن کا خمار
مست آنکھوں کی لگاوٹ کی قسم
کر دیا نظروں کو آوارہ مزاج
ان کے گیسو کی بناوٹ کی قسم
ان کی دز دیدہ نگاہوں کی قسم
عشق کی پیچیدہ راہوں کی قسم
عاشقی اپنی جگہ خود ہے گناہ
اپنے ناکردہ گناہوں کی قسم
عشق ہے مجموعۂ دنیا و دین
میکدوں کی خانقاہوں کی قسم
آپ جن کو بخشتے ہیں زینتیں
ان مقدس بارگاہوں کی قسم
ان کی مستانہ اداؤں کی قسم
حسن کی رنگیں فضاؤں کی قسم
چھو کے آتی ہیں جو ان کے جسم کو
کھا رہا ہوں ان ہواؤں کی قسم
پھر ذرا چہرے پہ زلفیں چھوڑ دو
تم کو ساون کی گھٹاؤں کی قسم

بدگمانی

ہم نشیں! اہلِ جہاں کی تنگ دامانی نہ پوچھ
وہم زائیدہ جنوں کی فتنہ سامانی نہ پوچھ
کھو چکا ہے عظمتِ تقدیس انساں کا ضمیر
ڈھل چکا ہے وہم کے سانچے میں فطرت کا خمیر
خود تراشیدہ خیالوں پر یقیں کا ہے مدار
آدمی کا ہے تخیل بدگمانی کا شکار
بن چکے ہیں وہم کے اڈے جہاں کے دشت و کوہ
آدمی کو آدمی کے حال کی رہتی ہے ٹوہ
کھا رہے ہیں اہلِ دانش بدگمانی کا فریب
چھٹ چکا ہے ہاتھ سے فطرت کے دامانِ شکیب
اک ذرا سی بات کو افسانہ کر دیتے ہیں لوگ
لگ چکا ہے بدگمانی کا دلِ انساں کو روگ
ہو رہی ہے وہم کے اجزا سے تعمیرِ خیال
ساغروں میں گھل رہا ہے بدگمانی کا گلال
اس جہاں میں وہم کی پرچھائیوں کا راج ہے
بدگمانی کا عمل، رسوائیوں کا راج ہے
اس جہاں میں پھول کی پتی کو چھو لینا گناہ
حسن کے موضوع پر اشعار کہہ دینا گناہ
اوس کی بوندوں سے دامن کو بھگو لینا گناہ
آبشاروں کے کنارے ہاتھ دھو لینا گناہ

چاندنی راتوں سے لذت یاب ہونا بھی گناہ
اک ذرا سی دیر کو بے تاب ہونا بھی گناہ
محفلِ شعر و ادب میں بار پانا بھی گناہ
شعر پڑھنا جرم اور کچھ گنگنانا بھی گناہ
آسماں کے چاند تاروں کا نظارا بھی گناہ
پھول کی معصوم ڈالی کا سہارا بھی گناہ
انتہا یہ ہے کہ احساسِ مسرت بھی گناہ
مختصر یہ ہے کہ پاکیزہ محبت بھی گناہ
اس جہاں میں شعر گو بھی کس قدر ہے بدنصیب
لوگ شاعر کے تصور کو سمجھتے ہیں رقیب
فکرِ شاعر کو کوئی دلکش کھلونا چاہیے
شعر کے ماحول کو رنگین ہونا چاہیے
رنگ و بو کے گلستان میں شعر پاتا ہے فروغ
کاش اس پر غور کرتا بدگمانی کا دروغ
دل کی دھڑکن شعر میں جب تک کہ ہو جائے نہ بند
مطمئن ہوتی نہیں شاعر کی فکرِ دردمند
ہے محرّک کی ضرورت دل کی دھڑکن کے لئے
چاہئے مہمیز اس چالاک توسن کے لئے
لوگ شاعر کو سمجھتے ہیں امامِ خانقاہ
عام منظر پر نہیں آتا کبھی جس کا گناہ
لوگ شاعر کو سمجھتے ہیں فرشتہ کی مثال
ایک مرکز سے نہیں ہٹتا کبھی جس کا خیال

اس جہاں میں زندگی کا نام ہے آوارگی
ہے دماغوں پر مسلط زہد کی بے چارگی
فطرتِ شاعر پہ اور پابندیاں فریاد ہے
یہ زمانہ کس قدر نافہم اور جلّاد ہے

حسن

حسن ہے سارا جہاں ذوقِ تماشا کی قسم
زلفِ لیلیٰ کی قسم عارضِ سلمیٰ کی قسم

ظلمتِ شام نہیں، صبح کے غلطاں ہیں شرار
عرفِ عشّاق میں خالِ رخِ عذرا کی قسم

پتی پتی ہے زباں حسن کے افسانے کی
لبِ سوسن کی قسم، قلقلِ مینا کی قسم

شاہدِ حسن کی اک موجِ تبسم ہے سحر
چاند سورج کی قسم، عقدِ ثریّا کی قسم

غور سے دیکھ کہ دریا کی تہوں میں بھی ہے حسن
لوح و کرسی کی قسم، عرشِ معلّی کی قسم

حسن ہر رنگ میں اک شان نئی رکھتا ہے
شامِ فرقت کی قسم، صبحِ تمنّا کی قسم

عظمتِ حسن کی اک شان ہے رسوائی بھی
چاکِ یوسف کی قسم دستِ زلیخا کی قسم

حسن جس جا بھی رہا فاتح و منصور رہا
مرگِ راون کی قسم، عصمتِ سیتا کی قسم

بخششِ حسن پہ ہے دار و مدارِ کونین
بابِ فردوس کے عنوانِ مطلا کی قسم

چشمِ ماہر کو بھی اب حسنِ بصیرت سے نواز
حسن والے تجھے اپنے رخِ زیبا کی قسم

مشرقی خاتون

زینتِ ایوانِ مشرق، اے بہارِ ایشیا
اے مکمل حسنِ عصمت، پیکرِ مہر و وفا
اے مجسم ناز حسنِ غیرتِ معصوم کے
نیچی نظروں پر حیا کی چادریں ڈالے ہوئے
تیری طینت ہے وفا، تیری محبت ہے غیور
اے سراپا سادگی، اے جنتِ مشرق کی حور
تیری پیشانی پہ آتا ہے جو غیرت سے عرق
دیکھ! بن جاتا ہے اک تاریخِ ہستی کا ورق
افتخارِ ملک! وجہِ عزتِ مشرق ہے تو
دوڑتا ہے تیری رگ رگ میں شرافت کا لہو
اے مکمل آدمیّت، خلدِ ہستی کی بہار
صنفِ نازک کا تری ہستی سے قائم ہے وقار
اہلِ دل کو کیوں نہ ہو، تیری محبت کا یقیں
شائبہ جس میں بناوٹ کا نظر آتا نہیں
آدمیت کے خزانے تیرے ہاتھوں کے نثار
چھوٹ سکتا ہی نہیں جن سے کہ دامانِ وقار
تو نے سیکھی ہی نہیں ہیں انجمن آرائیاں
جانِ عصمت، شانِ عفت ہیں تری تنہائیاں
ہے تری تہذیب میں حسنِ قدامت کی چمک
دیکھتا ہوں تیرے مستقبل میں ماضی کی جھلک

دیکھ! شعلہ مغربی تہذیبِ غیرت سوز کا
وہ تری جانب بڑھا لِلّٰہ! دامن کو بچا
اس قدر واضح حماقت! بھول وہ بھی ایسی بھول
آہ! دنیا نے سمجھ رکھا ہے انگاروں کو پھول
اس غلط فہمی کا ہو جائے ازالہ جلد کاش
ہو رہی ہے ریت کے تودوں میں پانی کی تلاش
دیکھ! لغزش میں نہ آ جائے ترا پائے ثبات
ہے نظر مشرق کی تیری سمت اے اُمّ البنات!

وارداتِ شب

ایک اک ذرہ تھا رشکِ صد سحر، کل رات کو
تھا مسلسل نور تاحدِ نظر، کل رات کو
جنبشِ انفاس پر تھا لرزشِ مے کا گماں
ہر ہوا کی موج تھی صہبا اثر، کل رات کو
چاندنی کی چھاؤں میں ذروں کی وہ انگڑائیاں
ہو رہا تھا خاک پر رقصِ شرر، کل رات کو
آ گئی تھی جوش پر رفتارِ نبضِ کائنات
کر رہی تھی زندگی اپنا اثر، کل رات کو
اللہ اللہ! ذرہ ہائے خاک کی تابندگی
ہر طرف تھے منتشر لعل و گہر، کل رات کو
جل رہی تھی ساری دنیا آتشِ انوار سے
دیدنی تھا میری آہوں کا اثر، کل رات کو
بڑھ گیا تھا اس قدر احساس لطفِ زیست کا
مٹ گیا تھا امتیازِ خیر و شر، کل رات کو
مستیوں میں غرق تھا سلمائے گیتی کا شباب
مثلِ میکش جھومتے تھے بام و در، کل رات کو
دن کا ڈھلنا تھا کہ غنچوں کو تبسم آ گیا
شام ہی سے تھا عیاں جوشِ سحر، کل رات کو
موجِ سطحِ خاک سے پہنچی فضائے عرش میں
ڈوب کر ابھری کہاں میری نظر، کل رات کو

یہ نوازش حسن کی تھی گلستاں تو گلستاں
گر رہی تھیں بجلیاں ہر دشت پر، کل رات کو
جس طرف دیکھو تجلّی، جس طرف جاؤ بہار
حاصلِ صد زیست تھا ذوقِ نظر، کل رات کو
عمر بھر کے واسطے کافی تھا یہ لطفِ نظر
جانِ ماہر تو بھی آ جاتا اگر، کل رات کو

مسلمانانِ سرحد اور "اہمسا"

اس کو کہتے ہیں "اہمسا" مکر کی تہذیب میں
شیر کو بکری بنا سکتا ہے جو سحرِ حلال
روحِ ملّت قتل ہوتی ہے وطن کے نام پر
کفر کی جھوٹی رواداری نے پھیلایا ہے جال
دے رہے ہیں فطرتِ طوفاں کو حد بندی کا درس
ڈھل رہا ہے ضبط کے سانچے میں افغانی جلال
جس جبیں پر خون کی سرخی سے آتی ہے بہار
اس جبیں پر مَل رہے ہیں لوگ ہولی کا گُلال
ہے یہی مفہوم شاید آرین تہذیب کا
تیغ رخصت ہو کے رہ جائے فقط ہاتھوں میں ڈھال
جس میں اسلامی اخوت کا نہ ہو عنصر شریک
وہ سیاست کفر، وہ تہذیب کیا ہے؟ اک وبال
فاتحِ کون و مکاں ہے جذبۂ عشقِ رسولؐ
کچھ نہیں ہوتا یہاں بے گرمئ سوزِ بلالؓ

عقیدت کے آنسو

اک پیکرِ تسلیم حسین ابنِ علی ہے
"الحمد" لبوں پر ہے تو آنکھوں میں نمی ہے
ہم شکلِ رسولِؐ عربی ہیں، علی اکبرؓ
صورت بھی اسی طرح کی سج دھج بھی وہی ہے
عبّاسؓ نے فرمایا کہ پیاسی ہے سکینہؓ
دریا سے ذرا ہٹ کے جو تلوار چلی ہے
بانوؓ نے کہا چوم کے معصوم لبوں کو
سچ مچ مرا اصغرؓ تو بنفشہ کی کلی ہے
حر چوم کے دستِ شہ ذیجاہ یہ بولے
جنت ترے قدموں کے تصدّق میں ملی ہے
اسلام کو ہے ناز شہیدوں کے لہو پر
کھیتی اسی پانی سے یہ سیراب ہوئی ہے
پیاسا ہے کئی دن سے محمدؐ کا گھرانا
اور نہر پہ اشرار کی اک بھیڑ لگی ہے
ہے ابنِ علیؓ تیغ بکف معرکہ آرا
سچائی کی تاریخ ورق اُلٹ رہی ہے
تم رتبۂ ماہر سے خبردار نہیں ہو
رِمن جملۂ خدّامِ رسولِ عربی ہے

پنگھٹ کی صبح

ٹھنڈی ہوا، خموش فضا بھاپ کا دھواں
جاڑے کی رت بہار کے دن صبح کا سماں
لہروں پر تیرتی ہے حبابوں کی کہکشاں
موجوں سے کھیلتی ہیں درختوں کی ڈالیاں
آئی ہوا تو اوس کے موتی ڈھلک گئے
سرسبز پتیوں کے پیالے چھلک گئے

آئی کرن نگاہ کے پر تولتی ہوئی
کہرے کی ہر لطیف گرہ کھولتی ہوئی
شبنم کے تاب ناک گہر رولتی ہوئی
پانی میں روشنی کی شکر گھولتی ہوئی
موجوں کی بے قرار جبینیں چمک گئیں
وہ جوشِ کیف ہے کہ ہوائیں بہک گئیں

اشنان کرنے آئی ہے لڑکی کسان کی
کاندھے پہ ایک ملگجی دھوتی پڑی ہوئی
ندّی کے پاس جا کے جو انگڑائی اس نے لی
ملاح کے بھی ہاتھ سے پتوار چھٹ گئی
موجوں نے بڑھ کے اس کو گلے سے لگا لیا
شاعر نے بھی نگاہ کو اپنی جھکا لیا

پنگھٹ کی شام

پیڑوں کی چھاؤں ریت کے ذرّے شفق کی ضو
ساحل کو چومتی ہوئیں موجیں بہ طرزِ نو
خورشید کے چراغ کی بجھتی ہوئی سی لو
بربط سا چھیڑتی ہوئی ندّی کی تیز رو
موجوں کے جزر و مد میں عجب اہتمام ہے
فردوس کی سحر ہے کہ پنگھٹ کی شام ہے

پھیلی ہوئیں جھکے ہوئے پیڑوں کی ڈالیاں
دریا کی سطح بن گئی سایہ کا آسماں
جاتا نہیں ہے ایک بھی نظّارہ رائیگاں
گاؤں سے آ رہی ہیں کسانوں کی لڑکیاں
مٹی کی گاگروں کو سروں پر لئے ہوئے
مستی کی تیز تیز شرابیں پئے ہوئے

چڑھتا ہوا شباب مکمل جوانیاں
موضوعِ حسن و عشق مجسّم کہانیاں
تہذیبِ عہدِ رفتہ کی زندہ نشانیاں
کھیتوں کی شاہزادیاں گاؤں کی رانیاں
آتے ہی ان کے منظرِ ساحل بدل گیا
ماحول حسن و کیف کے سانچے میں ڈھل گیا

جدید ہندوستان

خوشا نصیب! کہ آزاد ہے وہ پیشانی
جو آستانۂ اغیار پہ تھی محوِ سجود
وہ دن گئے کہ اندھیرے کی راجدھانی تھی
نظر نواز ہے اب حسنِ شاہدِ مقصود
وہ زندگی کہ جو تھی طائرِ قفس کی طرح
وہ زندگی ہے برنگِ فضائے نامحدود
شرار برق ہے اس آشیاں کا ہر تنکا
وہ آشیاں کہ جو تھا رہنِ آتشِ بے دود
جبینِ ہند سے پھوٹی ہے زندگی کی کرن
کہ جیسے شب کے دھندلکے میں ہو سحر کی نمود
زجوشِ گرمیٔ خوں، سینۂ فضا تفتید
بہ سقفِ مشرقِ نو، آفتابِ نو رخشید
الٹ ہی جائے گی اک دن تونگری کی بساط
ہوئی ہے خواب سے بیدار فطرتِ مزدور
وہ جلوہ رونقِ بزمِ خیال ہے پھر آج
کہ جو قریب ہے دل سے، مگر نظر سے دور
فرازِ دار ہے گویا کہ سیج پھولوں کی
پلا رہا ہے کوئی جامِ بادۂ منصور
یہ کس کی جرأتِ بے باک ہے نقاب کشا
کہ ظلمتوں کے افق سے ہے طلعتوں کا ظہور

ہے اس فضا کی طرف کاروانِ شوق کا رخ
جہاں نہ عظمتِ قیصر نہ سطوتِ فغفور
ندا یہ آئی کہ ذلّت قبول ہے یا موت
کہا گیا یہ تڑپ کر کہ موت ہے منظور
نوید! خاک نشینوں کی آرزوؤں کو
کہ ٹوٹنے ہی کو ہے اب طلسمِ کبرو غرور
جو ایک آگ لگا دے گی سرد سینوں میں
جھلک رہی ہے وہ مے دل کے آبگینوں میں
یہ جبر وظلم کی قوت کا لمحۂ آخر
شعاعِ مہر کی زد میں ہو جس طرح شبنم
جگر پہ نوکِ ہے نشتر کی اور لبوں پہ ہنسی
سیاسیات کے یہ پُر فریب پیچ و خم
قدم قدم پہ محبت کا واسطہ دینا
یہ بات بات پہ کہنا تمہارے سر کی قسم
تسلیوں کی نمایش یہ کھوکھلے وعدے
یہ جورِ خاص کا انداز یہ فریبِ کرم
سکت رہی نہ دلوں میں نیاز مندی کی
یہ بزمِ ناز ہوا چاہتی ہے اب برہم
زبانِ شعر میں جس کو شباب کہتے ہیں
یہ دور وہ ہے جسے انقلاب کہتے ہیں
یہ دے رہا ہے ہوا کون اپنے دامن کو
کہ شمعِ بزمِ ستم جھلملائی جاتی ہے

نئے خیال، نئی زندگی، نئے ساماں
جدید طرز کی بستی بسائی جاتی ہے
وہ حریت جسے قوموں کی زندگی کہئے
یقین بن کے دلوں میں سمائی جاتی ہے
ہوا ہے اپنی تباہی کا ہند کو احساس
مفاد غیر کی بنیاد ڈھائی جاتی ہے
اجل کے نام سے دیوانے مسکراتے ہیں
نہ جانے! کونسی دنیا دکھائی جاتی ہے
نسیمِ صبحِ تمنا جو گدگداتی ہے
کلی کلی چمنِ دل کی مسکراتی ہے
نہ چل سکیں گے کسی طرح اب گلستاں پر
فریبِ فطرتِ گلچیں، سیاستِ صیّاد
وہ جوشِ حبِّ وطن موجزن ہے سینوں میں
کہ جس کی ایک ہی چٹکی میں موم ہو فولاد
سنو سنو کہ خودی کی بلند چوٹی سے
سنا رہا ہے کوئی نغمۂ مبارکباد
فضا میں گونج رہا ہے پیام آزادی
ہر ایک دل سے یہ کہتی ہے فطرتِ آزاد
"بیا! کہ قاعدۂ آسماں بگر دانیم
فضا بگردشِ رطل گراں بگردانیم"

غالب

کیف و نشاط

برسات کا آ گیا مہینہ لانا مرا سرخ آبگینہ
موجوں کی کوئی خطا نہیں ہے خود میں نے ڈبو دیا سفینہ

یہ کس نے نقابِ رخ الٹ دی
کلیوں کو بھی آ گیا پسینہ

مشاہدہ

پھر بزمِ جہاں زیر و زبر دیکھ رہا ہوں
تہذیب کی کوشش کا اثر دیکھ رہا ہوں!
اخلاق کا جلتا ہوا گھر دیکھ رہا ہوں
دیکھا نہیں جاتا ہے مگر دیکھ رہا ہوں
کردار کی کھیتی کو ہے پانی کی ضرورت
افسردگیٔ برگ و ثمر دیکھ رہا ہوں
اسٹالن و ہٹلر پہ زمانہ کی نظر ہے
میں مردِ مسلماں کی نظر دیکھ رہا ہوں

عہدِ رفتہ کی یاد میں

گاؤں کے وہ لہلہاتے سبزہ زار
خوشنما طائر قطار اندر قطار
نالیاں کھیتوں کی مثلِ آبشار
ہر طرف سرسوں کے پھولوں کی بہار
زندگانی کا فسانہ یاد ہے
مجھ کو اب بھی وہ زمانہ یاد ہے

اوس میں بھیگی ہوئی پتوں کی گرد
طائروں کے چہچہوں میں سوز و درد
بِن کھلی کلیوں کی رنگت زرد زرد
وہ فضائیں ، وہ ہوائیں سرد، سرد
زندگانی کا فسانہ یاد ہے
مجھ کو اب بھی وہ زمانہ یاد ہے

وہ کسانوں کی امیدوں کے کنول
جن کو کہتا ہے زمانہ پھول پھل
ہر طرف سبزے ہی سبزے کا عمل
ہو گیا تھا آسماں مٹی میں حل
زندگانی کا فسانہ یاد ہے
مجھ کو اب بھی وہ زمانہ یاد ہے

جامنوں کے پیڑ، ساون کی گھٹا
کویلوں کی کوک اور ٹھنڈی ہوا

کیف زا ماحول، مستانہ فضا
آم کھانے اور کھلانے کا مزا
زندگانی کا فسانہ یاد ہے
مجھ کو اب بھی وہ زمانہ یاد ہے

چاندنی شب میں کبڈی کے مزے
شوخیاں، خوش فعلیاں اور قہقہے
وہ مرے والد کا کہنا دور سے
کیا یہاں بچو! "مرا منظور ہے"
زندگانی کا فسانہ یاد ہے
مجھ کو اب بھی وہ زمانہ یاد ہے

ریل کی پٹڑی پہ چلنا دوڑ کر
چوٹ لگنے کی کوئی پروا نہ ڈر
کنکروں کے فرش پر پیہم سفر
آج تک نظروں میں ہے وہ رہگذر
زندگی کا فسانہ یاد ہے
مجھ کو اب بھی وہ زمانہ یاد ہے

گاؤں کی چنچل کنواری لڑکیاں
جن کے ہونٹوں کی نچھاور بجلیاں
کس قدر مسرور کتنی شادماں
ساگ سے لبریز جن کی جھولیاں
زندگانی کا فسانہ یاد ہے
مجھ کو اب بھی وہ زمانہ یاد ہے

ٹول کے رنگین دوپٹے ہائے ہائے
بگڑے کھدر کے کرتے ہائے! ہائے
دودھ سی چاندی کے جھمکے ہائے! ہائے
پاؤں میں پیتل کے بچھوے ہائے! ہائے
زندگانی کا فسانہ یاد ہے
مجھ کو اب بھی وہ زمانہ یاد ہے

جھاڑیوں سے وہ طلوعِ آفتاب
ٹوٹتا ہے جیسے دلہن کا حجاب
بج رہا تھا خود ہی پتوں کا رباب
سامعہ مسرور، نظریں کامیاب
زندگانی کا فسانہ یاد ہے
مجھ کو اب بھی وہ زمانہ یاد ہے

چاندنی راتوں میں ریتیلی زمیں
نقرئی گرداب، موجِ مرمریں
"اس" کا فرمانا بہ نازِ شرمگیں
خوبصورت تم بھی ہو میں بھی حسیں
زندگانی کا فسانہ یاد ہے
مجھ کو اب بھی وہ زمانہ یاد ہے

وہ لڑکپن وہ جوانی ہائے! ہائے
وہ خوشی وہ شادمانی ہائے! ہائے
وہ نشاطِ زندگانی! ہائے! ہائے
عہدِ رفتہ کی کہانی ہائے! ہائے

زندگانی کا فسانہ یاد ہے
مجھ کو اب بھی وہ زمانہ یاد ہے

دو شعر

تمام عمر گزاری تمہارے وعدے پر
اسی فریب نے مجبورِ انتظار کیا

دلِ حزیں! تری سب زہد کوشیاں معلوم!
جو کوئی بس نہ چلا صبر اختیار کیا

فکر و عمل

جب تیرا اختیار ہے پابند غیر کا
قبضہ میں تیرے ملکِ سلیماں ہوا تو کیا
جب تک کہ آندھیوں سے بغاوت کرے نہ تو
امید کا چراغ فروزاں ہوا تو کیا
جب تک ترا ضمیر نہ ہو واقفِ جنوں
پھولوں کی طرح چاک گریباں ہوا تو کیا
توبہ ہے نام دہر میں ترکِ گناہ کا
تو دل ہی دل میں اپنے پشیماں ہوا تو کیا
دل میں ترے امنگ ہی باقی نہیں رہی
تجھ پر طلوعِ صبحِ بہاراں ہوا تو کیا
"لبیک" کہہ رہا ہے تو آوازِ کفر پر
کہنے کو تیرا نام مسلماں ہوا تو کیا
شاہیں کے بازوؤں کی حرارت ہے اور چیز
زاغ و زغن کی طرح پہ افشاں ہوا تو کیا
جب تک کہ تیرے دل میں نہ ہو درد
ماہر بھی کارواں میں حدی خواں ہوا تو کیا

چل دیئے

چشمِ نم پر مسکرا کر چل دیئے
آگ پانی میں لگا کر چل دیئے

ساری محفل لڑکھڑاتی رہ گئی
مست آنکھوں سے پلا کر چل دیئے

گردِ منزل آج تک ہے بے قرار
اک قیامت سی اٹھا کر چل دیئے

میری امیدوں کی دنیا ہل گئی
ناز سے دامن بچا کر چل دیئے

مختلف انداز سے دیکھا کئے
سب کی نظریں آزما کر چل دیئے

گلستاں میں آپ آئے بھی تو کیا
چند کلیوں کو ہنسا کر چل دیئے

وجد میں آ کر ہوائیں رہ گئیں
زیرِ لب کچھ گنگنا کر چل دیئے

وہ فضا وہ چودھویں کی چاندنی
حسن کی شبنم گرا کر چل دیئے

وہ تبسم وہ ادائیں وہ نگاہ
سب کو دیوانہ بنا کر چل دیئے

کچھ خبر ان کی بھی ہے ماہر تمہیں
آپ تو غزلیں سنا کر چل دیئے

فریبِ یقیں

بایں شعور و تدبر جہاں پہ طاری ہے
جمودِ بے بصری یا سکوتِ بے خبری
ہے اشتباہ کے سایہ میں یوں یقیں کی نمود
گھٹا میں جیسے طلوعِ سپیدۂ سحری
ہزار حیف کہ دیوانگی کی باتوں کو
سمجھ رہا ہے زمانہ حقائقِ نظری
ہے کائناتِ زمانہ وہ جہل کا شیشہ
یقیں کی جس میں اتاری گئی ہے سبز پری
گمان و وہم کے تیشے اگر سلامت ہیں
حباب سے بھی ہے کمتر یقیں کی شیشہ گری
شہود و علم کی کم مائگی خدا کی پناہ
کھنڈر پہ ثبت ہو جس طرح کتبۂ حجری
سمجھ سکا نہ کوئی اک حقیر ذرہ کو
اور اس پہ دعویٔ ادراکِ ہیئتِ قمری
تلاش کی تھی زمرد کی، خاک بھی نہ ملی
نہ پوچھ دہر میں شاخِ عمل کی بے ثمری
وہ چند اوس کی بوندیں جو مل گئی ہیں بہم
نگاہ ان کو سمجھتی ہے غنچۂ سحری
وہ بھید جس کو نہ سمجھے غزالی و رومی
مری مجال کہ میں کر سکوں گا پردہ دری

سرودِ مستانہ

گھٹا چھائی ہے ہر موجِ ہوا گلبار ہے ساقی
اٹھا ساغر کہ دنیا ہوش سے بیزار ہے ساقی
مجھے اس آتشِ سیّال کا ساغر عنایت ہو
کہ جس میں امتزاجِ گرمئ رخسار ہے ساقی
چھلکتے جام میں تیری نظر ہی کچھ نہیں شامل
مرا ذوقِ فراواں بھی، شریکِ کار ہے ساقی
مرے ہوش و خرد کا میکدے میں وزن ہی کیا ہے
جو تو چاہے تو اک گردش میں بیڑا پار ہے ساقی
ذرا گیسو کو جنبش دے کہ گہرا ابر چھا جائے
دھواں سا کچھ گھٹاؤں کا پسِ کہسار ہے ساقی
پلا ساغر، اٹھا بربط کہ ہر شے مست ہو جائے
زمانہ زنگ خوردہ تیغ کی جھنکار ہے ساقی
مجھے کچھ کد نہیں ہے زہد سے لیکن یہ صورت ہے
کہ زاہد سخت دنیا دار، دل آزار ہے ساقی
مجھے بے خود بنا دے، غرق کر دے، مست فرما دے
کہ ہستی صرف وہم و ہوش کا پندار ہے ساقی
زمانہ کو ضرورت ہی نہیں ہے چاند سورج کی
جہاں میں اب فروغِ بادۂ گلنار ہے ساقی
مرے پندار کی شہ رگ سے خوں کا بہہ گیا دریا
یہ موجِ مے ہے یا چلتی ہوئی تلوار ہے ساقی

مٹا دے ہاں مٹا دے کفر و ایماں کی یہ تفریقیں
زمانہ پھر اسیرِ سبحہ و زنّار ہے ساقی
ابھی تو مست نظروں کو ہی کچھ ہلکی سی جنبش ہے
ابھی تو صرف دنیا بے پئے سرشار ہے ساقی
شرابِ ناب کی موجیں بھی شرمائی سی جاتی ہیں
تری رفتار ساقی، پھر تری رفتار ہے ساقی
ابھی تک نقش دنیا میں خودی کے پائے جاتے ہیں
ابھی ہوش و خرد کا ولولہ بیدار ہے ساقی
مری آنکھوں کے ڈوروں ہی سے سب کچھ تاڑ لیتا ہے
یہ ظالم محتسب بھی کس قدر ہشیار ہے ساقی
ہے تیرے ہاتھ میں اس وقت ساقی زندگی میری
کہ دورِ جام میری نبض کی رفتار ہے ساقی
مرا دل اس ترے رنگین شیشہ سے بھی نازک ہے
چٹک نو خیز کلیوں کی بھی جس پر بار ہے ساقی
مری حالت سے اندازہ لگا میری تمنا کا
کہ میرا دردِ دل ناقابلِ اظہار ہے ساقی
کھنک ساغر کی سن کر کان یہ محسوس کرتے ہیں
کسی نوخیز کے پازیب کی جھنکار ہے ساقی
شکستِ توبہ گرچہ معصیت سے بھی زیادہ ہے
مگر مجبور ہے ماہر، ترا اصرار ہے ساقی

تہذیب و سیاست

نازک ورقِ گل سے ہیں سائنس کے آلات
سائنس کے قبضہ میں جمادات ' بناتات

کیا بات ہے اک دل کو بھی روشن نہیں کرتے
سائنس کی تہذیب کے افکار و مقالات

سائنس کے فتنوں سے ہے عالم میں تلاطم
آمادۂ فریاد ہے خاموشیٔ ذرات

اللہ رے !سائنس کی دانش کے شگوفے
شرمندہ ہیں چنگیز و ہلاکو کی روایات

اس آنکھ سے پوچھو کہ جو تہذیب نگر ہے
اٹھتے ہیں حجابات کہ گرتے ہیں حجابات

کیوں عظمتِ مغرب پہ ہے سکرات کا عالم
سنتے تھے کہ یورپ کی ہے چٹکی میں کرامات

ہے اس بتِ کافر کی نگاہوں کا کرشمہ
اندلس کی ہو شورش کہ فلسطین کے حالات

مغرب کو روا ہر نئے آشوب کی تخلیق
مشرق کے لئے جرم تمدن کی روایات

ہر بات میں اک پیچ، ہر اقدام میں الجھاؤ
گویا کہ مقرر ہیں سیاست کے اشارات

ہے نام اس آئین کا جمہور کا آئین
مقبول نہیں جس میں غلاموں کی شکایات

اس دل سے یہ بہتر ہے کہ سینہ میں ہو پتھر
جس دل کی ہو معراج فرنگی کی ملاقات

واردات

ہر طرف چھائی ہوئی تھیں مستیاں میرے لئے
رک گئی تھی گردشِ کون و مکاں میرے لئے

انگلیوں پر دھاریاں مہندی کی، لب رشکِ گلاب
اس نے جی بھر کر لٹا دیں سرخیاں میرے لئے

پہلے پہلے وہ تکلف وہ جھجک وہ رکھ رکھاؤ
رفتہ رفتہ انجمن آرائیاں میرے لئے

ان حیات آمیز رخساروں میں سرخی کی جھلک
وہ تبسم، وہ بہارِ بے خزاں میرے لئے

وہ تکلم جس پہ الفاظ و معانی کو ہے ناز
وہ مسلسل زحمتِ شرح و بیاں میرے لئے

وہ ترنّم جو ربابِ زندگی کو چھیڑ دے
اک سراپا حسن و مستی گلفشاں میرے لئے

میری "گھبراہٹ" کی وہ نقلیں بہ اندازِ لطیف
شوخیاں میرے لئے، دلچسپیاں میرے لئے

احتیاط و ضبط کے ہاتھوں میں دامن شوق کا
وہ ذرا رکتی ہوئیں انگڑائیاں میرے لئے

وہ سراپا دعوتِ مستی، تقاضائے نشاط!
مستیاں میرے لئے رعنائیاں میرے لئے

اس کا وہ اصرار تم "اس بات" کا وعدہ کرو
کشمکش اور سخت نازک امتحاں میرے لئے

وہ جدائی کی گھڑی وہ رخصتی گفت و شنید
وہ مسلسل اشک آنکھوں سے رواں میرے لئے

ہچکیوں کے چند جھٹکوں میں وہ کہنا "الوداع"
چشمِ گوہر بار میں اک داستاں میرے لئے

اے محبت کے خدا فریاد ہے فریاد ہے
زندگی میں اس قدر مجبوریاں میرے لئے

بہار

ہر سمت حسنِ شاہدِ قدرت ہے آشکار
شادابیوں کا جوش یہ رنگینیٔ بہار
یوں جھومتا ہے سبزۂ خوابیدہ بار بار
جیسے کسی حسین کی آنکھوں میں ہو خمار
رشکِ عروسِ نو ہیں درختوں کی کونپلیں
غیرت گہہِ بہشت ہے دامانِ کوہسار
ہر شاخ مثلِ برقِ تپاں کانپتی ہوئی
ہر پھول کیا ہے ایک بھڑکتا ہوا شرار
رنگینیوں میں ڈوب گئی ہے کلی کلی
دو شیزۂ بہار ہے گلشن سے ہم کنار
روحِ گلاب کے ہیں قرابے کھلے ہوئے
ہر پھول عطر بیز ہے ہر شاخ مشکبار
شادابیوں میں چور ہیں صحرا کے خار و خس
رعنائیوں میں غرق ہیں گلشن کے برگ و بار
ہنگامۂ بہار پہ روتا ہے میرا دل
ماہر میں سوچتا ہوں جب اس کا مآلِ کار

دنیا کا مستقبل

جبر و استبداد کی بنیاد ڈھائی جائے گی
پھر سرے سے اک نئی دنیا بسائی جائیگی

وہ کہانی جس کا عنواں ہے "شہیدوں کا لہو"
دہر کے ایک ایک ذرے کو سنائی جائیگی

سارے عالم کو دیا جائے گا درسِ حریت
ساری دنیا ایک ہی مرکز پہ لائی جائیگی

پھر دیا جائے گا انسانی اخوت کا پیام
پھر روا داری کی اک گنگا بہائی جائیگی

جس کے بس چھونے سے آ جاتی ہے غیرت جوش میں
پھر وہی رگ لے کے چٹکی میں دبائی جائیگی

لینے والا ہے جہاں فرعونیت سے انتقام
قصرِ استبداد کی بنیاد ڈھائی جائے گی

جس کی اک اک بوند کے سینہ میں ہے آبِ حیات
وہ مئے دو شینۂ الفت پلائی جائیگی

آنیوالا ہے جہاں میں ایک خونین انقلاب
آگ ہر عشرت کی محفل کو لگائی جائیگی

اس کو انسانوں کی بستی سے نکالا جائے گا
جس کے دل میں اک ذرا بھی کھوٹ پائی جائیگی

دل کی گہرائی سے آئے گی" صدائے مرحبا"
نظمِ ماہر جس کسی کو بھی سنائی جائیگی

خطاب!

برنگِ دیدۂ نرگس نہ تو نظارا کر
جو دل میں ڈوب سکے وہ نگاہ پیدا کر
جگر کے داغ چھپانے سے کچھ نہیں حاصل
عمل کی سطح پہ ہر داغ کو ہویدا کر
طلوعِ جلوۂ حق ہر چٹان سے ہو گا
مگر یہ شرط ہے عزمِ کلیم پیدا کر
امید بخش کے قدرت نے آدمی سے کہا
تمام عمر یہی ایک خواب دیکھا کر

فلسفی سے!

ترے جذبات ہیں مغلوبِ دانش
تری فطرت محبت ناچشیدہ
مری نورس کلی جانِ گلستان
ترا سیبِ تفکّر نا رسیدہ
تری دنیا مہ و خورشید و افلاک
مری دنیا قضائے بزمِ لولاک
ترا جوشِ عمل تعمیرِ اوہام
مری سعیِ عمل تشکیلِ ادراک
ترے جلووں میں تابانی نہیں ہے
تری تخلیق فارانی نہیں ہے
زمانہ کو بدل سکتا نہیں تو
کہ تجھ میں جذبِ طوفانی نہیں ہے

پھر ضرورت ہے زمانہ کو عمرؓ پیدا ہو
کفر اسلام سے پھر مائلِ پیکار ہے آج
ایک اک شعر ہے تفسیرِ رموزِ عالم
کون ماہر کے سوا ماہرِ اسرار ہے آج

تبصرہ!

خون ٹپکاتی ہیں پھر غنچۂ ہستی کی رگیں
جنبشِ موجِ صبا، خنجرِ خونخوار ہے آج
دشنۂ جور سے ہے شیشۂ دل چکنا چور
جان کے خوف سے ساکت لبِ اظہار ہے آج
جس جگہ جایئے منظر ہے پریشانی کا
فتنۂ روزِ قیامت ہے کہ بیدار ہے آج
دلِ انساں ہے کہ آتش کدۂ کبر و غرور
ہر نفس گرمیٔ نخوت سے شرر بار ہے آج
ذرہ ذرہ پہ مسلط ہے گناہوں کی فضا
مختصر یہ ہے کہ زاہد بھی سیہ کار ہے آج
کلمۂ حق کا دیا جاتا ہے تیروں سے جواب
اہلِ ایماں کے لئے پھر صلۂ دار ہے آج
اس کا دریائے کرم خشک ہے پیاسوں کیلئے
خوبیٔ بخت سے جو کوئی کہ زر دار ہے آج
جس کے وعدے کبھی پورے نہ ہوئے اور نہ ہوں
مائلِ عشوہ گری وہ بتِ عیار ہے آج
سامنے اہلِ تموّل کے جبینیں خم ہیں
بندہ اک دوسرے بندے کا پرستار ہے آج
باپ کی موت ہے بیٹے کے لئے وجہِ نشاط
جذبۂ غیرتِ اسلافِ عزادار ہے آج

انسان اور کائنات

ہے لبِ بلبل پہ شورِ مرحبا میرے لئے
مانگتے ہیں صبح کو غنچے دعا میرے لئے

چاندنی کیا ہے؟ مرے ذوقِ نظر کی اک کنیز
ہے عروسِ کہکشاں زرّیں قبا میرے لئے

کامیابی عکس میرے ناخنِ تدبیر کا
دہر کا ہر عقدۂ مشکل ہے وا میرے لئے

تلخیٔ ایام میرے واسطے صہبائے عیش
عشق کا زہرِ ہلاہل ہے دوا میرے لئے

ہے محبت سے عبارت میری فطرت کا خمیر
میں وفا کے واسطے ہوں اور وفا میرے لئے

جو نہ بخشا جائے ایسا جرم ہے میرا وجود
ہے مقرر قیدِ ہستی کی سزا میرے لئے

وسعتِ کون و مکاں ہے تنگ میرے واسطے
عرش کا ہے کنگری تحت الثریٰ میرے لئے

دی مرے آنے کی غنچوں نے زمانہ کو نوید
بلبلوں نے بزمِ عشرت کی بپا میرے لئے

میرے خوش کرنے کو ہیں طاؤس رقصاں دشت میں
چل رہی ہے باغ میں ٹھنڈی ہوا میرے لئے

کی گئی میرے لئے آراستہ بزمِ جہاں
دی گئی ہے چاند، سورج کو ضیا میرے لئے

میرے نظّارے کی خاطر جھومتی ہے شاخِ گل
نغمہ زن ہیں قمریانِ خوشنوا میرے لئے
میری مستی کے لئے ہے دور میں جامِ حیات
ہو رہی ہے دہر کی نشوونما میرے لئے
میری خاطر ہر کرن سورج کی محوِ اضطراب
جھومتی ہے شب کو تاروں کی فضا میرے لئے
میرے محسوسات کے حسنِ لطافت کو نہ پوچھ!
نبضِ خس کی ہے دھمک بانگِ درا میرے لئے
ظلمتوں سے اخذ کرتا ہوں میں نورِ سرمدی
موت کی چھاگل میں ہے آبِ بقا میرے لئے
میری راحت کے لئے انگارے بن جاتے ہیں پھول
چھوڑ دیتا ہے سمندر راستا میرے لئے
مجھ کو گمراہی نے منزل کا بتایا ہے پتا
موج طوفاں بن گئی ہے ناخدا میرے لئے
میری خاطر دی گئیں بنت العنب کو مستیاں
کی گئی ہے خلق ساون کی گھٹا میرے لئے
پتی پتی گلشنِ جنّت کی میری منتظر
روز و شب کرتی ہیں حوریں التجا میرے لئے
میری خاطر بادۂ کوثر کے ساغر سر بہ مہر
شاہدانِ خلد ہیں ناکتخدا میرے لئے
ذرہ ذرہ بزمِ گیتی کا ہے مصروف عمل
اور ان سب کوششوں کا ہے صلہ میرے لئے

مسلم سے خطاب

پھر صبحِ طرب ناک نکلتی نظر آئے
اقوام کی تاریخ بدلتی نظر آئے
صہبائے عمل جام میں ڈھلتی نظر آئے
گرتی ہوئی مخلوق سنبھلتی نظر آئے
تو مردِ مسلماں ہے تو پیغامِ عمل دے
اٹھ اور زمانے کے مقدر کو بدل دے
سرمایۂ عظمت ہے تری ذاتِ گرامی
تو خالق و مخلوق کے مابین پیامی
طوفان کی شورش ہے تری مست خرامی
اے تجھ کو سزا وار محمدؐ کی غلامی
ایمان کی دولت تجھے اللہ نے دی ہے
دنیا ترے قدموں کی طرف دیکھ رہی ہے
تیرے لئے بیتاب ہیں عالم کی فضائیں
بیدار ہو، فطرت تجھے دیتی ہے صدائیں
چھائی ہیں ترے باغ پہ رحمت کی گھٹائیں
ہر دم ہیں ترے ساتھ فرشتوں کی دعائیں
زنہارنہ بہنا کسی طوفان کی رو میں
اللہ کی فوجیں ہیں مسلماں کے جلو میں
اخلاق ترے پاس ہیں، ایمان ترے پاس
ایقان ترے پاس ہے عرفان ترے پاس

کونین کی رفعت کے ہیں سامان ترے پاس
تلوار ترے پاس ہے قرآن ترے پاس
تو چاہے تو ڈوبا ہوا خورشید نکل آئے
تدبیر تو کیا چیز ہے تقدیر بدل جائے
یہ قوسِ قزح، چاندنی راتیں، مہ وانجم
تیرے لئے ہر وقت ہیں بے تاب تبسّم
بے چین ہے تیرے لئے موجوں کا ترنّم
غنچے ہیں ترے واسطے سرگرمِ تکلّم
آباد ہے امیّد کی منزل ترے دم سے
کونین میں ہے گرمیٔ محفل ترے دم سے
تو وہ کہ دہل جائے ترے نام سے دنیا
پاتی ہے نئی زیست ترے کام سے دنیا
زندہ ہے ابھی تک ترے پیغام سے دنیا
مستِ مئے الفت ہے ترے جام سے دنیا
دنیا کی حکومت کا سزاوار توئی ہے
اللہ کے اکرام کا حقدار توئی ہے
تو روحِ بلالیؓ ہے کبھی فکرِ غزالیؒ
تو شانِ جلالی ہے کبھی نازِ جمالی
جھکتے ہیں ترے سامنے اصنامِ خیالی
آزاد ہے آزاد تری فطرتِ عالی
مٹھی میں تری گردشِ افلاک و زمیں ہے
کفّار کی کثرت کا تجھے خوف نہیں ہے

تو فوجِ محمدؐ کا سپاہی ہے سپاہی
دیتا ہے جہاں تیری شجاعت کی گواہی
اللہ نے دی ہے تجھے کونین کی شاہی
کرتا ہے خدا آپ تری پشت پناہی
تو مہرِ وفا، ابرِ سخا، بحرِ کرم ہے
سچ یہ ہے کہ تو مالکِ تقدیرِ امم ہے
پھر معرکۂ بدر زمانہ میں ہے درپیش
پھر تیرے مٹانے کو ہیں تیار جفاکیش
ڈر ہے کہ ترا مال نہ لٹ جائے کم و بیش
اسلام کے درپے ہیں جفا کار، بد اندیش
الہام ہے شاعر کا یہ پیغام نہیں ہے
بیدار کہ سونے کا یہ ہنگام نہیں ہے

حقایق و معارف

جس گیت کو زندگی نے گایا
سچ یہ ہے وہ گیت تھا پرایا
ہستی کا فریب کھانے والو!
شعلوں کو سمجھ رہے ہو سایا

یہ ہاتھ یہ پھول سی گلابی
یہ آنکھ یہ عارضِ شہابی
اے رحمتِ حق! معاف کرنا
بننا ہی پڑا مجھے شرابی

اس طرح میں آہ کر رہا ہوں
گویا کہ گناہ کر رہا ہوں
سورج کی جبیں عرق عرق ہے
ذروں پہ نگاہ کر رہا ہوں
دنیا مرے راستہ سے ہٹ جائے
اپنے کو تباہ کر رہا ہوں

جس سمت تری نگاہ مڑ جائے
ٹوٹا ہوا آئنہ بھی جڑ جائے
ساقی کی اگر نہ ہو نوازش
مے جام سے پھول بن کے اڑ جائے
ہستی کا اگر فریب کھل جائے
آئینۂ دل سے گرد دھل جائے

یہ کیف یہ رنگ و بو کا عالم
موسم بھی شراب میں نہ گھل جائے
آئینۂ غم کو توڑتا ہوں
ٹوٹے ہوئے دل کو جوڑتا ہوں
مزدور کو کر رہا ہوں بیدار
دولت کا لہو نچوڑتا ہوں
جینے کا پیام دے رہا ہوں
ہستی کا جہاز کھے رہا ہوں
ٹھکرا کے غمِ نشاطِ فردا
دنیا سے خراج لے رہا ہوں
ہر عقدۂ زیست کھولتا ہوں
ہستی کی رگیں ٹٹولتا ہوں
ذرّے ہوں کہ چاند یا ستارے
ہر شے کو نظر میں تولتا ہوں
پردیس کی زندگی نہ پوچھو
کیا مجھ پہ گذر گئی نہ پوچھو
ممکن ہے کہ تم کو ہو ندامت
مجھ سے مری بیکسی نہ پوچھو

تتلی

اے حسن کی شانِ اجتماعی
پروردۂ صد بہارِ خوبی
نقّاش کی صنعتِ مکمل
اے پیکرِ جنبشِ مسلسل
یہ نقشِ حسیں پروں پہ تیرے
جیسے کوئی حور مسکرا دے
بے باک چمن میں گھومتی ہے
پھولوں کے لبوں کو چومتی ہے
یہ بادِ صبا کے نرم جھونکے
فردوس کے کھل گئے دریچے
ایسے میں ترے پروں کی جنبش
ہوتی ہے تجلیوں کی بارش
پھرتی ہے چمن کی ہر روش پر
شبنم سے بدن بچا بچا کر
اللہ رے! ترا غرورِ کافر
رکھتی نہیں پاؤں بھی زمیں پر
شفّاف بدن، لباسِ زریّں
اس پر یہ ترا خرامِ رنگیں
اک پیکرِ حسن رنگ و بو ہے
یا باہمہ آب و تاب تو ہے
بدمستِ شمیم ہو نہ جانا
سایہ میں گلوں کے سو نہ جانا

تہذیبِ حاضر سے خطاب

دشمنِ عیش و طرب ہے گردشِ لیل و نہار
خاک کے تودوں میں ہے تہذیبِ بابل کا مزار
رومتہ الکبریٰ کے کھنڈر کا پتہ ملتا نہیں
اڑ چکا کب کا ہوا میں قیصریت کا غبار
نینوا کے قصر و ایواں اور کسریٰ کے محل
کس قدر ثابت ہوئے ہیں دہر میں ناپائدار
عظمتِ فرغانہ باقی ہے نہ فرِسام و کے
لٹ چکی کب کی عراقی مرغزاروں کی بہار
آلِ سیزر کا پتہ دے گی نہ شاید یہ زمیں
جس کے سینہ میں نہاں ایسے ہزاروں ہیں مزار
اس زمیں پر جن کی چوکھٹ چومتا تھا آسماں
صفحۂ تاریخ کی سطریں ہیں ان کی یادگار
جن کے ماتھے کی شکن سے کانپ جاتا تھا جہاں
درسِ عبرت اہلِ بینش کو ہے ان کا حالِ زار
تھی مہیا ہر جگہ جن کے لئے پھولوں کی سیج
ان کے مستقبل کا عنواں زحمتِ خاشاک و خار
محفلوں میں وقف تھے ساقی گری کے واسطے
مہوشانِ شوخ فطرت، شاہدانِ گلعذار
چھیڑتے تھے مطربانِ باکمال و خوش گلو
سازِ رنگیں، بربط و قانون و دف عود و ستار

جن کی دنیا رقص، نغمہ بوئے گل، صہباو جام
جن کا مشرب عیش و مستی لذّتِ کیف و خمار
ان کو دیکھا ہم نے اس دنیا میں باحالِ تباہ
ان کو آخر کر لیا قانونِ قدرت نے شکار
دیکھ! پھر دنیا نے کروٹ لے کے اک انگڑائی لی
ہوشیار اے نخوتِ تہذیبِ حاضر ہوشیار
آندھیاں چلنے لگیں تیری بدولت جنگ کی
تیرے ہاتھوں کس قدر انسانیت ہے بے قرار
خونِ انساں سے تری تاریخ لکھی جائے گی
ہر کھنڈر مغرب کا ہے تیرے جنوں کی یادگار
اب تجھے چلنا پڑے گا دھار پر تلوار کی
خون میں تڑپے گی تیرے رقص خانوں کی بہار
ناز تھا تجھ کو بڑا سائنس کی ایجادات پر
اب وہی ایجاد تجھ کو کر رہی ہے خود شکار
کھل چکا ہے دہر پر تیری بناوٹ کا فریب
اب فضا دنیا کی ہے تیرے لئے ناساز گار
تو نے شبنم بن کے دنیا کو بہت دھوکا دیا
کتنا خوں آشام ہے تیرا مزاجِ شعلہ بار
تو نے اپنی رنگ رلیوں میں ذرا پروا نہ کی
تجھ کو دی مہلت خدائے منتقم نے بار بار
خود تراشیدہ خیالوں کی ہے اک جوئے کم آب
جس کو سمجھی ہے سیاست بحرِ ناپیدا کنار

جذب کر سکتی نہیں شبنم کو. سورج کی کرن
فطرتِ شبنم میں بس جائے اگر خوئے شرار
ہو گئیں بیدار وہ قومیں جو شبنم طبع تھیں
جن کی نرمی پہ تجھے حاصل تھا پورا اختیار
یہ زمانہ اب پلٹ کر بھی نہ دیکھے گا تجھے
گوندھتا ہے کون مرجھائے ہوئے پھولوں کے ہار
جن میں رکھے تھے چھپا کر تو نے نشتر تیز تیز
خود بخود وہ آستینیں ہو رہی ہیں تار تار
دیکھ! وہ تہذیب سے تہذیب ٹکرانے لگی
امن مجھ کو چاہئے ہر قوم چلّانے لگی
امن کا مرکز جہاں میں دامنِ اسلام ہے
ہاں! وہی اسلام جو تیرے یہاں بدنام ہے
امن ناممکن محمدؐ کی غلامی کے بغیر
جن کی رحمت، جن کی شفقت اس جہاں میں عام ہے
منزلِ اخلاق کو سمجھی ہے تو دشوار تر
اور یہاں پر وہ بقدرِ وسعتِ یک گام ہے
فتحِ مکہ میں کیا تھا قاتلوں کو بھی معاف
یہ رواداری فقط اسلام ہی کا کام ہے
حرف "الا اللہ" خود ہے خیر و برکت کا ثبوت
ہر بھلائی کا عمل اسلام ہی اسلام ہے
پھر نئے سر سے جہاں میں انقلاب آنے کو ہے
پھر حرا کے غار سے حق کا خطاب آنے کو ہے

ایک صف میں کر دیئے تھے جس نے فاروقؓ و بلالؓ
پھر زمانہ میں وہ دورِ کامیاب آنے کو ہے

اے مشامِ جانِ فطرت صد سلام و صد درود
پھر حجازی باغ سے بوئے گلاب آنے کو ہے

نہرِ زرقا سے ہواؤں نے بھری ہیں چھاگلیں
گلشنِ ہستی مبارک ہو سحاب آنے کو ہے

پھر حجازی میکدے سے شورِ "الکوثر" اٹھا
تشنہ کاموں کی طرف دورِ شراب آنے کو ہے

بارک اللہ ! غازۂ توحید پھر ہو گا عطا
اے عروسِ دھر خوش ہو جا شباب آنے کو ہے

دیکھنا! پھر کفر کے خیبر میں ہل چل پڑ گئی
زندگی بن کر جلالِ بو ترابؓ آنے کو ہے

بدر کے میداں میں رکھ دی جس نے بنیادِ حیات
وہ جلالت پھر بہ رنگِ انقلاب آنے کو ہے

شکر ہے ماہر کی کوشش ہو رہی ہے کامیاب
میری نظموں کا مدینہ سے جواب آنے کو ہے

گلگشتِ خیال

کھڑے ہوئے ہیں مغبچے گلابیاں لئے ہوئے
گلابیوں کے سایہ میں جوانیاں لئے ہوئے
یہ مستیوں کی بارشیں یہ حسن کی نوازشیں
فروغِ مے سے ہر جبیں ہے سرخیاں لئے ہوئے
یہ کس کا دستِ ناز ہے جو محوِ انتظار ہے
ہری، ہری، سبک سبک، گلوریاں لئے ہوئے
رواں دواں ہیں چار سو حسین و شوخ چھوکرے
شراب سے بھری ہوئی صراحیاں لئے ہوئے
یہ کس کی زلفِ مشکبو بکھر رہی ہے چار سو
مرے گناہِ عشق کی سیاہیاں لئے ہوئے
شراب کو نہ کچھ کہو شراب پھر شراب ہے
خنک ہوا کی موج بھی ہے گرمیاں لئے ہوئے
مرا خیال آ گیا مجھے کہاں لئے ہوئے

غزلیات

مسرت و شادمانی

آپ کے غم کی مہربانی سے　　دل ہے بیزار شادمانی سے
ایک لمحہ بس ایک ساعتِ کیف　　چاہتا ہوں تری جوانی سے
مرے رونے پہ مسکراتے ہیں　　آگ برسا رہے ہیں پانی سے
میں تو کیا حشر مانگتا ہے پناہ　　تیری اٹھتی ہوئی جوانی سے
لے لیا ہے فضائے محشر نے　　ایک ٹکڑا مری کہانی سے
آرزو کو سمجھ رہا ہے رقیب　　تنگ ہوں دل کی بدگمانی سے

دل ہے بے چین رات دن ماہر
فائدہ ایسی زندگانی سے

برق و نظر

دل کو وہ برق نظر یاد آیا
عکس کو آئینہ گر یاد آیا

تیری بھیگی ہوئی پلکوں کے نثار
کیا مرا سوزِ جگر یاد آیا

میں نے مانا کہ ہے جنت دلکش
کوچۂ یار اگر یاد آیا

پھر شبِ ہجر نے کروٹ بدلی
پھر ترا خوابِ سحر یاد آیا

رخ کو بے پردہ کئے جاتے ہیں
کون مایوس نظر یاد آیا

نغمہ و فریاد

ساقی نے جسے مست نگاہوں سے پلا دی
اس کے لئے جنت ہے بیاباں ہو کہ وادی
ہاں! پھر تو کہو "ہم نے تجھے دادِ وفا دی"
تم نے تو مرے دل کی کہانی ہی سنا دی
اک بار تجھے عقل نے چاہا تھا بھلانا
سو بار جنوں نے تری تصویر دکھا دی
پھیرا مجھے انکار سے اقرار کی جانب
اک شمع کو روشن کیا، اک شمع بجھا دی
اللہ رے! ترے وصل و جدائی کے کرشمے
دوزخ بھی دکھا دی، مجھے جنت بھی دکھا دی
اے بادِ چمن! تجھ کو نہ آنا تھا قفس میں
تو نے تو مری قید کی معیاد بڑھا دی
وہ چین سے بیٹھے ہیں مرے دل کو مٹا کر
یہ بھی نہیں احساس کہ کیا چیز مٹا دی
لے دے کے ترے دامنِ امید میں ماہر
اک چیز جوانی تھی، جوانی بھی لٹا دی

سوزِ محبت

دنیا میں یہ کیوں سوزِ محبت کی کمی ہے
شاید مری فریاد کی لے ٹوٹ گئی ہے
اے اہلِ جہاں اب مری دنیا ہی نئی ہے
مرنے کا مجھے غم ہے، نہ جینے کی خوشی ہے
جب میری نظر ان کی نگاہوں سے ملی ہے
دنیائے محبت کی فضا جھوم گئی ہے
آنکھیں مری نمناک ہیں، ہونٹوں پہ ہنسی ہے
یہ بھی ترے انداز کی فردوس گری ہے
وہ جا بھی چکے حسن کی پرچھائیں دکھا کر
اور میری جبیں در پہ جھکی ہے تو جھکی ہے
اے دل تری بیتابیٔ پیہم کے تصدق!
ان شوخ اداؤں کا بھی انداز یہی ہے
اب حسن بھی تکلیفِ تجلی سے ہے آزاد
اب عشق وہاں ہے کہ جہاں بے خبری ہے
فریاد کی فریاد، کہانی کی کہانی!
وہ بات جو بے تاب نگاہوں نے کہی ہے

دریائے محبت میں نہ کشتی ہے نہ ساحل
اے جرأتِ ناشاد! کسے ڈھونڈ رہی ہے

اللہ رے! اک جرعۂ صہبا کی کرامت
بجلی سی رگ و پے میں مرے دوڑ گئی ہے

اس بزم کو یارب نظرِ بد سے بچانا
وہ بزمِ طرب، جس میں کہ ماہر کی کمی ہے

دیر و حرم

زمانہ میں آرام و راحت کہاں ہے
یہاں آسماں ہے، وہاں آسماں ہے
میں قائل ہوں، دیر و حرم کا بھی لیکن
ترا آستاں پھر ترا آستاں ہے
محبت کے رہرو کو تنہا نہ سمجھو
طلب راہبر ہے، جنوں پاسباں ہے
قفس سے ہی اب ہم نشیں دل لگا لے
یہی گلستاں ہے، یہی آشیاں ہے
گناہوں سے مجھ کو ڈراتا ہے واعظ
ابھی تو مری ہر تمنا جواں ہے
میں اس طبعِ نازک پہ شیدا ہوں ماہر
کہ حرفِ تمنا بھی جس پر گراں ہے

تاثرات

آرزو اک فریبِ باطل ہے
عشق خود عشق ہی کا حاصل ہے
عیش و غم سے فراغ حاصل ہے
بے حسی پوجنے کے قابل ہے
درد میں کچھ سکون پاتا ہوں
زہر بھی کیا دوا میں شامل ہے
مختلف ہیں حیات کے پہلو
موت اک زندگی کی منزل ہے
عیش اک وہم، رنج درد و خیال
زیست کا ہر نظام باطل ہے
دل ہے اور انتظارِ وعدہ دوست
میں ہوں اور بندگی کا حاصل ہے
نبضِ امید چھٹ گئی شاید
آج دل کیوں سکوں پہ مائل ہے
میں ہوں اور موجِ بحرِ غم ماہر
غمِ کشتی نہ فکرِ ساحل ہے

سکون و اضطراب

جی میں آتا ہے کہ نظمِ دہر برہم کیجئے
اضطرابِ دل سے پیدا اور عالم کیجئے
رویئے خونِ جگر، یا آہِ پیہم کیجئے
دل کی بربادی کا کس عنواں سے ماتم کیجئے
وسعتِ کون و مکاں بھی تنگ آئے گی نظر
عشق کے گر ایک سجدے کو مجسّم کیجئے
بزمِ ہستی ایک ہی جنبش میں برہم ہو گئی
آپ سے کس نے کہا تھا زلف برہم کیجئے
دیکھئے اچھی نہیں ہے گل رخوں سے دوستی
حضرتِ ماہر! ذرا اس شوق کو کم کیجئے

انجمنِ خیال

کس قیامت کی گھٹا چھائی ہے
دل کی ہر چوٹ ابھر آئی ہے
میں ترے حسنِ تصور کے نثار
ہر جگہ انجمن آرائی ہے
آج ایک ایک سرشکِ خوں میں
دل کی تصویر اتر آئی ہے
درد بدنام، تمنا رسوا
عشق رسوائی ہی رسوائی ہے
اس نے پھر یاد کیا ہے شاید
دل دھڑکنے کی صدا آئی ہے
میں ہوں اور کشمکشِ دردِ فراق
وہ ہیں اور شوقِ خود آرائی ہے
زلف و رخسار کا منظر توبہ!
شام اور صبح کی یکجائی ہے
ہم سے چھپ چھپ کے سنورنے والے!
چشمِ آئینہ تماشائی ہے
دل تمنا سے ہے کتنا بیزار
ٹھوکریں کھا کے سمجھ آئی ہے

حسن و مستی کو جدا کون کرے
تو ہے یا یہ تری انگڑائی ہے
میری راتوں کا اجالا ہی کیا
چند تاروں سے شناسائی ہے
تم سے ماہر کو نہیں کوئی گلہ
اس نے قسمت ہی بُری پائی ہے

آب و آتش

دید کے قابل مریضِ ہجر کا انجام ہے
جانبِ در ہے نظر، لب پر کسی کا نام ہے

کیوں مری غمناک حالت موردِ الزام ہے
آنکھ میں آنسو نہیں ہے، ضبط کا پیغام ہے

عشق ہی آغاز میرا، عشق ہی انجام ہے
میری فطرت بے نیازِ گردشِ ایام ہے

اف! تری مخمور آنکھوں کی نشاط انگیزیاں
میری بے ہوشی ابھی تک بے نیازِ جام ہے

حسن کو گر بے وفا میں نے کہا تو کیا ہوا
کیوں خفا ہو، حُسن کیا کوئی تمہارا نام ہے

ہم نشیں! مجھ کو نہیں راحت سے کوئی دشمنی
دل کو کیا کہیئے کہ ظالم خوگرِ آلام ہے

دل کی دھڑکن، سانس کی آواز، جنبش نبض کی
ہر صدا اپنی جگہ اک یار کا پیغام ہے

کر رہی ہے درحقیقت کام ساقی کی نظر
میکدے میں گردشِ ساغر برائے نام ہے

ہے عبارت ہستیٔ انساں خیال و وہم سے
آدمی کچھ بھی نہیں اک پیکرِ اوہام ہے

فطرتِ شاعر ہے ماہر مہبطِ اسرارِ حق
شعر کہتے ہیں جسے الہام ہی الہام ہے

سوز و ساز

کوئی جہان میں تیری مثال لا نہ سکا
مرا جنوں بھی تجھے آئنہ دکھا نہ سکا
چمن میں سوگ ہے اس بدنصیب غنچہ کا
جو ایک رات بھی جی بھر کے مسکرا نہ سکا
تری نگاہ پہ ثابت ہوا نہ جرم کوئی
ترے خلاف کوئی دل گواہ لا نہ سکا
ترے شباب کا عالم ارے خدا کی پناہ!
وہ جوش تھا کہ جسے تو بھی خود دبا نہ سکا
نہ اس قدر بھی پشیمانِ جستجو ہو کوئی
میں جس کو ڈھونڈنے نکلا، اسی کو پا نہ سکا
ترے خیال نے بے چین کر دیا جس کو
کوئی خیال اسے مطمئن بنا نہ سکا
زمانہ بھر کو تباہ و خراب کر ڈالا
تری نظر پہ مگر کوئی حرف آ نہ سکا
وہ داد خواہِ محبت ہے آج خود تجھ سے
کبھی جو حرفِ شکایت زباں پہ لا نہ سکا
میں خاک اس سے امیدِ کرم رکھوں ماہر
دوبارہ جو دلِ افسردہ کو دُکھا نہ سکا

تابشِ خیال

سورج میں ضوفگن ہیں نہ بدر و ہلال میں
وہ تابشیں جو خاص ہیں تیرے جمال میں
اس طرح جلوہ گر ہے وہ بزمِ مثال میں
جس طرح اک حقیقتِ پنہاں خیال میں
ہاں پھر! اسی تبسمِ پنہاں کی اک جھلک
ہاں! اور اک اضافۂ رنگیں جمال میں
اے برقِ طورِ حسن مری لغزشیں معاف
گھبرا گئی نگاہ ہجومِ جمال میں
آشوبِ دہر نے ترے دامن میں لی پناہ
تو نے پناہ لی مری بزمِ خیال میں
نیرنگیٔ جنونِ محبت کی خیر ہو
باقی رکھا نہ فرق، فراق و وصال میں
بھیجا مجھے جہاں میں کسی کے خیال نے
دنیا سے جا رہا ہوں کسی کے خیال میں
ماہر سرِ نیاز ہمیشہ جھکا رہے
ڈوبی رہے جبیں عرقِ انفعال میں

جذبات

فطرتِ پابند کو ہر قید سے آزاد کر
زندگی اجڑا ہوا گھر ہے اسے آباد کر
ہم نشیں! میری طرح تو بھی چمن کو بھول جا
جب قفس میں ہے تو پاسِ خاطرِ صیّاد کر
میرے ذوقِ حسن نے دیں تجھ کو بزم آرائیاں
یاد کر او فتنہ ساماں! وہ زمانہ یاد کر
پھر وفا کیشی پہ میری دے نیا حکمِ سزا
منتظر ہوں پھر لبِ نازک سے کچھ ارشاد کر
خامشی کو حاصلِ شیون بنا اے ہمنوا
جا ابھی کچھ اور مشقِ نالہ و فریاد کر
پھر بنا ماہر کو ممنونِ نوازش ہائے خاص
او ستم ایجاد! پھر کوئی ستم ایجاد کر

دو آشہ

دل رخصتِ آہ چاہتا ہے　　اقدامِ گناہ چاہتا ہے
اے رہروِ منزلِ محبت!　　ہر ذرہ نگاہ چاہتا ہے
زاہد بھی کرم کا شور سن کر　　توفیقِ گناہ چاہتا ہے
دل ضبطِ فغاں سے تنگ آ کر　　نالوں کی پناہ چاہتا ہے
ماہر دلِ زار پر ترس کھا
پتھر سے نباہ چاہتا ہے

دو شعر

بارہا تیری نوازش نے جسے تھام لیا
اس نے کچھ سوچ کے پھر آج ترا نام لیا
نبضِ دل ڈوبتی جاتی ہے، طبیعت ہے نڈھال
مجھ سے پھر دردِ محبت نے کوئی کام لیا

اک سانس کو آہ کر لیا ہے
بھولے سے گناہ کر لیا ہے
جب ہجر میں لی ہے میں نے کروٹ
تاروں کو گواہ کر لیا ہے
پھولوں کی ذرا روش تو دیکھو
کانٹوں سے نباہ کر لیا ہے
تم پر تو نہ آہ کا چلا زور
ہاں! دل کو تباہ کر لیا ہے
جب دل پہ مرے چھری چلی ہے
دل ہی کو گواہ کر لیا ہے
دل نے تری دیکھ کر نظر کو
اقرارِ گناہ کر لیا ہے
دیدار کی کیوں ہوس ہے ماہر
کیا دل کو نگاہ کر لیا ہے

موجِ کوثر

اک اچٹتی نگاہ ڈال گئے
گر رہا تھا مجھے سنبھال گئے

حشر کو روزِ دید ٹھہرا کر
آج کی بات کل پہ ٹال گئے

دل دیا دل کو لذتِ غم دی
ساری آفت مجھی پہ ڈال گئے

اپنی اک اک ادا کی چاہی داد
میری باتیں ہنسی میں ٹال گئے

اس ادا سے وہ بے نقاب ہوئے
ایک پردہ نظر پہ ڈال گئے

مجھ کو بیدل بنا کے وہ ماہر
حسرتِ زندگی نکال گئے

احساسات

ترے ہونٹوں پہ ہلکی سی ہنسی معلوم ہوتی ہے
مجھے سچ مچ بنفشہ کی کلی معلوم ہوتی ہے
میں روتا ہوں ستمگر کو ہنسی معلوم ہوتی ہے
ابھی دردِ محبت میں کمی معلوم ہوتی ہے
ترے کوچے میں جھرمٹ ہے شہیدانِ محبت کا
یہاں تو زندگی ہی زندگی معلوم ہوتی ہے
جو تم سے ہو سکے تو صرف دم بھر کو ٹھہر جاؤ
مجھے یہ سانس شاید آخری معلوم ہوتی ہے
وہ چلتے ہیں تو سبزہ ہر قدم پر لوٹ جاتا ہے
وہ چھوتے ہیں تو کلیوں کو ہنسی معلوم ہوتی ہے
تمہارا دل کسی بے تاب دل کا حال کیا جانے
تمہیں تو عاشقی اک دل لگی معلوم ہوتی ہے
تمنا پاک، دل معصوم، فطرت کس قدر سادہ!
محبت سادگی ہی سادگی معلوم ہوتی ہے
دلِ بے تاب کی مجبوریاں اور آہ، کیا کہئے
ترے غم سے بڑی شرمندگی معلوم ہوتی ہے
مرا افسانۂ پُردرد بھی تاثیر رکھتا ہے
وہ کہتے ہیں کہ مجھ کو نیند سی معلوم ہوتی ہے
وہی دھندلی کرن امید کی جو تم نے بخشی تھی
مجھے چاروں طرف پھیلی ہوئی معلوم ہوتی ہے

عرفانِ محبت

کیا ظلم کا باقی کوئی عنواں نہ رہے گا
مرنا بھی ترے ہجر میں آساں نہ رہے گا
آمادۂ فریاد ہے مجبورِ محبت
اب دل کوئی ناواقفِ عرفاں نہ رہے گا
اس وقت وہ فرمائیں گے تکلیفِ مداوا
جب درد مرا قابلِ درماں نہ رہے گا
ہر دل ہے تری زلفِ مسلسل کا پرستار
کیا کوئی زمانہ میں مسلماں نہ رہے گا
اے ہم قفسو! اتنے بھی بے تاب نہ ہو جاؤ
زنداں نہ رہے گا کہ گلستاں نہ رہے گا
کیا اب مری قسمت میں نہیں زیست کی توفیق
کیا درد ترا سلسلۂ جنباں نہ رہے گا
دل ہی سے ہے وابستہ یہ ہنگامۂ ہستی
ڈوبا یہ سفینہ تو یہ طوفاں نہ رہے گا
اس روز قیامت ہی گزر جائے گی ماہر
جس روز مرا حال پریشاں نہ رہے گا

عشرتِ مختصر

اس کی پہلی نظر کو کیا کہئے
عشرتِ مختصر کو کیا کہئے

درد ہی اب ہے زندگی دل کی
زحمتِ چارہ گر کو کیا کہئے

ان کے آنے کا ہے یقیں لیکن
حسرتِ بام و در کو کیا کہئے

ہر طرف درد کی خدائی تھی
شامِ غم کی سحر کو کیا کہئے

ایک عالم کو کر دیا مغرور
سعئ آئینہ گر کو کیا کہئے

عشق کی موت کس کو ملتی ہے
فطرتِ نوحہ گر کو کیا کہئے

سر زمینِ دکن ہے اور ماہر
قدرِ اہلِ ہنر کو کیا کہئے

وصل و ہجر

انساں کو بارِ عشق کا حامل بنا دیا
ذرہ کو غیرتِ مہِ کامل بنا دیا
اس جذبۂ لطیف کے قربان جایئے
جس نے کہ ہجرِ دوست سے واصل بنا دیا
احساسِ ذوقِ دید ہے، بے تابیاں بھی ہیں
تو نے مری نگاہ کو بھی دل بنا دیا
اب دل جلوں سے قصۂ تخلیقِ دل نہ پوچھ
آسانیٔ حیات کو مشکل بنا دیا
وہ ابتدائے عشق بھی کیا دلفریب تھی
جس نے مآلِ کار سے غافل بنا دیا
دیں تو نے انفعال و تاثر کی قوتیں
دل کیا بنایا جو ہرِ قابل بنا دیا
ماہر مرے نصیب میں آیا خوشا نصیب
وہ غم جسے نشاط کا حاصل بنا دیا

رباعی

یہ قوس قزح ہے اور وہ تارے ہیں
غم ہائے نشاط ہی کے سب مارے ہیں
امید کے خوشنما کھلونوں کو نہ چھو
تو پھول سمجھتا ہے یہ انگارے ہیں

○

تاروں کو فلک پہ جگمگاتے دیکھا
کلیوں کو چمن میں مسکراتے دیکھا
جگنو کی چمک دمک بھی دیکھی ماہر
دھوکے میں خودی کے سب کو آتے دیکھا

حجاب و تجلی

وہ اور مجھے اپنا دیدار دکھا دیتے
اک پردہ جو اٹھ جاتا سو پردے گرا دیتے
وہ مجھ کو زِسرتاپا نظارہ بنا دیتے
آنکھوں نے جو دیکھا ہے، دل کو بھی دکھا دیتے
میری بھی طرف ہنس کر نظروں کو اٹھا دیتے
اوروں کو پلائی تھی مجھ کو بھی پلا دیتے
جب اتنی نوازش کی کچھ اور کرم کرتے
ہاتھوں کی لکیروں کو پیمانہ بنا دیتے
جب ان کو مجھے اپنی محفل میں بلانا تھا
پہلے مری نظروں کو آداب سکھا دیتے
گر کچھ بھی خبر ہوتی انجامِ گلستاں کی
ہم اپنے نشیمن کو خود آگ لگا دیتے
جب آنکھ کو بخشی تھی محدود توانائی
جلووں کی فضا کو بھی محدود بنا دیتے
اے کاش! کوئی ہوتا دنیا میں نظر والا
ہم شعرِ میں ماہر کی تصویر دکھا دیتے

بادہ و ساغر

سجدہ گہ ساقی کا پائے ناز رہنا چاہیے
بیخودی میں ہوش کا انداز رہنا چاہیے

جانے کب ہو جائیں سازِ دل کے پردے نغمہ ریز
ہر نفس کو گوش بر آواز رہنا چاہیے

ہو گئے بیدار احساسِ غرورِ حسن سے
وہ کہ جن کو محوِ خوابِ ناز رہنا چاہیے

کیا خبر کب ہو نسیمِ کوئے جاناں کا گزر
ہر گھڑی دل کا دریچہ باز رہنا چاہیے

عشق پر ہے احترامِ حسن ہر حالت میں فرض
ہوش کو وقفِ نگاہِ ناز رہنا چاہیے

فتنہ گر! پہلی نظر ہی میں نہ دل ہو جائے خاک
رحم کر! آغاز کو آغاز رہنا چاہیے

جستجو اک وہمِ باطل، کوششِ افشا فضول
زندگی ہے راز اس کو راز رہنا چاہیے

ساغرِ اشعار میں ماہر بہ عنوانِ خیال
بادۂ خمخانۂ شیراز رہنا چاہیے

مجاز و حقیقت

مجاز ہی کو حقیقت بنائے جاتے ہیں
وہ ہیں کہ ساری خدائی پہ چھائے جاتے ہیں
عجیب شان سے جلوہ دکھائے جاتے ہیں
مجھی سے چھپ کے، مجھی میں سمائے جاتے ہیں
مشاہدات کی دنیا بسائے جاتے ہیں
تحیرات کے سکے بٹھائے جاتے ہیں
تجلیوں کے فسانے سنائے جاتے ہیں
خموش ہیں وہ، مگر مسکرائے جاتے ہیں
نہیں ہیں دامنِ گل پر یہ اوس کے قطرے
سحر کا وقت ہے موتی لٹائے جاتے ہیں
رکھا گیا ہے انہیں کا لقب مہ و خورشید
تری نگاہ کے کچھ نقش پائے جاتے ہیں
خدا کرے کہ نہ کم ہو بہارِ مے خانہ
یہ بزم وہ ہے جہاں بِن بلائے جاتے ہیں
فسانہ ان کی نگاہوں کا کیا کہوں ماہر
ابھی وہ تیر کلیجے میں پائے جاتے ہیں

پردۂ درمیاں

اُتر بھی آ فرازِ لامکاں سے
اٹھا دے یہ بھی پردہ درمیاں سے
اسے پروا نہیں دیر و حرم کی
جسے نسبت ہے تیرے آستاں سے
وہی آغاز ہے راہِ طلب کا
قدم آگے نہ پھر اٹھیں جہاں سے
پئے تسکینِ دل جنت کے خالق!
وہاں کا ایک نظّارہ یہاں سے
تصور اور تری کافر نظر کا
تعلق اور برقِ بے اماں سے
طلب کرتا ہوں دادِ سخت جانی
بلائیں مانگتا ہوں آسماں سے
جسے شعر و ادب کہتے ہیں ماہر
عبارت ہے مرے حسنِ بیاں سے

دردو کیف

ہر نفس میں دل کی بیتابی بڑھاتے جایئے
دور رہ کر بھی مرے نزدیک آتے جایئے

اک ذرا تھم تھم کے پردے کو اٹھاتے جایئے
دیکھنے والوں کی نظریں آزماتے جایئے

میرے اس ظلمت کدے کو جگمگاتے جایئے
ہو سکے تو میری خاطر مسکراتے جایئے

پھر اسی انداز سے نظریں ملاتے جایئے
حوصلے دردِ محبت کے بڑھاتے جایئے

رفتہ رفتہ خود کو دیوانہ بناتے جایئے
حسن کی دلچسپیوں کے کام آتے جایئے

رہ گیا ہے آرزو کا اک لرزتا سا چراغ
جاتے جاتے آج اس کو بھی بجھاتے جایئے

عقل کہتی ہے دوبارہ آزمانا جہل ہے
دل یہ کہتا ہے فریبِ دوست کھاتے جایئے

کفر و ایماں کے سوا بھی کچھ مناظر اور ہیں
ان کے ہر انداز پر ایمان لاتے جایئے

آ ہی جائے گا کوئی قسمت کامارا قیس بھی
ہر طرف دامِ رخِ لیلیٰ بچھاتے جایئے

میں نے کچھ فطرت ہی پائی ہے عجب مشکل پسند
میری ہر مشکل کومشکل تر بناتے جایئے

پھر نگاہوں کو تجلی کی ضرورت ہی نہ ہو
ایک بجلی آج ایسی بھی گراتے جایئے

یاد ہے ماہر مجھے انکا وہ کہنا یاد ہے'
آج تو بس رات بھر غزلیں سناتے جایئے

دو شعر

رسوا ہوا ہے دردِ محبت کہاں کہاں
ثابت ہوئی ہے ان کی ضرورت کہاں کہاں
آنکھیں اداس' روح پریشان' دل نڈھال
برپا ہوئی ہے ایک قیامت کہاں کہاں

کیف و مستی

ساقی کی نوازش سے گردش میں ہے پیمانہ
ہاں لغزشِ مستانہ! اک سجدۂ شکرانہ
مقصود محبت کا کعبہ ہے نہ بتخانہ
دھوکے میں نہ آ جانا اے ہمتِ مردانہ
رفتار میں لغزش ہے، انداز ہے مستانہ
سرتابقدم بن کر آئے ہیں وہ میخانہ
تم نے ہی پکارا تھا اک دن مجھے دیوانہ
تم ہی نے سنایا تھا مجھ کو مرا افسانہ
اللہ رے! مرے ذوقِ بے حد کی فروانی
آیا مرے حصہ میں چھلکا ہوا پیمانہ
منزل میں محبت کی ہستی ہی رکاوٹ ہے
کل بزم میں کہتا تھا جلتا ہوا پروانہ
کچھ عکس ہیں ساقی کی مخمور نگاہوں کے
شیشہ ہے نہ بادہ ہے، مینا ہے نہ پیمانہ
میں روزِ ازل ہی سے پامالِ حوادث ہوں
تا دیدۂ عشرت ہے ماہر مرا غم خانہ

شوقِ دیدار

مرا شوقِ دیدار پھر جوش پر ہے
یہاں سے وہاں تک نظر ہی نظر ہے
خدا کے لئے اک ذرا مسکرا دو
شبِ غم کو پھر انتظارِ سحر ہے
مرے ذوقِ سجدہ کا عالم نہ پوچھو!
نظر آسماں پر، جبیں خاک پر ہے
اِدھر آرزوئیں، اُدھر آرزوئیں
جوانی کی منزل بہت پُر خطر ہے
زباں پر مری آ کے جو رہ گیا تھا
وہ افسانہ اب کو بکو، در بدر ہے
مرے حال پر اور اتنی نوازش!
وہ کیوں مہرباں ہیں، خدا کو خبر ہے
جو چمکی تھی فاران کی چوٹیوں پر
وہ برقِ صفا آج تک جلوہ گر ہے
تمہاری عنایت سے ناشاد ماہر
شہیدِ تبسم، قتیلِ نظر ہے

انتخاب

مانا مقامِ عشرتِ ہستی بلند ہے
میں دل کو کیا کروں کہ اسے ناپسند ہے

تم کو حجاب مجھ کو تماشا پسند ہے
میری نظر تمہاری نظر سے بلند ہے

آنکھوں میں آ چکی ہے محبت کی واردات
طوفانِ بے پناہ، پیالوں میں بند ہے

اب ان کا انتخاب کرے گا یہ فیصلہ
الفت بلند ہے کہ تمنا بلند ہے

ماہر ازل میں دل نے کیا غم کا انتخاب
ان کی خطا نہیں ہے یہ دل کی پسند ہے

کیف و خمار

مخمور بنا دے، مجھے سرشار بنا دے
آنکھوں سے پلا دے کبھی ہونٹوں سے پلا دے
ہاں پھر اسی انداز سے اس دل کو دکھا دے
کچھ اور مری زیست کے لمحوں کو بڑھا دے
کچھ آپ بھی پی اور کچھ اس کو بھی پلا دے
ساقی کی نگاہوں سے نگاہوں کو ملا دے
اس در پہ بہ ہر حال ہے سجدے کی ضرورت
گر دل نہیں جھکتا ہے تو گردن ہی جھکا دے
یہ رات یہ تنہائی کا عالم ارے توبہ!
ایسے میں کوئی کاش! مجھے زہر پلا دے
کونین میں تھا تیرا کہیں بھی نہ ٹھکانہ
اے درد! مرے قلب کی ہمت کو دعا دے
اس کے ہی تصور میں ہے اشکوں کی روانی
جو ایک تبسم میں زمانہ کو ہنسا دے
وہ جانِ جہاں یاس کی ظلمت سے ہے مانوس
اے دردِ! تمنا کے چراغوں کو بجھا دے
ماہر ہی نہیں، ایک جہاں کو ہے شکایت
اے کاش! وفا کی تجھے توفیق خدا دے

فردوسِ خیال

وہ کیوں نہ ہر نظر میں ہو تابِ نظر فروش
ذرے ہیں جس کی راہ کے شمس و قمر فروش

بڑھ جائیں گی کچھ اور بیاباں کی وسعتیں
جوشِ جنوں رہا جو یونہی بام و در فروش

"دونوں طرف ہے آگ برابر لگی ہوئی"
تو دشنہ در نگاہ میں قاشِ جگر فروش

کانٹے نگاہ گیر ہیں، کلیاں نظر نواز
جلوے ہیں ہر لباس میں ذوقِ نظر فروش

گیسو ہیں اور عارضِ رنگیں کی تابشیں
وہ ایک ہی ادا میں ہیں شام و سحر فروش

ناکامیوں نے حوصلے دل کے بڑھا دیئے
یعنی شکستِ عشق ہے، فتح و ظفر فروش

تم سامنے ہو پھر مجھے کیا اور چاہیے
عکسِ نظر ملیح، تبسم شکر فروش

غم کیا دیا کہ تو نے خزانے لٹا دیئے
ہر چشمِ اشکبار ہے لعل و گہر فروش

خود داریٔ کمال کی رسوائیاں نہ پوچھ
بازارِ زندگی میں ہے ماہر ہنر فروش

کیفیات

عرصۂ ہستی جنونِ عشق کے قابل نہیں
اس میں وسعت ہے بہت لیکن بقدرِ دل نہیں

میں نے مانا میری نظریں دید کے قابل نہیں
آپ کے جلوے اگر چاہیں تو کچھ مشکل نہیں

کس لئے پروانہ اپنی جان سے بیزار ہے
شاید اس کو اعتبارِ عشرتِ محفل نہیں

چیر کر ہر خاک کے ذرہ کا سینہ دیکھنا
کون ہے ایسی جگہ جو یار کی منزل نہیں

فصلِ گل میں مستِ رنگ و بو ہے ہر اہلِ چمن
ایک شبنم ہے کہ جو انجام سے غافل نہیں

منزلِ الفت میں کب کا ہو گیا ہوتا ہلاک
وہ تو یہ کہئے مجھے اندازۂ منزل نہیں

اور کیا ماہر کیا جائے خموشی کے سوا
کس کو حالِ دل سنائیں کوئی اہلِ دل نہیں

محسوسات

وہ نگاہِ مستانہ کچھ جھکی سی جاتی ہے
میری بیخودی شاید آئنہ دکھاتی ہے
سرد ہو گیا شاید سوزِ قلبِ پروانہ
آج شام ہی سے کیوں شمع جھلملاتی ہے
تم کسی کے دل کو بھی کیا دُکھا نہیں سکتے
اس طرح کی باتوں سے آس ٹوٹ جاتی ہے
ہر گھڑی گذرتی ہے نزع کی کشاکش میں
کیا مریضِ فرقت کو موت آزماتی ہے
اب تری محبت میں زندگی کی ہر ساعت
یاد بن کے آتی ہے، آہ بن کے جاتی ہے
اس قدر حسیں منظر اور میں تہی آغوش
کیوں دُکھے ہوئے دل کو چاندنی دُکھاتی ہے
میں تو خیر دشمن ہوں غیر بھی نہیں کچھ خوش
وہ نگاہِ بے پروا کس کے کام آتی ہے
جرأتِ محبت پر مجھ کو خود ندامت ہے
زندگی میں انساں سے چُوک ہو ہی جاتی ہے

آدمی تمنا کو خود ہلاک کرتا ہے
ایسی ایک ساعت بھی زندگی میں آتی ہے
برق کی سی چشمک تھی وہ نگاہِ بے پروا
اس پہ آرزو کیا کیا حاشیے چڑھاتی ہے
اس نے ایک دن ماہر مسکرا کے دیکھا تھا
وہ گھڑی محبت کی روز یاد آتی ہے

حسن و عشق

عشق کی بے تابیاں، تنہائیاں
حسن کی وہ انجمن آرائیاں
چشمِ ساقی کی اثر فرمائیاں
موجِ مے لینے لگی انگڑائیاں
وہ بھی دل کے ذکر پر ہنسنے لگے
دور جا پہونچیں مری رسوائیاں
کچھ امیدیں، کچھ امیدوں کے فریب
چند جلوے اور کچھ پرچھائیاں
بھول جائیں وہ تو کوئی کیا کرے!
پھر غنیمت ہیں ستم آرائیاں
آہ پر خفگی نہیں ہے بے سبب
بات کی سمجھی گئیں گہرائیاں
ہر تمنا خون ہو کر رہ گئی
یاد آئیں گی کرم فرمائیاں
موت کی بھی اب جھجھک باقی نہیں
کی گئیں وہ حوصلہ افزائیاں
دل کو چسکا پڑ گیا ہے جور کا
مار ڈالیں گی یہ بے پروائیاں
تم کو رسوا کر نہ دیں ماہر کہیں
چاندنی راتوں کی یہ تنہائیاں

شوق و حسرت

ان شوخ نگاہوں کے پرستار ہمیں تھے
سرتابقدم حسرتِ دیدار ہمیں تھے
تیرے لئے ہر لطف سے بیزار ہمیں تھے
سوئی ہوئی مخلوق تھی بیدار ہمیں تھے
شایانِ مقامِ رسن و دار ہمیں تھے
معراج محبت کے طلبگار ہمیں تھے
ہم پر ہی رہی حسن کی ہر گرم نگاہی
کیا جرمِ محبت کے گنہگار ہمیں تھے
جب حسن و محبت کے تعلق پہ نظر کی
محسوس ہوا پردۂ اسرار ہمیں تھے
ڈھونڈا تو وہ کچھ دور نہ تھے حدِ طلب سے
دیکھا تو سرِ رہگذرِ یار ہمیں تھے
فریاد ہے اے خالقِ تقدیرِ دو عالم
کیا تہمتِ ہستی کے سزا وار ہمیں تھے
جس بارِ امانت کو اٹھایا نہ کسی نے
اس بارِ امانت کے خریدار ہمیں تھے
ماہر ستمِ دہر کی روداد نہ پوچھو
ہر چیز تھی معصوم گنہگار ہمیں تھے

نور و ظلمت

منزلِ دل پاس بھی اور دُور بھی
آدمی مختار بھی، مجبور بھی
اک ذرا قاتل کے تیور دیکھنا!
کچھ پشیماں اور کچھ مغرور بھی
یہ جہانِ آب و گل، یہ کائنات
شامِ ظلمت بھی ہے، صبحِ نور بھی
تیشۂ فرہاد سے آئی صدا
جان دینا فرض بھی، دستور بھی
ان کے جلووں کے بہت سے نام ہیں
برقِ فاراں بھی، چراغِ طور بھی
آپ کی ہستی بھی ماہر راز ہے
ملک میں بدنام بھی، مشہور بھی

خمخانہ

دل حریفِ مے و میخانہ ہوا جاتا ہے
ہر قدم لغزشِ مستانہ ہوا جاتا ہے
منتشر گیسوئے جانانہ ہوا جاتا ہے
ایک عالم ہے کہ دیوانہ ہوا جاتا ہے
چشمِ ساقی سے جو یارانہ ہوا جاتا ہے
شوق، لذت کشِ پیمانہ ہوا جاتا ہے
آپ اس شانِ تغافل سے کہاں جاتے ہیں
میرا گھر دیکھئے ویرانہ ہوا جاتا ہے
مجھ کو ڈر ہے کہ کہیں ضبط کی حد ٹوٹ نہ جائے
ہر نفس شوق کا افسانہ ہوا جاتا ہے
وہ بھری بزم میں آئے ہیں جو پیمانہ بکف
شیخ بھی ساقیٔ میخانہ ہوا جاتا ہے
مجھ کو تسکین سی ملتی ہے مسلسل ماہر
دل جو امید سے بیگانہ ہوا جاتا ہے

قرار و سکوں

تری نگاہِ عنایت جو پردہ دار نہ ہو
تو پھر زمانہ میں کوئی گناہگار نہ ہو
خدا کرے کہ اسے تا ابد سکوں نہ ملے
وہ دل جو تیری محبت میں بے قرار نہ ہو
فسانہ پوچھ نہ میری خزاں نصیبی کا
چمن میں رہ کے بھی نظارۂ بہار نہ ہو
کیا ہے میں نے سمجھ کر یہ میکدے کا طواف
کہ یہ جگہ بھی کہیں بارگاہِ یار نہ ہو
نہ جی سکے گا کوئی اب تری جفا کے بغیر
خدا کے واسطے، ظالم! وفا شعار نہ ہو
جفائے یار پہ پردہ پڑا رہے ماہر
جو میرے دل میں ہے آنکھوں سے آشکار نہ ہو

گلہائے پریشاں

سجدۂ عشق کے لئے دیر و حرم کی قید کیا
وہم تعینات ہے کفر مری نماز میں
تکمیلِ عاشقی کی بس دو ہی صورتیں ہیں
محوِ نیاز بن جا' یا بے نیاز ہو جا
قصۂ شوق کی تکمیل ہوئی جاتی ہے
زندگی درد میں تبدیل ہوئی جاتی ہے

○

فرض تھا دل پر مرے کفارۂ جرمِ نشاط
میں کسی کے جورِ پنہاں کی شکایت کیا کروں
پتلیوں کی آخری گردش کی ساعت آ گئی
آنے والے! آ' میں کب تک راستہ دیکھا کروں

○

کوئی اس پردے میں سرگرمِ تماشا ہے ضرور
ورنہ بے وجہ نہیں سانس کا آنا جانا
ناامیدی پہ ہے امیدِ کرم کی تاکید
حسن نے عشق کو مجبورِ تمنا جانا

دورِ ثانی

"دارالسلام"

جو مسلمانانِ دکن کی واحد نمائندہ جماعت "اتحاد المسلمین" کے عظیم الشان سالانہ اجلاس میں، پچاس ہزار فرزندانِ توحید کے درمیان، نعرہ ہائے تحسین و عقیدت کی گونج میں شاعر کی زبان سے سنی گئی۔

وہ قوم جو کہ جہاں کی امام بن کے رہی
محمدِؐ عربی کی غلام بن کے رہی
نماز وہ ہے جو سینہ میں بجلیاں بھر دے
نہ وہ کہ صرف رکوع و قیام بن کے رہی
مری نظر سے کبھی کربلا کی خاک کو دیکھ
افق پہ دہر کے ماہِ تمام بن کے رہی
صراحی عقل کی گر ٹوٹ بھی گئی تو کیا
یقینِ عشق کا رنگین جام بن کے رہی
وہ منزلت جسے مغلوں کی یادگار کہیں
دکن میں سطوتِ شاہِ نظام بن کے رہی
وہ سرزمیں جو ویران تھی زمانہ سے
خدا کی شان کہ "دارالسلام*" بن کے رہی
وہ زندگی جو مقید تھی تنگ غنچوں میں
بہار آتے ہی محشر خرام بن کے رہی
مرا کلام بھی ہے اس کے فیض کا پرتو
کہ جس کی بات خدا کا کلام بن کے رہی

* جلسہ گاہ کا نام

صبحِ بہاراں

آل انڈیا مشاعرہ جے پور کی کامیاب ترین نظم

کانٹوں کی نوکیں رشکِ گُلِ تر
پھولوں کا جوبن اللہ اکبر
ہر برگ رنگیں، ہر گل معطّر
دلکش تماشا، دلچسپ منظر
صبحِ بہاراں

کلیوں کی چاندی، شبنم کے گوہر
کرنوں کا سونا، پھولوں کے زیور
کونپل کے جگنو، پتوں کے جھومر
ہر چیز روشن، ہر شے منوّر
صبحِ بہاراں

غنچوں کے تکمے، سبزے کی مخمل
پھولوں کی جھالر، شاخوں کا آنچل
آبِ رواں کی باریک ململ
چمپا کا لچکا، بیلے کی جدول
صبحِ بہاراں

قمری بھی چنچل، تتلی بھی چنچل
پرواز پیہم، رقصِ مسلسل
مستانہ بلبل، بدمست کویل

الفت مجسّم، نغمہ مکمل
صبحِ بہاراں

جنت کی نزہت خاشاک و خس میں
کوثر کی موجیں، پھولوں کے رس میں
کلیوں کی سیجیں کنجِ قفس میں
سارا زمانہ مستی کے بس میں
صبحِ بہاراں

ہر سمت شادی، ہر سو مسرّت
ہر قطرہ کوثر، ہر ذرہ جنت
سامانِ فرحت، اسبابِ عشرت
مستی، ترنم، خنکی، طراوت
صبحِ بہاراں

ہر شے پہ طاری، اک کیفِ مستی
زاہد کا ایماں صہبا پرستی
ساری خدائی رندوں کی بستی
نغمہ بھی ارزاں، مستی بھی سستی
صبحِ بہاراں

بادِ سحر کیا اٹھلا رہی ہے
پھولوں کے تلوے سہلا رہی ہے
خنکی دلوں کو گرما رہی ہے
ایسے میں ان کی یاد آ رہی ہے
صبحِ بہاراں

اقبال

گِرتوں کو اٹھاتا ہے، سوتوں کو جگاتا ہے
اقبال ترا نغمہ، مُردوں کو جِلاتا ہے
تو جرأت و بیباکی دنیا کو سکھاتا ہے
کمزور ممولوں کو شاہیں سے لڑاتا ہے
تو شعر کے پردے میں تکبیر سناتا ہے
تو پھول کی پتی کو تلوار بناتا ہے
جو تیغ کہ چمکی تھی یرموک کے میداں میں
اس تیغ کے جوہر کو شعروں میں دکھاتا ہے
قرآن ترا ایماں، قرآن تری دنیا
تو شعر نہیں کہتا، الہام سناتا ہے
جس نقش کو مغرب کے ہاتھوں نے ابھارا تھا
اس نقش کو مشرق کی ٹھوکر سے مٹاتا ہے
اقبال، محمدؐ کا پیغام سناتا ہے
مرنا بھی سکھاتا ہے، جینا بھی سکھاتا ہے
ایمان کی دولت کو غیروں میں لٹاتا ہے
گنگا کی وہ موجوں کو زمزم سے ملاتا ہے
ٹوٹے ہوئے تاروں کو، بکھرے ہوئے پھولوں کو
اقبال محبت کے ہاتھوں سے اٹھاتا ہے
ہر جبر کی قوت کو، ہر ظلم کی طاقت کو
فاروقؓ کی سطوت کا آئینہ دکھاتا ہے

مغرور امیروں کو معلوم نہیں شاید
اقبال امارت کی بنیاد ہلاتا ہے
جس مے نے کیا زندہ عطارؔ کو رومی کو
اقبال اسی مے کے پیمانے پلاتا ہے
تہذیبِ فرنگی پر آتی ہے ہنسی اس کو
اسپین کے کھنڈروں پر آنسو بھی بہاتا ہے
پیغام حیاتِ نو دیتا ہے غریبوں کو
دولت کی غلامی سے دنیا کو چھڑاتا ہے
یہ مکر بھری دنیا رہنے کے نہیں قابل
ماہر تجھے جنتؔ میں اقبال بلاتا ہے

رخصت ہونے کے بعد

خلوتِ عیش کا انجام لئے جاتا ہوں
دل میں اک حسرتِ ناکام لئے جاتا ہوں
میں نے ان مست نگاہوں کا سماں دیکھا ہے
مستیٔ بادۂ گلفام لئے جاتا ہوں
حسن کی گود میں وہ شعر و ادب کی تخلیق
فطرتِ حافظ و خیّام لئے جاتا ہوں
کتنا دلچسپ ہے ناکامِ تمنا کا فریب
جیسے میں اک ہوسِ خام لئے جاتا ہوں
خونِ دل، خونِ تمنا کی بھلا قیمت کیا!
مفت میں عشرتِ بدنام لئے جاتا ہوں
دل پہ ان شوخ اداؤں کا اثر کیا کہئے!
چند ترشے ہوئے اصنام لئے جاتا ہوں
اب نگاہوں کو گھٹاؤں کی ضرورت کیا ہے
پرتوِ زلفِ سیہ فام لئے جاتا ہوں
دل کی آغوش میں اس شجرِ مجسم کی قسم
ایک دیباچۂ الہام لئے جاتا ہوں
منزلِ ہوش سے گزری نہیں اب تک دنیا
میں کہاں حسن کا پیغام لئے جاتا ہوں
زلف کے سایہ میں وہ عارضِ رنگیں کا فروغ
کفر کی بزم سے اسلام لئے جاتا ہوں

دل پہ جو بیت رہی ہے وہ کہوں کس کس سے
شوق و امید کا کہرام لئے جاتا ہوں ،
جس کے سایہ میں نکھرتی ہے کرن سورج کی
روز امید کی وہ شام لئے جاتا ہوں
لوگ مفہومِ محبت سے کہاں واقف ہیں
اپنے سر زہد کا الزام لئے جاتا ہوں
او ! مجھے دیکھ کے نظروں کو چرانے والے
ہر قدم پر میں ترا نام لئے جاتا ہوں

گیت

دھوکا ہے سنسار، سکھی ری! دھوکا ہے سنسار
ڈگمگ ڈگمگ نیّا ڈولے! ٹوٹ گئی پتوار
رین اندھیری، دور کنارا، نیند میں کھیون ہار
کون لگائے پار!
سکھی ری! دھوکا ہے سنسار

برکھارت میں سوکھ رہی ہے آشا کی پھلوار
اوس سے کلیاں پیاس بجھائیں یہ بھی نہیں ادھیکار[1]
چنتا[2] کا بیوہار
سکھی ری! دھوکا ہے سنسار

بھونرا کانپے، تتلی تڑپے، ڈالی لچکی جائے
جھرنا روودے، کوئل کوکے، بجلی چین نہ پائے
بیاکل[3] ہیں نرنار[4]
سکھی ری! دھوکا ہے سنسار

۱۔ اختیار ۲۔ فکروغم ۳۔ بے چین ۴۔ مرد وعورت

مامتا کی لاش

کڑاکے کا جاڑا پڑ رہا ہے۔ سروپی لال اور اس کی ماں الاؤ کے کنارے بیٹھے تاپ رہے ہیں۔

بڑھیا ماں

کئی دن سے میں تجھ کو دیکھتی ہوں
ترا دل کام میں لگتا نہیں کیوں
ابھی تک جانور بھوکے کھڑے ہیں
گھڑے کل شام سے سوکھے پڑے ہیں
تجھے کب فکر ہے سودے سلف کی
نہیں گھر میں نمک کی کنکری بھی
پرانا ہو گیا، آنگن کا چھپّر
مجھے ہر وقت ہے برسات کا ڈر
ذرا پروا نہیں تجھ کو مری جان!
زمیں سے لگ گئی کھاٹوں کی ادوان
تجھے کھیتوں سے دلچسپی نہیں ہے
یہاں پر تُو ہے، تیرا دل کہیں ہے
اگر کھیتوں کی رکھوالی نہ ہو گی
اجڑ جائے گی ان باتوں سے کھیتی
یہی حالت اگر تیری رہے گی

تو کیا کنبہ کو روٹی مل سکے گی
تجھے بیٹھے بٹھائے ہو گیا کیا!
تجھے کس بات کی چِنتا ہے بیٹا

بیٹا (سروپی)

میں اس جیون سے اب اکتا گیا ہوں
تمہارے گاؤں سے تنگ آ گیا ہوں
نہ دن اچھے یہاں کے اور نہ راتیں
کروں میں کب تلک بیلوں سے باتیں
وہی ہل ہے وہی کھیتوں کی نالی
وہی میں ہوں ' وہی کھرپا کدالی
وہی بارہ مہینے ایک سا کام
مرا اس طرح کے جینے کو پرنام
میں کب تک خون سے کھیتوں کو سینچوں
میں کب تک خاک کو بھگوان سمجھوں
کسانوں کی بڑی قسمت ہے کھوٹی
نہ کپڑا ہی میسّر ہے نہ روٹی

یہاں محنت سے کچھ حاصل نہیں ہے
یہ گاؤں مورکھوں کی سرزمیں ہے
مجھے اب شہر جانا ہی پڑے گا
مقدر آزمانا ہی پڑے گا
وہاں بیوپار بھی ہے نوکری بھی
خوشی بھی، آبرو بھی، زندگی بھی
وہاں سو طرح کے دھندے ہیں ماتا
وہاں ہر آدمی ہے انّ داتا
بھکاری بھی وہاں ہے لاٹ کرزن
وہاں دن رات ہوتی ہے چھنا چھن
وہاں پر کوئی دکھیاری نہیں ہے
وہاں چنتا کی بیماری نہیں ہے
سنی ہے میں نے شہروں کی کہانی
وہاں سے آنے والوں کی زبانی
وہاں پر برف بھی ہے چائے بھی ہے
وہاں ایک ایک بنیا لکھ پتی ہے
وہاں کھاتے ہیں سب، ایشور کی سوگند
جلیبی، پوریاں، برفی، قلاقند

ماں

میں سمجھی شہر جانے کی ہوس ہے
تجھے دولت کمانے کی ہوس ہے
مگر یہ ڈھول، بیٹا! دور کے ہیں
مجھے ڈر ہے یہ لڈو بور کے ہیں
مری سن لے مرے نادان بچے!
یہاں کے گڑ چنے، برفی سے اچھے
خوشی برفی میں پیڑوں میں نہیں ہے
خوشی چاندی کے ڈھیروں میں نہیں ہے
خوشی ریشم کے پردوں میں نہیں ہے
خوشی سونے کی اینٹوں میں نہیں ہے
خوشی ہے دل کے اطمینان کا نام
نہیں دنیا میں یہ دولت بہت عام
خوشی ملتی نہیں ہے مول بیٹا!
میں سچ کہتی ہوں تو بھی بول بیٹا!
یہ اپنے گاؤں کے جنگل کے کانٹے
پرائے دیس کے پھولوں سے اچھے
وہاں پر ماتما کیا دوسرا ہے
جو قسمت آزمانے کو چلا ہے
وہاں آکاش اور دھرتی یہی ہے
یہاں گاؤں میں کس شے کی کمی ہے

ہوا پانی، اجالا، زندگی بھی
تمنا بھی، محبت بھی، خوشی بھی
ہمارے گاؤں شہروں سے بھلے ہیں
ہمارے باپ دادا کہہ مرے ہیں
وطن کی خاک سے پلو بندھا ہے
یہیں مرنا یہیں جینا بدا ہے
ہمیں لینا نہیں کچھ شہریوں سے
ہمارا گاؤں اچھا کھیت اچھے
کسی کی بھی نہ اب ہر گز سنوں گی
دوالی پر تجھے میں بیاہ دوں گی
چڑھاؤں گی تری شادی میں گہنا
اسی گھر میں بہو کے ساتھ رہنا

بیٹا

تمہیں شہروں کی باتوں کی خبر کیا
تمہارا مشورہ ہی کیا، نظر کیا
ہمارے گاؤں کے پنڈت کا جوتی
پہنتا ہے کناری دار دھوتی
ہے اس کے پاس جرّابیں بہت سی
سلیپر، بوٹ، عینک بھی گھڑی بھی

وہ صابن سے نہاتا ہے ہمیشہ!
ہے کتنا نوکری دلچسپ پیشہ!
ابھی وہ فوج میں رنگروٹ ہی ہے
ابھی تنخواہ پوری کب ہوئی ہے
نہیں دیتا وہ تھانیدار سے بھی
ہے اس کی حاکموں میں بھی رسائی
یہ سب کچھ شہر جانے کا اثر ہے
مجھے کیا، ساری بستی کو خبر ہے
میں جانے کا تہیّہ کر چکا ہوں
سمجھ کر ہی میں آمادہ ہوا ہوں
میں جاتے ہی تمہیں چٹھّی لکھوں گا
تمہارا داس بن کر ہی رہوں گا
میں تم کو روپیہ بھیجا کروں گا
میں ہر تیوہار پر آیا کروں گا
مجھے جانے کی ماتا آ گیا دو
"سروپی لال" کہہ کر مسکرا دو
جو ضد کرتے ہوئے بیٹے کو دیکھا
اٹھی آنکھوں میں آنسو بھر کے بڑھیا
کہا ہونٹوں ہی ہونٹوں میں یہ اس نے
جواں بیٹے کی ہٹ بھی راج ہٹ ہے

سفر کی تیاری

بہت ہی سخت سردی پڑ رہی تھی
ہوئیں تیاریاں اس کے سفر کی
پھٹی سی ایک دھوتر کی رضائی
بہت میلی کچیلی، اک دلائی
وہ بستر بند اک رسی کا ٹکڑا
پھٹے کرتوں کو بھی اس میں لپیٹا
چلم کے ساتھ تمباکو کی تھیلی
بڑی ہی شان سے خرجی میں رکھّی
انگوچھے میں لپیٹا روٹیوں کو
رکھا انٹی میں اس نے روپیوں کو
اکٹھے ہو گئے بچپن کے ساتھی
کنول، کالی چرن، موہن، مراری
محبت نے بالاخر جوش کھایا
گلے ایک ایک کو اس نے لگایا
نکل آئیں گھروں سے عورتیں بھی
دعائیں تھیں زباں پر ہر کسی کی
اشارے ہو رہے تھے گھونگھٹوں میں
سروپی نوکری کرنے چلے ہیں
وہیں آنگن میں بڑھیا ماں کھڑی تھی
ڈھلک آئی تھی سر کی اوڑھنی بھی

نظر بے چین چہرے پر اداسی
کہ جیسے دھوپ میں ہرنی ہو پیاسی
کہ اپنے دل ہی دل میں گھٹ رہی تھی
کہ جیسے اس کی دنیا لٹ رہی تھی
زمیں کو آسماں کو دیکھتی تھی
جدائی کی گھڑی سر پر کھڑی تھی
جواں بیٹے سے چھٹنا ہو رہا تھا
بڑھاپا چپکے چپکے رو رہا تھا
بڑھی وہ اور تھاما اس کا بازو
ڈھلک کر رہ گئے آنکھوں سے آنسو
سروپی کی بلائیں لے کے بولی
پلٹنا دیس کو اے لال جلدی
ترا دامن مرادوں سے بھرے گا
تری پرماتما رکھشا کرے گا

شہر میں

جلو میں لے کے امیدوں کا دھارا
سروپی دیس سے اپنے سدھارا
سنیچر کو چلا، منگل کو پہنچا
وہاں جا کر دھرم شالہ میں ٹھیرا
نہا دھو کر کئے تبدیل کپڑے
"سروپی لال جی" بن ٹھن کے نکلے
خریدی راہ میں پیسہ کی بیڑی
دکاں کے آئنہ میں شکل دیکھی
بڑے بازار کے نکڑ پہ آیا
وہاں اس کی نگاہوں نے یہ دیکھا
سڑک پر ایک ہلچل سی مچی ہے
دکانوں میں نمائش سی لگی ہے
رواں ہیں موٹریں بھی لاریاں بھی
دکانوں پر کھڑی ہیں بگھیاں بھی
درو دیوار کھنبے سج رہے ہیں
گراموفون ہر جا بج رہے ہیں
ہیں آنے جانے والے کے بدن پر
قمیص و شیروانی، کوٹ، مفلر
دھوئیں کے پیچ سگرٹ کے شرارے
وہ انداز و نزاکت کے اشارے

بہت ہی شوخ، چنچل لڑکیوں کا
نظر آیا اسے اک جمگھٹا سا
کھلے سینوں پہ زلفیں کانپتی تھیں
وہ اک اک کی نگاہیں بھانپتی تھیں
مہکتی ساریوں میں جسمِ رنگیں
شرابِ سرخ در جام بلوریں
کھلی باہوں کی رنگت چمپئی سی
جبینیں چودھویں کی چاندنی سی
تمازت سردیوں کی دھوپ میں تھی
قیامت لڑکیوں کے روپ میں تھی
برہنہ پنڈلیاں بے باک نظریں
بہت مشتاق اور چالاک نظریں
تبسم، قہقہے، شوخی، شرارت
جوانی پر جوانی کی حرارت
جواں سینوں میں ہلچل ہو رہی تھی
فضا میں زندگی حل ہو رہی تھی
شباب اپنا اثر دکھلا رہا تھا
کہ سردی میں پسینہ آ رہا تھا
سروپی نے یہ کب دیکھے تھے منظر
نظر گاڑے ہوا تھا لڑکیوں پر
وہ ان سے دور ہٹ کر چل رہا تھا
مگر رہ رہ کے ان کو دیکھتا تھا

سپاہی سے ہوئی چلتے میں ٹکر
لگایا اُس نے کس کے دھول سر پر
سروپی چوکنے والا نہیں تھا
رسید اس نے کیا منہ پر طمانچا
سپاہی نے وہیں سیٹی بجائی
پولس فوراً مدد کو اس کی آئی
کیا سب نے اسے مل کر گرفتار
سمٹ آیا وہاں پر سارا بازار

عدالت اور جیل خانہ

عدالت میں ہوا چالان اس کا
سروپی سامنے حاکم کے پہنچا
پولس نے اور ہی نقشہ جمایا
گرہ کٹ اور آوارہ بتایا
وہاں فائل مرتب ہو چکی تھی
پولس کو کیا گواہوں کی کمی تھی

کہا حاکم نے تم لاؤ صفائی
سروپی کی زباں پر تھا "دہائی"
سروپی نے کہا باچشمِ گریاں
میں پردیسی ہوں میرا کون ہے یاں
عدالت نے سزا تجویز کر دی
سدھارا جیل خانہ کو سروپی

مامتا کی لاش

سروپی نے لکھائی گھر کو چھٹی
خبر بیمار بڑھیا تک جو پہونچی
وہ پہلے ہی غموں سے نیم جاں تھی
خبر سننے کی طاقت ہی کہاں تھی

یہ سننا تھا کہ بس جاتے رہے ہوش
رہی وہ رات بھر بستر پہ خاموش
سمٹ آئی تھیں ماتھے کی لکیریں
ابھرتی ڈوبتی جاتی تھیں نبضیں
رگیں کھنچتی ہوئیں سینہ میں لرزش
نظر بے نور سی ہونٹوں میں جنبش
خبر بڑھیا کی بیماری کی سن کے
اکھٹے ہو گئے اپنے پرائے
یہ نازک وقت ہے بھیجو کسی کو
کہا سب نے بلاؤ وید جی کو
محبت کام اپنا کر چکی تھی
طبیب آیا تو بڑھیا مر چکی تھی

ہندوستانی مسلمان سے!

مسلماں صف بصف شانہ بہ شانہ
لرز اٹھا گردہِ کافرانہ
ملا دے ہند کو ارضِ حرم سے
دکھا جرأت بہ طرزِ غازیانہ
ترا ہر شاخِ گلشن ہے نشیمن
ترا ہر سر زمیں میں آب و دانہ
ابھی ہندوستاں بھولا نہیں ہے
ترا پہلا قدم وہ فاتحانہ
نہ جا اس پر کہ دنیا کیا کہے گی
زمانہ کی روش ہے عامیانہ
خدا حاضر ترے قلب و نظر میں
تعارف ہے اگرچہ غائبانہ
ترا جوشِ جنوں منزل بہ منزل
نفس تیرا زمانہ در زمانہ
بسوزِ رومیؒ و اقبالؒ و خسروؒ
ملا ہے مجھ کو جذبِ عارفانہ

کیا چاہیے!

ہم کو قرآنی حکومت چاہیے
پاک اور سچّی سیاست چاہیے
ایک صف میں ہوں غریب و مالدار
یعنی فاروقی عدالت چاہیے
جس نے دنیا میں سمویا دین کو
اس پیمبرؐ کی شریعت چاہیے
غم کا طوفاں بھی گذر ہی جائے گا
مسکرا دینے کی عادت چاہیے

تقدیرِ ہند

تقدیرِ ہند آج بھی ہے ان کی منتظر
آئے تھے سرفروش جو کابل کی راہ سے
انسانیت کو خیر کی امید ہی نہیں
خاکِ وطن کو پوجنے والی نگاہ سے
دیتی ہیں باج قیصر و کسریٰ کی عظمتیں
انسانِ حق شناس کی طرفِ کُلاہ سے
آزادیٔ وطن کے ارادے بہ اذنِ غیر
یعنی قریب ہو گئی نیکی گناہ سے
تھا دستِ حق پرست میں قرآن کا چراغ
پردہ اٹھا جو ہند کے بختِ سیاہ سے

اکثریت کی فرمانروائی

اکثریت کی حکومت کا فسوں دیکھ لیا
ہم نے انصاف کا بہتا ہوا خوں دیکھ لیا
مشترک قومیتِ ہند کی روداد نہ پوچھ!
اس کے طوفاں کا ان آنکھوں نے سکوں دیکھ لیا
وہ بھی دراصل ہے جادوئے بنارس کا شکار
صدر محفل کا بھی اندازِ جنوں دیکھ لیا
میں نے چلتے ہوئے اس بزم پہ ڈالی تھی نگاہ
وہ یہ کہتے ہیں کہ اس طرح بھی کیوں دیکھ لیا

مسلمان کی دنیا

منزل مری الگ، مری تہذیب ہے جدا
کعبہ مری امید کا لندن نہ واردھا
کثرت کا خوف مسلمِ جانباز کو نہیں
یہ کر دیا ہے بدر کے میداں نے فیصلہ
تہذیبِ نو کا یہ بھی ہے اک خوشنما فریب
جمہوریت کی آگ سے دامن ذرا بچا
ہندوستاں کو پاک بنانا ضرور ہے
طیبہ میں اس طرف سے گئی تھی خنک ہوا
سارے جہاں کی جس نے فضا کو بدل دیا
قائم ہے آج تک اسی نغمہ کا سلسلہ

جمہوریت اور علمِ حاضر

سَر گِنا کرتے ہیں جمہوریتِ مغرب میں
اور اسلام کا معیار ہے ایمان و یقیں
ہے مسلمان کے قبضہ میں زمانہ کی بساط
اس کے پیدل سے بھی کمتر ہے تمہارا فرزیں
مجھ کو قرآن کی حکمت نے بتایا ہے یہ راز
علم سر تا بقدم جہل ہے بے دانشِ دیں
شبِ معراج محمدؐ کے قدم چومے تھے
آج تک اس لئے روشن ہے نگاہِ پرویں
اس کی تعظیم کو جھکتے ہیں زمین و افلاک
سجدۂ حق میں جو ہوتی ہے مسلماں کی جبیں

ہندی مسلمان کا عزم

ضمیرِ ہند کو بیدار کر کے چھوڑوں گا
نگاہِ کفر کو بیکار کر کے چھوڑوں گا
مچل رہا ہے جو مدّت سے رازِ دل بن کر
میں اس خیال کا اظہار کر کے چھوڑوں گا
پیامِ حق کے سنانے کا وقت آ پہنچا
جہاں کو واقفِ اسرار کر کے چھوڑ دوں گا

پیامِ خودی

جس قوم کی خودی کے شرارے ہوئے ہیں سرد
چھینی گئی ہے اس سے حکومت کی باگ ڈور
جس قوم کے غلام ہوں فکر و خیال تک
پہنچا دیا ہے اس کو غلامی نے تابہ گور
کچھ دن کے واسطے جو ملا ان کو اقتدار
ظاہر ہوئے ہیں قوم پرستوں کے دل کے چور

رشتہ ملت

رشتۂ ملت ہے اے جانِ عزیز!
خون کے رشتہ سے بڑھ کر استوار
دین سے جس سلطنت کا ہو نہ رابطہ
ہے وہ مومن کے لئے ناسازگار

سرودِ ضمیر

تدبیر کے دامن میں ہے تقدیر کا مقصود
کرتا ہے عمل دہر میں ناپید کو موجود
آزاد بھی ہو جائے تو آزاد نہ ہو گا
ہے خاکِ وطن جس کی تمناؤں کا معبود
جب تک کہ براہیم کی فطرت نہ ہو پیدا
وجدان بھی آذر ہے، تخیل بھی ہے نمرود
توحید کا پیغام نہ ہندی نہ عراقی
اسلام کے نقشہ میں نہ قندھار نہ جمرود
ایمان کے سایہ میں خطائیں بھی ہیں مقبول
بے جذبِ یقیں نیکیٔ اعمال بھی مردود
غازی کے لئے ننگ ہے آرام کی روزی
شاہیں کی غذا سیب نہ انگور نہ امرود

سوزِ ناتمام

ہو جو احساس تو پتی بھی ہے تلوار کی دھار
چشمِ بینا ہو تو ذرّہ بھی ہے روشن قندیل
امتیں فتنۂ تہذیب سے ہوتی ہیں تباہ
اس میں بابل کے مکیں ہوں کہ بنی اسرائیل
اس سے جنگل کے درندوں کی ہے وحشت اچھی
عصرِ حاضر نے تراشی ہے جو تہذیبِ جمیل
زندگی نام ہے بس جذبۂ آزادی کا
یہ وہ نکتہ ہے کہ جس کی نہیں ممکن تحلیل
روحِ فرعون کو ہے ضربِ کلیمی کی تلاش
منتظر آج بھی ہے معجزۂ رودِ نیل

اردو

موجِ کوثر کی طرح نرم و رواں ہے اردو
طبعِ دشمن پہ مگر پھر بھی گراں ہے اردو
ہند والوں پہ ضروری ہے تحفظ اس کا
باہمی ربط و محبت کا نشاں ہے اردو
اس میں ملتی ہے خریدار کو ہر میل کی چیز
علم و آداب کی کیا خوب دکاں ہے اردو
اس کو چھیڑا تو بکھر جائے گا شیرازۂ دل
ہند ہے جسم تو اس جسم کی جاں ہے اردو
غالب و مومن و خسرو ہوں کہ تلسی و کبیر
سب کی کوشش سے زمانہ میں عیاں ہے اردو
جس نشیمن کی ہو تعمیر بہ اندازِ فساد
اس نشیمن کے لئے برقِ تپاں ہے اردو
کیا مٹائے گا کوئی اس کو مٹانے والا
دل میں، آنکھوں میں، خیالوں میں نہاں ہے اردو

اس کو قوموں کے تمدن نے کیا ہے پیدا
کون کہتا ہے کہ لشکر کی زباں ہے اردو
جو دیا جاتا ہے ہر ملک کو ذوقِ فطری
بس ۔اسی ذوق کی تفسیر و بیاں ہے اردو
اہلِ محفل تمہیں ماہرؔ کا سخن یاد رہے
ہمتیں اپنی جواں ہیں تو جواں ہے اردو

دو شعر

میرے حالِ دل کی کس صورت سے رسوائی ہوئی
روک لی ظالم نے ہونٹوں پر ہنسی آئی ہوئی

○

یاد جب ایّامِ رفتہ کی کہانی آ گئی
دیکھتا کیا ہوں کہ ہر شے پر جوانی آ گئی

نعماتِ ماہر

دانش و ہنر کی بزمِ مشورت

مغنّی:۔

جب یہاں کچھ بھی نہ تھا اس وقت بھی موجود تھی
روحِ موسیقی جسے انجیل کہتی ہے کلام[۱]
شہپرِ جبریل کی پرواز میں نغمہ ہے بند
لوگ سمجھے ہی نہیں اب تک مغنّی کا مقام
وہ صدائیں آج بھی دیباچۂ[۲] اخلاق ہیں
جن سے نکلا "اشرق البدرُ علینا" کا پیام
دستِ ماضی میں ہے سازِ ابتدا و انتہا
کاش مڑ کر دیکھ سکتے رہروانِ تیز گام
دل میں جذب و سوز کا طوفان ہونا چاہیے
ساز کی گت پہ بھی ہو سکتی ہیں تیغیں بے نیام
"نے" کو سن کر "پیرِ رومی" پردۂ محمل گرفت
بو علی بیٹھا ہوا، سوچا کیا علمِ کلام
جو نہ آئے وجد میں دو لاب[۳] کی آواز پر
ایسے کافر دل پہ ہے واللہ موسیقی حرام
صورِ اسرافیل میں ہے زندگی بھی موت بھی
سازِ ہستی کے ہیں دو پردے، تمام و نا تمام

مصور

پیکرِ آدم بنایا کس نے آب و خاک سے
میں یہ کہتا ہوں کہ قدرت خود ہے پہلا بت تراش
"احسنِ تقویم" کے سانچے میں ڈھل کر آدمی
بن گیا قدسی صفت ، شبنم فشاں و برقپاش
پھول، کانٹے، بلبل و طاؤس، قمری، زاغ و چرغ
یہ جہاں ہے خوب اور نا خوب تصویروں کا تاش
ڈال سکتی ہے مری صنعت گری ہر شے میں جان
شمع کا اشکِ چکیدہ ہو کہ پروانہ کی لاش
دم بخود ہیں سب مرے موئے قلم کے سامنے
خوشۂ انگور ہو یا سیبِ ایرانی کی قاش
یہ جہاں نقّاشِ فطرت کا ہے وہ نقشِ عجیب
راز تھا جس کو کیا ذوقِ خود آرائی نے فاش
حسن کی رنگینیوں سے سلب کر سکتا ہے روح
میری نازک انگلیوں کا اک ذرا سا ارتعاش
میں کہ نقّاشِ ازل کا رازدارِ خاص ہوں۔
میرے رتبہ کو سمجھ سکتا کوئی دنیا میں کاش!

فلسفی :-

میں نے غور و فکر سے کھولے ہیں وہ عقدے تمام
منحصر ہے جن پہ یہ دنیائے اسباب و عَلل
اس جگہ ہے توسنِ تخیئل میرا گرم رو
جس جگہ تقدیر کے بازو بھی ہو جاتے ہیں شل
مجھ سے پوچھو کس طرح پیدا ہوئی ہے کائنات
بزمِ ہستی "جنبشِ اول" کا ہے ردِّ عمل
ایک نا معلوم قوت کی ہیں بزم آرائیاں
مہر و مہ کے آشیانے یہ ستاروں کے محل
آدمی کا تجربہ خود ہے فریبِ وہم و ہوش
کون کہہ سکتا ہے ہر قانونِ فطرت کو اٹل
عقلِ اوّل، علّت و معلول، جوہر اور عرض
چند لفظوں سے کیا میں نے مسائل کو ہے حل
کس قدر محکم ہے میری قوّتِ نقد و نظر
زندگی تو زندگی ہے، کانپ جاتی ہے اجل
فلسفی ہی صرف بن سکتا ہے دنیا کا امام
ہے یہی منشا ابد کا، اور تقدیرِ ازل

شاعر

میرا اک اک شعر ہے نغمہ گر و نغمہ نواز
میں اگر چاہوں تو بج سکتے نہیں چنگ و رباب
وہ مصور جس کی دنیا پھول پتوں کے نقوش
وہ سمجھ سکتا نہیں بے تابیٔ روحِ گلاب
فلسفی اسباب کی ہے بحث میں الجھا ہوا
اس کے ذہن و فکر کی منزل ہے دیوانہ کا خواب
سینۂ گیتی کی دھڑکن مجھ کو دیتی ہے پیام
روحِ مستقبل کی لرزش مجھ سے کرتی ہے خطاب
نبضِ ہستی پر ہیں میری انگلیاں رکھی ہوئیں
گرمیٔ دل سے مری قائم ہے دنیا کا شباب
مجھ کو کرتے ہیں اشارے شعر کہنے کے لئے
ڈوبنے والے ستارے، ٹوٹنے والے حباب
کیا کہوں، کس سے کہوں، کیونکر کہوں اے ہم نشیں!
میری چشمِ شوق نے دیکھا ہے کس کو بے نقاب
سچ کہا ہے "شاعری جزویست از پیغمبری"
میری فطرت پر ہوئی نازل محبت کی کتاب

(فضا میں پر جلال لرزش پیدا ہوئی)

غیبی آواز:۔

کیا یہاں آئے ہو تم زور ، آزمائی کے لیے
خود فروشی، خود فریبی، خود ستائی کے لیے
شعر، نغمہ، فلسفہ اور صنعتِ صورت گری
صرف ہوتے ہیں جہاں میں خود نمائی کے لیے
اس جہاں کے اہلِ دانش اور اربابِ ہنر
جھوٹ کا پربت بنا دیتے ہیں رائی کے لیے
دانش و علم و ہنر کی سعیٔ پیہم کا ماٰل
یا بڑائی کے لیے ہے یا کمائی کے لیے
صرف تقویٰ ہے ترازو عظمتِ کردار کی
ہے یہی معیار انساں کی بڑائی کے لیے
آپ اپنے آرٹ کو تکلیفِ آرائش نہ دیں
ہم بہت کافی ہیں اس اپنی خدائی کے لیے
آدمی بارِ خداوندی اٹھا سکتے نہیں
بلبلے ساکن سفینوں کو چلا سکتے نہیں

(مغنی، فلسفی، مصور اور شاعر بے اختیار سجدے میں گر پڑتے ہیں)

آواز سننے کے بعد:۔

ہوش سے جاتے رہے چلتی زبانیں رک گئیں
آرٹ کی نازک جبینیں بہرِ سجدہ جھک گئیں

1- مقدس انجیل کی پہلی آیت۔

2- حضور نبی اکرمؐ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو اہل مدینہ نے آپ کا پرجوش استقبال کیا۔ معصوم لڑکیاں "اشرق البدر علینا من ثنیات الوداع" کا ترانہ گا رہی تھیں۔

3- کسانیکہ ایزد پرستی کنند، بہ آواز دولاب مستی کنند۔

4- لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم (القران)

5- باز اور شکرے کی قسم کا ایک پرندہ جسے عربی میں صقر کہتے ہیں۔

6- فلسفہ کی بعض بنیادی اصلاحیں۔

مجاہدینِ اسلام

عمرِ فاروقؓ

تیرے در پر جبّہ سا روم و مداین کا شکوہ
تیری ٹھوکر پر نچھاور، قیصر و کسریٰ کے تاج
اللہ اللہ! تو نے ٹوٹے بوریئے پر بیٹھ کر
سرکشوں سے نذر لی اور بادشاہوں سے خراج
کفر و بدعت کی ترے آتے ہی نبضیں چھٹ گئیں
تیری دانائی نے پہچانا زمانہ کا مزاج
تیری سطوت کا یہ عالم ہے کہ تیرے نام سے
کفر کے دل میں ہوا کرتا ہے اب بھی اختلاج
اٹھ کہ پھر انصاف کی گردن تہہِ شمشیر ہے
آ کہ پھر سارے زمانہ کو ہے تیری احتیاج

خالدؓ سیف اللہ

تو نے اسلامی حمیت کا دیا رنگیں ثبوت
خون کے بہتے ہوئے دریا میں گھوڑا ڈال کر
تو نے تنہا کفر کی فوجوں میں ہل چل ڈال دی
تیرا جوشِ عزم تھا بیگانۂ خوف و خطر
کفر کی شہہ رگ سے تھمتا ہی نہیں اب تک لہو
اللہ اللہ! تیری تیغِ حق پرستی کا اثر
تیرے دل کے حوصلے ناخوردۂ زخمِ شکست
تو جہاں پہنچا وہیں موجود تھی فتح و ظفر
آج بھی افسانۂ یرموک کی تازہ ہے یاد
سر کٹا دیتے ہیں اب بھی لوگ حق کے نام پر

طارقؒ

تیری بے باکی سے ہے تاریخ کو عظمت نصیب
تیری جرأت پر زمانہ آج تک کرتا ہے ناز
توڑ ڈالا تو نے پیرانِ کلیسا کا طلسم
تیرے آگے سر بہ سجدہ تھا صلیبوں کا فراز
اے تعال اللہ! ترے سازِ شجاعت کی صدا
جس نے قلبِ سنگ میں بھی کر دیا پیدا گداز
تیری پیشانی میں روشن شمعِ ایماں دیکھ کر
جھک گئے قدموں پہ تیرے راہبانِ پاکباز
آج بھی اندلس کا ہر ذرہ ہے تیرا منتظر
دیکھتے ہیں اب بھی تیرا راستہ اہلِ نیاز

محمد بن قاسمؒ

کمسنی کے بھیس میں مردانگی چھائی ہوئی
ہاتھ میں تلوار، ہونٹوں پر ہنسی آئی ہوئی
سندھ کے ظلمت کدے میں نور افشاں ہے کوئی
ابر کے دامن میں جیسے برق لہرائی ہوئی
کس نے دی للکار کر اللہ اکبر کی صدا
کفر کی آواز ہے کیوں آج تھرائی ہوئی
شرک نے قدرے تامّل سے نوایاسیس کو
شرک کی دیوی جھکی چرنوں میں شرمائی ہوئی
"آمد آں یارے کہ من می خواستم" بولی زمیں
اس ادا سے ہند میں تشریف فرمائی ہوئی

محمود غزنویؒ

جس طرف ڈالو نظر اغیار ہی اغیار ہیں
لشکرِ اعدا ہے یا برسات کی تاریک رات
"دور ہے غزنیں مگر جنّت کی منزل ہے قریب"
تھا یہ جملہ یا کہ پیاسوں کے لیے آبِ حیات
اُس طرف تھے نظمِ لشکر کے نگہباں سیکڑوں
اِس طرف تھی فوجِ اسلامی کی قاید ایک ذات
غازیوں نے بدر کا افسانہ تازہ کر دیا
آ گئے لغزش میں فوجِ کفر کے پائے ثبات
کعبہ والوں نے جو یورش کی بہ آئینِ جہاد
ایک ہی حملہ میں غارت تھا شکوہِ سومنات

صلاح الدین ایوبیؒ

تو نے آبِ تیغ کے ان کو دیئے بھر بھر کے جام
وقف جن کی زندگی تھی دورِ صہبا کے لیے
تو نے بتلایا کہ رک سکتی نہیں آوازِ حق
پست ہے ساحل کی رفعت جوشِ دریا کے لیے
تو نے سمجھایا عمل سے ربط ہے اسلام کو
ہے زمانہ صرف عزمِ کار فرما کے لیے
دل میں گرمی ہو تو ہر ذرہ جہانِ شوق ہے
ورنہ یاں کچھ بھی نہیں چشمِ تماشا کے لیے
تو نے توڑا تھا اقالیمِ ثلاثہ کا طلسم
تو سراپا قہر تھا بزمِ کلیسا کے لیے

ٹیپو شہیدؒ

آخری ہچکی نے دی اللہ اکبر کی صدا
نزع کے لمحات میں بھی تو نے کی باطل سے جنگ
تو نے کی تجدیدِ پیمانِ شہیدِ کربلا
تو نے فرمایا حفاظت جان کی ہے عذرِ لنگ
جان دی اور کس قدر مسرور ہو کر جان دی
موت تھی تیرے لیے گویا نگارِ شوخ و شنگ
تیغ کی جھنکار پر کرتی تھی تیری روح و جد
تیرے گوش و قلب تھے نا آشنائے عود و چنگ
وہ تو یہ کہیے کہ اپنے ہی پرائے ہو گئے
مٹ گیا تھا ورنہ سطحِ ہند سے نقشِ فرنگ

انور پاشاؒ

برف کو آتش بنا سکتی ہے جس کی ایک بوند
وہ شرابِ تند ساقی تیرے پیمانے میں ہے
تو نے سمجھایا کہ رازِ لطفِ عیشِ سرمدی
درحقیقت زندگی کی موت مر جانے میں ہے
زندگی کا لطف ایماں کی حفاظت کے لیے
جنگ کے میداں میں ہے، مقتل کے ویرانے میں ہے
اس حقیقت سے بنا میرے بھی دل کو آشنا
جو حقیقت کار فرما تیرے افسانے میں ہے
کاش وہ ساعت بھی آئے ہر مسلماں کہہ سکے
"جو ترے شیشہ میں ہے وہ میرے پیمانے میں ہے"

سعدؒ زاغلول

تیرے جوشِ عزم کے قربان میرے جان و دل
آبِ گنگا کی طرف بھی ایک موجِ رودِ نیل
تو نے مغرب کی سیاست کو کیا بے آبرو
تیرے آگے ہیچ تھیں باطل کی برہان و دلیل
ہو گئیں تیرے ارادے کے اثر سے پاش پاش
جبر کی جامد چٹانیں، ظلم کی محکم فصیل
عظمتِ قومی کا روشن آئنہ تیرا خیال
روحِ آزادی کے پیکر تیرے افکارِ جلیل
تو نے بتلایا اطاعت کفر ہے نمرود کی
آگ کو گلشن بنا سکتا ہے ایمانِ خلیل

جمال الدّین افغانیؒ

وحدتِ قومی کے او فاضل مبلّغ تیرے پاس
رفعتِ دریا بھی ہے، خود دارئ ساحل بھی ہے
اے تعال اللہ! تیری زندگی کا آئنہ
جس میں ماضی کی جھلک اور نورِ مستقبل بھی ہے
وہ ترا روشن تدبر وہ ترا حسنِ خلوص
تو بہ یک ساعت مفکر بھی ہے اہلِ دل بھی ہے
تو نے سمجھایا کہ یہ دنیا، یہ فانی روزگار
گلشنِ جنّت بھی ہے زندانِ آب و گل بھی ہے
کاروانِ ہند کو بھی اب ضرورت ہے تری
جو تھکا ماندہ بھی ہے آوارۂ منزل بھی ہے

محمد علی جوہرؒ

تیری ہر تحریر میں سوزِ جگر کی گرمیاں
تو نے ہر تقریر میں دل کا لہو ٹپکا دیا
جس فسانے میں ہے عشقِ بوذرؓ و سلماںؓ کا ذکر
تو نے اس افسانۂ دلچسپ کو دہرا دیا
قید خانہ کی فضا میں تو نے کڑیاں جھیل کر
روحِ استبداد کو گھبرا دیا، تھرّا دیا
برف کی سل آگ بن سکتی ہے جس کے سوز سے
تو نے افسردہ دلوں کو کس قدر گرما دیا
جس جگہ آسودہ ہیں اجسادِ پاکِ انبیا
اس فضائے قدس میں حق نے تجھے پہنچا دیا

مسلمان سے!

اے مسلماں! اے شہنشاہِ دو عالم کے غلام
نام تیرا صفحۂ ہستی پہ اک نقشِ دوام
یہ تری شانِ عبادت ، یہ ترا ذوقِ نماز
بارک اللہ! اے رضا جوئے خدائے بے نیاز
تیری پیشانی کے ہر خط سے عیاں نقشِ سجود
ہاتھ میں تسبیح لرزاں اور ہونٹوں پر درود
ذات سے تیری شریعت کو زمانہ میں ثبات
تجھ سے قائم ہیں جہاں میں روزہ و حج و زکوٰۃ
دیکھ اتنے نور پر بھی کس قدر ظلمت میں ہے
ان کی سیرت پر نظر کر جن کی تو امّت میں ہے
غایتِ دیں کو سمجھ قرآن کی آیات دیکھ
غور سے تاریخ پڑھ اور منظرِ غزوات دیکھ
حجرۂ نبویؐ میں آ اور درسِ جمہوری بھی دیکھ
غزوۂ خندق میں ان کی شانِ مزدوری بھی دیکھ
سجدۂ حق کے لیے شانِ جبیں سائی بھی دیکھ
بدر کے میداں میں ان کی رزم آرائی بھی دیکھ
باطل و حق کا احد میں حشر زا منظر بھی دیکھ
چہرۂ پُر نور کو ان کے لہو میں تر بھی دیکھ
کفر اور اسلام کی طائف میں آویزش بھی دیکھ
پتھروں کی ان کے جسمِ پاک پر بارش بھی دیکھ

ان کے بستر کا ذرا کلفت فزا عالم بھی دیکھ
حضرتِ فاروقؓ کی پھر اس پہ چشمِ نم بھی دیکھ
مسجدِ نبوی میں آ انبارِ مال و زر بھی دیکھ
اور پھر جا، مادرِ حسنینؓ کی چادر بھی دیکھ
کھل گیا کیا تجھ پہ رازِ اتباعِ مصطفیٰؐ
اب تو سمجھا تو کہ تیرا فرض ہے دنیا میں کیا
لا میں کچھ توضیح کر دوں اور ان اسرار کی
آ بتادوں تجھ کو رازِ عظمتِ دینِ نبی
کفر ہے مذہب میں تیرے عشرتِ دنیائے دوں
وقف ہونا چاہیے حق کے لیے مسلم کا خوں
پھول ہے واللہ جبر و ظلم کا اک اک شرار
موت کیا ہے زندگی کا ایک جامِ خوشگوار
تجھ کو ہر باطل کی قوت سے الجھنا چاہیے
موت کے کانٹوں کو فرشِ گل سمجھنا چاہیے
دردِ محکومی بنا دیتا ہے ایماں کو ضعیف
حریّت سے ہے عبارت عظمتِ دینِ حنیف
ہر پرستارِ وفا آزاد ہے آزاد ہے
حریّت اسلام کی بنیاد ہے بنیاد ہے
گرم بازاری جہاں میں پھر ہے استبداد کی
پھر گلے پر چل رہی ہے آدمیّت کے چھری
پھر دبانا چاہتا ہے حق کو باطل کا شکوہ
پھر مسلط ہو گیا دنیا پہ شیطانی گروہ

دیکھ لگ جائے نہ بٹہ دینِ حق کے نام کو
سربکف آ پھر ضرورت ہے تری اسلام کو
خانقاہوں کے سکونِ راحت افزا سے گزر
یعنی پھر لبیک کہہ تلوار کی جھنکار پر
خاکِ آزادی سے محکومی کے دریا پاٹ دے
یعنی تو نخلِ غلامی کی جڑوں کو کاٹ دے
پھر جھکا دے حق کے دروازے پہ ہر باطل کا سر
پھر حنین و بدر کے منظر جہاں میں پیش کر
پھر مٹا دے کفر کی بنیاد، مرحبؔ کو پچھاڑ
پھر دکھا ایمان کی قوت، درِ خیبر اکھاڑ
پھر ملا دے خاک میں شانِ غرورِ کافری
کفر کی دنیا پہ چھا بن کر جلالِ حیدری
دل تو کیا باطل کی تھرّا دے جہاں میں روح تک
کفر کے میداں میں تیغِ غزنوی بن کر چمک
ہے شکستِ جور دنیا کے لیے اک بہتری
امن کی تعمیر ہے تخریب استبداد کی
پھر زمانہ منتظر ہے امن کے پیغام کا
پھر تحفظ کر خدارا عظمتِ اسلام کا

جذبِ دروں

مرا جذبِ دروں ہے اب بھی محرومِ پذیرائی
ابھی ٹوٹا نہیں شاید طلسمِ وصل و تنہائی
میں آنکھیں بند اگر کر لوں جہاں تاریک ہو جائے
مرے حسنِ نظر سے ہے ترے جلووں کی رعنائی
مجسم عشق بن یا بے نیازِ آرزو ہو جا
جہانِ عاشقی میں یوسفی کر یا زلیخائی
مرے انفاس کی گرمی سے روشن ہیں زمانہ میں
چراغِ دَیر، فانوسِ حرم، شمعِ کلیسائی
مری ہستی کے ظاہر پر نہ جائیں دیکھنے والے!
میں قطرہ ہوں مگر دریا سے رکھتا ہوں شناسائی
اسی اک کشمکش پر ہے مدارِ عالمِ ہستی
ادھر ٹوٹا حباب اور اس طرف اک موج ابھر آئی
ابھی ذوقِ نظر کا اور ہے اک مرحلہ باقی
ابھی رقصاں فرازِ طور پر ہے برقِ سینائی
اسی نقطہ سے جذبِ عشق کا آغاز ہوتا ہے
جہاں پر ختم ہو جائے حدِ ادراک و دانائی
شگفتِ لالہ و گل موج ہے میرے تبسّم کی
مرے دم سے عنادل کی چمن میں نغمہ پیرائی
زمانہ میں کہیں صبر و سکوں بھی ہاتھ آتا ہے
بس اپنا رخ بدل دیتا ہے دردِ ناشکیبائی

محبت مصلحت اندیشیوں سے پاک ہوتی ہے
دلیلِ خام کاری ہے خیال و فکرِ رسوائی
قلندر کی نظر کا عالمِ پرواز کیا کہنا
کبھی سورج سے الجھی اور کبھی تاروں سے ٹکرائی
یہی آئینِ فطرت ہے یہی قانونِ قدرت ہے
کہ موجِ آب سے ہے برق کے شعلوں کی پیدائی
تجھے منظور کیا ہے اے مرے اندازِ استغنا
کلیمِ بو ذریؓ یا خلعتِ کسریٰ و دا رائی
اسی غارت گری پر کیا زمانہ ناز کرتا ہے
صبا گلشن میں جا کر پھول سے خوشبو اڑا لائی
وہ فکر و ذہن کی اک سعیٔ نا مشکور ہے ماہر
نہ ہو جس شعر میں جذبِ یقیں کی کار فرمائی

مسلمانِ عالم

مشعلِ راہِ ہدایت، وارثِ علمِ نبی
اس جہاں سے اُس جہاں تک روشنی ہی روشنی
گمرہوں کے واسطے اللہ کی روشن دلیل
حاملِ ناموسِ وحدت، صاحبِ عزمِ خلیل
جس کی سیرت سطوتِ فاروقؓ و فقرِ بو ترابؓ
حق و باطل کی کسوٹی جس کی چشمِ انتخاب
جس کی بزمِ دل کی رونق سوزِ صدیقؓ و بلالؓ
مصلحت اندیشیوں سے پاک ہے جس کا خیال
زینتِ محراب و منبر گرمیٔ بدر و حنین
بو ذرؓ و سلماںؓ کا - ایماں جرأتِ قلبِ حسینؓ
احمدِ حنبلؒ کی حق گوئی کی دنیا میں نظیر
فکرِ حمّاد و غزالی بو حنیفہؒ کا ضمیر
جس کا دل پاتا ہے مشکوٰۃِ نبوت سے فروغ
جذب کر سکتا نہیں جس کو سیاست کا دروغ
حاملِ قرآں، حدیثِ مصطفیٰؐ کا راز داں
منزلِ علم و ہدایت کا امیرِ کارواں
جس کے ایماں کی نظر میں ہے بس اک مشتِ غبار
ابنِ رشد و بو علی سینا کی عقلِ خام کار
جس کی ایمانی فراست کے ہیں اک ادنیٰ غلام
منطق و فنِ معانی، فلسفہ، علمِ کلام

جو مفسر ہے جہاں میں دین کے احکام کا
جو مبلغ ہے خدا کے آخری پیغام کا
جس کی ٹھوکر پر نچھاور افسری و سروری
سر سے پا تک اتّباعِ سنّتِ پیغمبری
جس کی دنیا صرف قال اللہ اور قال الرسول
جو بنا سکتا ہے ظلم و جہل کے کانٹوں کو پھول
بے نیازِ جاہ و منصب، صاحبِ ملکِ یقیں
جس کو سونے کی چمک ہموار کر سکتی نہیں
جو ہے مستغنی عنایاتِ وزیر و شاہ سے
جس کی امیدیں ہیں وابستہ فقط اللہ سے
قیصر و کسریٰ بھی جس کا سر جھکا سکتے نہیں
انقلاباتِ جہاں جس کو ڈرا سکتے نہیں
دہر کا آقا، غلامِ رحمتہ اللعٰلمیںؐ
پیکرِ خلق و مروّت، واقفِ اسرارِ دیں
موت آنے پر بھی وہ مردِ نکو مرتا نہیں
بانٹتا ہے علم کو سودا گری کرتا نہیں

یقین و عمل

یقین پردۂ اسرار چاک کرتا ہے
یقیں کا نام ہے قلب و نظر کی آگاہی
وہ فلسفہ ہو کہ علمِ کلام یا منطق
بغیر جذبِ یقیں ہے تمام گمراہی
اسی کے واسطے گردش میں ہیں مہ و افلاک
وہ فقر جس سے لرزنے لگے شہنشاہی
یہ دل ازل سے جری ہے پر اس کو کیا کیجئے
سکھا دیئے ہیں خرد نے طریقِ روباہی
مجھے پسند نہیں ہے یہ مسلکِ تقدیر
اسی کا نام ہے فکر و عمل کی کوتاہی
نہ مجھ سے سن مری روداد اس میں شامل ہے
فغانِ نیم شبی، نالۂ سحر گاہی
فرنگ جلوہ دِگر داد رسمِ آذر را
حذر ز اہلِ سیاست اگر خدا خواہی
جہاں کو ایسے مجاہد کی پھر ضرورت ہے
کہ جس نے چھاؤں میں تیغوں کے لی ہو انگڑائی
وہ فقر جس نے مداین سے تاج چھین لیا
اسی کو ڈھونڈھ رہا ہے شکوہِ دارائی
یہ کیا کہا کہ غلامی میں سخت ہوں مجبور
یہ تیرا عذر ہے ناقابلِ پذیرائی

پناہ مانگ رہا ہوں میں اس تمدّن سے
متاع جس کی ہو رخسار و لب کی رعنائی
محبت ایک حقیقت ہے جس کی دنیا میں
نہ فکرِ سود و زیاں ہے نہ خوفِ رسوائی
میں اس نگاہ کو پہچان ہی گیا سرِ حشر
ازل کے روز کی کام آ گئی شناسائی
بہ ہر نگاہ نما یم ترا رخِ فردا
اگر زخانۂ امروزِ خود بروں آئی

پھول اور انگارے

امیر کا مکان:۔

ریشمیں پردے دروں کی بیل پر ہلتے ہوئے
مخملی قالین کیا ہیں پھول ہیں کِھلتے ہوئے
شربتی فانوس، رنگیں جھاڑ، بجلی کے کنول
روشنی اتنی کہ جیسے دھوپ آئی ہے نکل
جگمگاتے قمقمے ہیں کہکشاں در کہکشاں
قدِّ آدم آئنوں میں کوندتی ہیں بجلیاں
خوشنما گلدان، رنگیں جام، چاندی کے گلاس
کی گئی ہے صَرف آرایش پہ دولت بے قیاس
نقرئی صوفوں کے گل بوٹے ہیں فردوسِ نظر
دعوتِ نظّارہ دیتے ہیں مطلاّ بام و در
مرمریں میزوں پہ گلدستے قطار اندر قطار
کس قرینے سے ہیں آویزاں مرقعے زرنگار
رنگ و روغن سے ہیں دیواروں کے سینے جلوہ گر
اس مکاں کو عیش منزل کہیے یا آرام گھر
نرم بستر کی مسہری، خوش نما الماریاں
دہرِ فانی میں سدا رہنے کی ہیں تیاریاں
سرخ پردوں میں ٹکی ہیں موتیوں کی جھالریں
رات کو دن کر رہی ہیں قمقموں کی تابشیں
فرشیاں رکھی ہوئی ہیں اور سگرٹ کیس بھی

اک نرالی شان ہے اپنی جگہ ہر چیز کی
چاندنی پر ایک سلوٹ بھی نظر آتی نہیں
اس مکاں کا فرش ہے یا چاند تاروں کی زمیں
جھلملاتے ہیں سنہری عطر دانوں کے غلاف
قابلِ نظّارہ ہیں مرمر کی جالی کے شگاف
گا رہی ہے گیت سے بجلی کے پنکھوں کی ہوا
پھول کے گجروں سے کس درجہ معطّر ہے فضا
مغربی تہذیب بھی ہے ' مشرقی انداز بھی
تمکنت بھی ' سادگی بھی ' سوز بھی ہے ساز بھی
دیدنی ہیں نوکروں کی جگمگاتی وردیاں
کس تکلف سے چمکتی ہیں سنہری پیٹیاں
کس قرینہ سے صف آرا ہیں کمر بستہ غلام
اللہ اللہ! اس مکاں کا طمطراق و اہتمام
دست بستہ سر جھکائے ایستادہ ہیں ندیم
یعنی وہ وابستگانِ دامنِ فیضِ عمیم
جن کی فطرت زر پرستی' جن کی دنیا "جی حضور"
جن کے سایہ سے بھی رہنا چاہیے انساں کو دور
جن کی باتوں کی گھلاوٹ' جن کے ہونٹوں کی ہنسی
سحر کارانہ بناوٹ' ایک جھوٹی زندگی
جو بنا سکتے ہیں اک انسان کو پروردگار
جن کی روزی کا جہاں میں چاپلوسی پر مدار
جمع ہیں کچھ بندگانِ زر پرست و بے ضمیر

جمگھٹے میں ان کے بیٹھا ہے امیر ابنِ امیر
انتہائی پرتکلف اور معطر ہے لباس
کس قدر اسبابِ آرائش ہے اس کے آس پاس
گڑگڑی چاندی کی ہونٹوں میں دبی ہے ناز سے
مخملی صوفے پہ بیٹھا ہے عجب انداز سے
جس کے نتھنوں سے نکلتے ہیں تکبر کے شرار
جس کے تیور اس کی فطرت کے ہیں خود آئینہ دار
جس کے ماتھے کی شکن سے کپکپا جاتے ہیں لوگ
جس کی محفل میں بڑی تعظیم سے آتے ہیں لوگ
جس کو لوگوں نے دیا ہے "انّ داتا" کا خطاب
جس کی باتوں پر نہیں ہوتی مجالِ احتساب
جس سے کر سکتا نہیں کوئی سرِمو اختلاف
جس کی آنکھوں پر چڑھائے ہیں خوشامد نے غلاف
بند ہیں جس کے خزانے بدنصیبوں کے لیے
ٹھوکریں ملتی ہیں جس کے یاں غریبوں کے لیے

غریب کا گھر:۔

مونج کی رسّی یہاں بانسوں پہ ہے لپٹی ہوئی
پست دیواروں پہ اک بودی سی چھت رکھی ہوئی
فرش ناہموار، بوسیدہ ہیں چھپر کے ستوں
شرم آتی ہے اسے میں کس زباں سے گھر کہوں

طاق میں رکھا ہوا ہے ٹمٹماتا سا چراغ
اس مکاں کی ہے فضا ناواقفِ عیش و فراغ
بکریوں کے پاس ہی بچھّی ہوئی ہے ایک کھاٹ
جس کے سرہانے رکھا ہے ایک بوسیدہ سا ٹاٹ
چند برتن، چھاج، چھلنی اور لوہے کی پرات
بس یہی لے دے کے اس گھر کی ہے ساری کائنات
بیچ کے کوٹھے کی کھونٹی پر ٹنگی ہے ڈولچی
ہر طرف چھائی ہوئی ہے مفلسی ہی مفلسی
ایک کونے میں رکھا ہے پھاوڑا، کھرپا کدال
جا بجا بکھرا ہوا ہے پھونس سینکیں اور پیال
چند مٹّی کے سکورے، چند پانی کے گھڑے
صحن میں ٹوٹی ہوئی اینٹوں پہ ہیں رکھے ہوئے
اک پھٹی دوہر ذرا اجلی سی آتی ہے نظر
ورنہ سچ یہ ہے دھوئیں میں رچ گیا ہے گھر کا گھر
ایک مٹی کا گھڑا رکھا ہے چولھے کے قریب
اس مکان کے رہنے والوں کا جسے کہئے نصیب
راکھ پر اوندھی پڑی ہے ایک پھوٹی سی چلم
ذرہ ذرہ پر یہاں کے یہ عبارت ہے رقم
ایں سیہ خانہ شعاعِ نیّرِ عشرت نہ دید
کس دریں آبادیٔ ویراں گلِ راحت نہ چید
ایک بوڑھا آدمی بیٹھا ہوا ہے کھاٹ پر
ہاتھ میں رسی کے ٹکڑے بکریوں پر ہے نظر

وائے محرومی! کہ ہے کل کائنات اس کی یہی
ایک میلا سا انگوچھا، اک پھٹی سی مرزئی
جھرّیاں چہرے پہ پنڈلی کی نسیں ابھری ہوئیں
زرد چہرہ، جسم لاغر، ہڈیاں نکلی ہوئیں
ڈالتا ہے گھر کے ساماں پر نگاہیں بار بار
سوچتا ہے کس طرح نبٹے گا بنیے کا ادھار
بیاہنے کے واسطے بیٹھی ہیں گھر میں بیٹیاں
جن کی قسمت میں لکھا ہے چھاج چولھا سختیاں
رہ گئی ہے گھٹ کے سینوں میں جوانی کی امنگ
جن کی امیدوں پہ یہ دنیائے آب و گل ہے تنگ
بجھ چکا ہے خود بخود جن کی مسرت کا چراغ
رنج و کلفت کے اثر سے جن کے دل ہیں داغ داغ
غم کے ہاتھوں جن کا اس دنیا میں رہنا پاپ ہے
یہ انہی معصوم کنواری لڑکیوں کا باپ ہے
جو بہاتا ہے پسینہ چلچلاتی دھوپ میں
موت جس پر ہنس رہی ہے زندگی کے روپ میں
اس بڑھاپے میں بھی جس کو چین مل سکتا نہیں
جن کی دنیا کھیت، تھوڑا سا نمک، نانِ جویں
یہ تمدّن جس کو ٹھکراتا ہے اک اک گام پر
بھیک بھی ملتی نہیں جس کو خدا کے نام پر

خدائے ذوالجلال سے:۔

اے خداوندِ کہہ ومہ اے خدائے ذوالجلال
اہلِ دولت کر رہے ہیں مفلسوں کو پائمال
چھارہا ہے دہر پر سرمایہ داری کا غرور
اس جہاں میں رہ نہیں سکتا کوئی مردِ غیور
زندگی فریاد و ماتم ہے غریبوں کے لیے
یہ تری دنیا جہنم ہے غریبوں کے لیے
تیرے بندے آج بھی پامال ہیں برباد ہیں
اس جہاں میں سیکڑوں نمرود اور شدّاد ہیں
اہلِ دولت یعنی وہ نادار بندوں کے خدا
بندھ رہی ہے دہر میں جن کے تکبر کی ہوا
ہو گئے ہیں سخت پتھر سے سوا جن کے ضمیر
جو سمجھتے ہیں غریبوں، زیر دستوں کو حقیر
جن کے مذہب میں کسی پر رحم کھانا ہے گناہ
مسکرا دیتے ہیں جو سن کر غریبوں کی کراہ
جن کے در پہ جبہ سا ہوتے ہیں نادار و ضعیف
جن کی نخوت بن گئی تیری خدائی کی حریف
جوش میں آئے گی آخر کب تری شانِ جلال
تا بکے یہ بے نیازی اور اظہارِ جمال

راس آئی ہے یہ دنیا دولتِ بے سود کو
ڈھیل دی جائے گی کب تک طاقتِ نمرود کو
ابرِ رحمت میں رہے گی تابکے برقِ عتاب
نخوتِ دولت کو کب دے گی تری غیرت جواب
تیرا دریائے غضب ہوتا نہیں موّاج کیوں
پرچمِ سرمایہ داری کیا نہ ہو گا سرنگوں
تجھ کو کہتا ہے زمانہ مال داروں کا خدا
ہے تلاطم میں تری انمٹ خدائی کی فضا
لوگ کہتے ہیں خدا اب دخل دے سکتا نہیں
سرکشوں کے ظلم سے بدلہ بھی لے سکتا نہیں
قہر کے پرشور طوفاں کس لیے آتے نہیں
میرے مولا! مجھ سے یہ طعنے سنے جاتے نہیں

اقبالؒ

دلوں کی وادیوں میں پھول برساتا ہوا آیا
حجازی "لے" میں نغمہ ہند کا گاتا ہوا آیا
کہا لبیک اس کے شعر پر کلیوں نے ہنس ہنس کر
نسیمِ صبح کی مانند اٹھلاتا ہوا آیا
شگفتِ لالہ و گل اس کی فطرت کا تھا آئینہ
وہ بوئے گل سے ہر وادی کو مہکاتا ہوا آیا
وہ شاعر جس کے نطقِ شعر کا احساں ہے اردو پر
ادب کی زلفِ ژولیدہ کو سلجھاتا ہوا آیا
جو باتیں رہ گئیں تھی فکرِ عطارؒ و سنائیؒ سے
انہی باتوں کی وہ تکمیل فرماتا ہوا آیا

نظر آزاد، دل بے باک، فکر و ذہن بے پایاں
خودی کا پرچمِ رنگین لہراتا ہوا آیا
ہوا نازل زمینِ ہند پر "بانگِ درا" بن کر
وہ آیا اور ہر سوتے کو چونکاتا ہوا آیا
قلندر کی زباں میں اس نے دی تعلیمِ آزادی
مجاہد کی طرح تلوار چمکاتا ہوا آیا
خرد کی مصلحت اندیشیوں کو اس نے ٹھکرایا
جنونِ عشق کے اسرار سمجھاتا ہوا آیا
کہا اس نے امیری بے فقیری ہو نہیں سکتی
وہ جبر و ظلم کی طاقت کو ٹھکراتا ہوا آیا
"خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے"
وہ ان اسرار کو شعروں میں سمجھاتا ہوا آیا
کہا اس نے مسلماں موت سے ڈرتا نہیں ہرگز
فسانہ حضرتِ ٹیپو کا دہراتا ہوا آیا
کلیمی ضرب کی تاثیر تھی اس کے تکلّم میں
ہر فرعون کی قوّت سے ٹکراتا ہوا آیا
وہ شاعر مردِ خود آگاہ، تہذیبِ فرنگی کو
حجازی تیغ کا آئینہ دکھلاتا ہوا آیا
جبیں میں اس کی رخشاں تھا جلالِ شانِ فاروقی
غلامی کی فضا میں گرچہ شرماتا ہوا آیا

وہ آتش جس کے سینہ میں ہے گرمی سوزِ بو ذرؓ کی
اسی سے دل کی خاکستر کو گرماتا ہوا آیا
دیا تھا جو پیامِ زندگی نطقِ محمدؐ نے
اسی پیغام کو اقبال دہراتا ہوا آیا

دعوتِ عمل

یہ دشت و کوہ یہ محراب و در ہیں بے حاصل
نگاہِ شوق الجھتی ہے آسمانوں سے
بھنور کی زد سے نکل جائیں تو کرامت ہے
وہ کشتیاں کہ جو قایم ہیں باد بانوں سے
حدیثِ عشق ہے، جذبِ کمال و کیفِ تمام
کہ جو ادا نہیں ہوتی کبھی زبانوں سے
ہے اس کے جوہرِ ذاتی میں زندگی غلطاں
وہ آبگینہ جو ٹکرا گیا چٹانوں سے
خرد پہ کس لیے حاصل جنوں کو ہے ترجیح
یہ بھید پوچھ محبت کے نکتہ دانوں سے
وہ تیر سینۂ چقماق کو بھی برما دیں
نکل گئے جو لچکتی ہوئی کمانوں سے
یہ بجلیاں ہیں ترے گھر کے واسطے صیّاد
نکل رہے ہیں شرارے جو آشیانوں سے

وہ کیا کسی کو دکھائے گا راستہ حق کا
امیدِ خیر ہو جس کو نگار خانوں سے
محبت اور ہوس میں ہے بُعدِ ارض و سما
یہ بھید چُھپ نہ سکے کاش نوجوانوں سے

کمسن مزدور

سر کی ٹوپی دھجیاں کرتہ کا دامن تار تار
اک پھٹا بورا بغل میں اور چہرے پر غبار
بال بے ترتیب، ننگے پاؤں اور ناخن دراز
محنتوں سے ہو گیا ہے سخت، شانوں کا گداز
جا بجا سے ہے شکستہ ملگجی دھوتی کی کور
سن رہا ہے ہر قدم پر خوانچے والوں کا شور
چال میں افتادگی سی، گنگناہٹ مضمحل
کتنا دھندلا ہو گیا ہے گرد سے ٹھوڑی کا تِل
اک جلی بیڑی کا ٹکڑا کان پر رکھا ہوا
جا رہا ہے موٹروں کی بھیڑ سے بچتا ہوا
سختیوں سے پھول سے رخسار کملائے ہوئے
کمسنی میں دل پہ غم کی چوٹ سی کھائے ہوئے
دکھ کی بپتا کہہ رہی ہیں بھیگنے والی مسیں
فرطِ محنت سے ابھر آئی ہیں پنڈلی کی نسیں
اس کے رخساروں نے کی ہے دھوپ کی شدت سے جنگ
کتنا پھیکا پڑ گیا ہے پھول سے چہرے کا رنگ
یہ زمانہ اور یہ محنت کی شدت ہائے! ہائے!
ایک نازک دل پہ اور بارِ مصیبت ہائے! ہائے!

روح افسردہ، جگر مجروح، اور سینہ فگار
نوجوانی کی تمناؤں کا اک زندہ مزار
موٹروں میں، بگھیوں میں اہلِ دولت ہیں رواں
کھا رہا ہے سیکڑوں بل جن کی سگرٹ کا دھواں
جا رہا ہے دیکھتا ہر سو نمائش کا سماں
شیروانی، کوٹ، مفلر، پائے تابے، دستیاں
عینکیں آنکھوں میں اور ہاتھوں میں چھڑیاں خوشنما
کبر کے پتلے اکڑتے پھر رہے ہیں جا بجا
قیمتی گھڑیوں کو دیکھا جا رہا ہے بار بار
دستیاں جیبوں میں ہیں ہونٹوں میں انگریزی سگار
ایک دنیا ہے کہ دولت کے نشہ میں چور ہے
سخت مشکل میں ہمارا نوجواں مزدور ہے
چند بچے کھیلتے ہیں ایک دوکاں کے قریب
روضۂ جنت کے غلماں، خوش جمال و خوش نصیب
ناز کے پالے ہوئے بیگانۂ اندوہ و یاس
مسکراتے ہونٹ، آنکھیں سرمگیں، اجلے لباس
رک گیا مزدور اس جا گرچہ دل میں تھی جھجک
کھیلتے بچوں کو وہ دیکھا کیا، کچھ دیر تک
شوخیاں دیکھا کیا، خوش فعلیاں دیکھا کیا
کمسنی کی بے نیازی کا سماں دیکھا کیا
تھی ابھی مزدور کی مصروفِ نظّارہ نگاہ
ناگہاں کچھ سوچ کر اس نے بھری اک سرد آہ

تلملا اٹھا نگاہوں میں اندھیرا چھا گیا
اپنے بوڑھے باپ کا فاقہ اسے یاد آ گیا
اپنے بورے کو سنبھالا اور وہاں سے چل دیا
کھیلتے بچوں پہ مڑ مڑ کر نگاہیں ڈالتا
ایک چوراہہ پہ پہنچا دل شکستہ دل فگار
بٹ رہے تھے جس جگہ اک سینما کے اشتہار
تھی وہاں لوگوں کے مجمع کی بہت ہی ریل پیل
کہہ رہے تھے سینما والے نیا آیا ہے کھیل
ہاتھ اس نے بھی بڑھا کر لے لیا اک اشتہار
جس پہ تھی منقوش تصویرِ عروسِ زر نگار
پہلے دیکھا خود کو، پھر تصویر پر ڈالی نظر
ہوک سی اٹھی جگر میں ہو گئیں پلکیں بھی تر
مفلسی کا دھیان آنا تھا کہ کاغذ چھٹ پڑا
کمسنی کی بے نیازی کو پسینہ آ گیا،
آسماں کی سمت دیکھا اور ٹھنڈی آہ کی
شام ہونے کو تھی خالی ہاتھ گھر کی راہ لی
ہوشیار! اے اہلِ دولت آ رہا ہے انقلاب
جس کے آگے عظمتِ اہرام ہے موجِ سراب
اطلس و دیبا کے پردے چاک ہو جانے کو ہیں
کرسیاں، گلدان، صوفے خاک ہو جانے کو ہیں
کھل گئے دنیا پہ اسرارِ طلسمِ سامری
کام دے سکتی نہیں الفاظ کی جادوگری

شاہد و مے، رقص، نغمے، بوئے گل، ظرفِ چمن
جگمگاتے ہوٹلوں میں اختلاطِ مرد و زن
عیش و راحت کے یہ ساماں، خواہشوں کے اہتمام
کر رہے ہیں آخری، دنیا کو جھک جھک کر سلام
اہلِ دولت کی نہ اب مزدور لاتیں کھائیں گے
خونِ دہقاں سے نہ تختے گل کے سینچے جائیں گے
ساری دنیا ظلم سے آزاد ہو جانے کو ہے
جنتِ شدّاد اب برباد ہو جانے کو ہے
اب کسی کے سامنے مزدور جھک سکتا نہیں
آنے والا انقلاب آئے گا رُک سکتا نہیں

پیام

وہ تیغ ہے دراصل مسلماں کی وراثت
جو تیغ کہ اقوام کی تقدیر بدل دے

تو رزم کا خُوگر ہے تجھے بزم سے کیا کام
تہذیب کے ہر پھول کو چٹکی سے مَسَل دے

پھر نانِ جویں مایلِ خیبر شکنی ہے
اے کاش! خدا پھر تجھے توفیقِ عمل دے

کب تک خس و خاشاک کی الجھن میں رہے گا
طوفان ہے تو الوند کی چوٹی سے گزر جا

دنیا تجھے مرنے کی بھی مہلت نہیں دے گی
ناموسِ محمدؐ پہ جو مرنا ہے تو مرجا

مردِ مومن

کھل جاتی ہے اک آن میں مومن کی نظر سے
تدبیر کی گتھّی ہو کہ تقدیر کی پیچاک
ہر سانس کی آواز ہے اک نعرۂ تکبیر
تلوار کا جوہر ہے مسلمان کا ادراک
اس آگ کے شعلے دلِ مسلم میں ہیں غلطاں
وہ آگ جو بجلی بھی ہے اور موجۂ نمناک
لاتا نہیں خاطر میں یہ طوفان کے شورش
اللہ نے بخشی ہے اسے جرأتِ بے باک
مسلم کی ترقی میں ہے فطرت کا توازن
برسات میں جیسے کوئی دانا ہو تہہِ خاک
مومن کی فقط جوہرِ فطرت پہ نظر ہے
رنگینیٔ لالہ ہو کہ بے رنگئی خاشاک
یہ چاہے تو ذروں کو ستاروں سے ملا دے
اک کھیل ہے مومن کے لیے گردشِ افلاک
اس حال میں بھی قیصر و کسریٰ پہ ہے بھاری
ٹوٹی ہوئی تلوار، پریشان، قبا چاک
کونین پہ ہے مردِ مسلماں کی حکومت
ہے بندۂ اللہ غلامِ شہِ لولاک

منکرِ وحی سے خطاب

صفاتِ حق کو صفاتِ بشر سے کیا نسبت
زلالِ سادہ کو آبِ گہر سے کیا نسبت
نبیؐ کو شہد کی مکھی کا ہمنوا نہ سمجھ
سوادِ شام کو نورِ سحر سے کیا نسبت
فضائے قدس پہ اس دہر کا قیاس نہ کر
حریمِ عرش کو محرابِ و در سے کیا نسبت
اگرچہ بادِ بہاری کا فیض یکساں ہے
گیاہِ خشک کو گل ہائے تر سے کیا نسبت
تو دیکھتا ہے ہر اک شے کو مادّہ بن کر
تری نگاہ کو میری نظر سے کیا نسبت
فضائے دشت کو رنگِ چمن سے کیا نسبت
ذلیل خس کو گلِ یاسمن سے کیا نسبت
بغیر نطق بھی ممکن ہے گفتگو و پیام؟
کلامِ حق کو زبان و دہن سے کیا نسبت
جس انجمن میں چراغِ یقیں فروزاں ہے
ترے خیال کو اس انجمن سے کیا نسبت

○

حدیثِ دین کو بازیچۂ ادب نہ بنا
کلامِ حق کو دلی جوش کا سبب نہ بنا
دلیل و عقل سے افکار کے صنم نہ تراش
ہوائے نفس کی لذّت کو اپنا رب نہ بنا
ادب کی آڑ میں دے کر پیامِ گمراہی
تمام دہر کو بو جہل و بو لہب نہ بنا

○

تری خرد نے یقیناً" فریب کھایا ہے
کلامِ حق کو کلامِ بشر سمجھتا ہے
ترے ضمیر کو لذت نہیں یقیں کی نصیب
نگاہِ غیر سے قرآں کو تو نے دیکھا ہے
سکونِ قلب کا "ایمانِ غیب" پر ہے مدار
کلام و فلسفہ! یہ سب خرد کا دھوکا ہے
محمدِ عربی کی پیمبری کی قسم
تجھے خبر ہی نہیں پیمبری کیا ہے

افکارِ جلیل

ترے حسن نے دئے ہیں وہ پیامِ غائبانہ
کہ یقین بن گیا ہے مرا ذوقِ کافرانہ
ہے اسی کی جستجو میں یہ کشاکشِ زمانہ
وہی فقرِ مردِ مومن کہ ہے سرمدی خزانہ
ابھی دشتِ کربلا میں ہے بلند یہ ترانہ
یہی زندگی حقیقت، یہی زندگی فسانہ
مری آنکھ ڈھونڈھتی ہے نگہِ قلندرانہ
کہ ضمیرِ اہلِ دانش ہے عیارِ تاجرانہ
مجھے کیا خبر کہ تو نے کبھی مے کشی بھی کی تھی
تری آنکھ میں نہیں ہے اثرِ مئے شبانہ
وہ فقیہہِ کور باطن ہے عدوئے دین و ملت
کسی خوفِ دنیوی سے جو تراش دے بہانہ
ترا کام تن کی پوجا، مرا کام من کی سیوا
مجھے جستجو یقیں کی تجھے فکرِ آب و دانہ
مرے شوقِ مضطرب سے ہے رواں نظامِ ہستی
جو ٹھہر گئی محبت تو ٹھہر گیا زمانہ

مجھے سایۂ ہما کی نہ تلاش ہے نہ ہو گی
کہ ہما کی زندگی میں ہے نیازِ راہبانہ
ترا خار و خس پہ تکیہ، مرا عشق پر بھروسا
مجھے برق سے محبت، تجھے خوفِ آشیانہ

مرے جذبِ دل کو ماہر کوئی کیا سمجھ سکے گا
مری شاعری کی حد سے ابھی دور ہے زمانہ

نوائے سروش

صوفی کی ہے معراج بس اک نعرۂ یا ہُو
اور مردِ مجاہد کی زباں قوتِ بازو
رحمت کا تصور ہے بہت خوب مگر دوست!
اللہ کے انصاف کی محکم ہے ترازو
جب تک نہ گلستاں میں ہوں پھولوں کے جگر چاک
اربابِ چمن رہتے ہیں بیگانۂ خوشبو
محکومی و درماندگی ہے سب سے بڑا شرک
اِس نکتۂ توحید سے آگاہ نہیں تو
محکوم کی فردوس نقوشِ پرِ طاؤس
آزاد کی دنیا ہے مسلسل رمِ آہو
افسوس کہ تو بھول گیا اپنی حقیقت
تلوار کا پانی ہے ترے درد کی دارو
او بندۂ خواہش! یہ کوئی زیست نہیں ہے
جذبات پہ قدرت نہ تمناؤں پہ قابو
منجدھار میں ڈوبی ہے سدا ظلم کی کشتی
اک قہر کا طوفان ہے مظلوم کا آنسو
کالج کی فضا کو کہیں مسموم نہ کر دے
زیبائیِ رخسار یہ آرائشِ گیسو
جس آنکھ میں قرآن کے انوار ہوں غلطاں
اس آنکھ پہ چلتا نہیں تہذیب کا جادو

صبحِ چمن

وہ جاڑے کی رُت اور صبحِ چمن — رو پہلی فضا میں سنہری کرن
وہ کہرے کی چادر بہت ہی مہین — دھندلکا مگر بے نہایت حسیں
اجالے میں کہرا نکھرتا ہوا — سحر کا تبسم بکھرتا ہوا
اندھیرا چھٹا دھوپ چڑھنے لگی — حرارت بتدریج بڑھنے لگی
ہوا ڈالیوں سے جو ٹکرا گئی — کلی کے لبوں پر ہنسی آ گئی
ابھرنے لگے پھول کے خط و خال — نکھرنے لگا گلستاں کا جمال
چمک کر جو غنچوں نے آواز دی — گلوں کی مہک نے بھی انگڑائی لی
ہوائیں چلیں گیت گاتی ہوئیں — بہکتی ہوئیں لڑکھڑاتی ہوئیں
وہ سبزے کی بدمست انگڑائیاں — مچلتی ہوئیں سبز پرچھائیاں
ہواؤں میں اڑتی ہوئیں تتلیاں — پلک مارتے ہی یہاں سے وہاں
پرندوں کے نغمے وہ بھونروں کے گیت — تخیل کی ہر گام پر ہار جیت
کہیں بلبلوں کے ترانوں کا رنگ — کہیں فاختاؤں کے نغموں کی چنگ
روپہلی روپہلی چنبیلی کے پھول — محبت کے جس طرح سادہ اصول
گلوں کے کٹورے چھلکتے ہوئے — گہر ہائے شبنم ڈھلکتے ہوئے
گلستاں کی زینت مہکتے گلاب — کہ جیسے عروسِ نوی کا شباب
دمکتے کنول، مسکراتے کنول — ہر اک پھول اک مطلعِ بر محل

درختوں کے پتے ہیں یا مور چھل
ہر اک شاخ حافظ کی رنگیں غزل

لہکتی ہوئی عشق پیچاں کی بیل
کہ جنگل میں جیسے ہرن کی کلیل

وہ جنت جو ملٹن سے کھوئی گئی
یہاں ہر کلی میں سموئی گئی

نظر پھول کو چوم کر رہ گئی
فضائے چمن جھوم کر رہ گئی

سرودِ نشاط

گھٹا بھی چھائی ہے فصلِ بہار ہے ساقی
اب اس کے بعد تجھے اختیار ہے ساقی
تجھے بھی یاد وہ قول و قرار ہے ساقی
کہ میری پیاس ابھی تک ادھار ہے ساقی
ترے گلے میں جو پھولوں کا ہار ہے ساقی
یہی تو حاصلِ فصلِ بہار ہے ساقی
شرابِ ناب سے اتنا مزاج ہے مانوس
کہ بوئے گل بھی مجھے ناگوار ہے ساقی
یہ جلترنگ کے نغمے یہ ساغروں کی کھنک
زمانہ تیرے لیے سازگار ہے ساقی
تری نگاہ کی مستی ارے معاذ اللہ
اس ایک جام کا اب تک خمار ہے ساقی
ادھر سے تو بھی کوئی جامِ آتشیں چھلکا
گھٹا کی چھاؤں سرِ کوہسار ہے ساقی
شکستِ جام کی آواز کو سمجھ کر سن
مرے دکھے ہوئے دل کی پکار ہے ساقی
یہ اودی اودی گھٹائیں یہ سرمئی بادل
اب انتظار بہت ناگوار ہے ساقی

تری نگاہ کی شوخی کا پڑ گیا سایہ
یہ موجِ مے جو بہت بے قرار ہے ساقی

ترے کرم سے زمانہ کا رنگ ہے کچھ اور
کہ محتسب بھی مرا راز دار ہے ساقی

ادھر بھی بادۂ گلرنگ کا کوئی چھینٹا
نیاز مند بھی امیدوار ہے ساقی

پلائے جا کہ نہ معلوم کل ہو کیا صورت
کہ زیست چشمکِ برق و شرار ہے ساقی

پڑا بھی رہنے دے ٹوٹے ہوئے پیالوں کو
ترے عتاب کی اک یادگار ہے ساقی

میں دوسروں کی طرح بدگماں نہیں تجھ سے
ترے کہے کا مجھے اعتبار ہے ساقی

رکھی ہے کل کے لیے مے کشوں نے بھر کے شراب
اسی کا نام غمِ روزگار ہے ساقی

نگاہِ لطف و کرم بدنصیب ماہر پر
بہت دنوں سے غریب الدیار ہے ساقی

جمنا کا کنارا

(بتِ ناتراشیدہ)

ساون کی گھٹا اور وہ جمنا کا کنارا
وہ منظرِ دلچسپ وہ رنگین نظارا
جامن کے درختوں سے جو کچھ آگے بڑھائیں
آئی نظر آتی ہوئی اک شوخ دل آرا
اللہ رے! اٹھلائی ہوئی چال کی شوخی
رک جائے جسے دیکھ کے بہتا ہوا دھارا
نکھرے ہوئے ماتھے پہ وہ رنگین سا قشقہ
جس طرح گھٹاؤں میں دمکتا ہوا تارا
قشقہ پہ وہ چاندی کا چمکتا ہوا جھومر
جس طرح کہ انگارے پہ ٹھہرا ہوا پارا
لہریں جو قریب آئیں تو دامن کو سنبھالا
اک ہاتھ سے نقشین سی گاگر کو اتارا
پہلے تو ہر اک شے کو بڑے غور سے دیکھا
پھر جھک کے بڑے ناز سے ہاتھوں کو نکھارا
پیروں کے کڑوں کو کبھی بچھووں کو گھمایا
گاگر کو اجالا، کبھی بالوں کو سنوارا
انداز سے بھیگے ہوئے آنچل کو نچوڑا

پانی اسے بھرنا تھا تو ہاتھوں کو پسارا
پانی سے چھلکتی ہوئی گاگر کو اٹھایا
لیتے ہوئے معصوم اداؤں کا سہارا
آتا مجھے دیکھا تو وہ جھجکی کبھی ٹھٹکی
شاید مرا آنا نہ ہوا اس کو گوارا
دیکھا نہ گیا حسن کی مجبوری کا عالم
میں اس سے یہ کہتا ہوا بستی کو سدھارا
اے بتکدۂ ہند کے بے ترشے ہوئے بت
بخشم بہ نگاہِ تو سمرقند و بخارا
یک بار بہ ایں ناز بیا برلبِ جمنا
یک فرصتِ نظّارہ بدہ باز خدارا

شاعر

مرے تبسمِ تخیئل سے عبارت ہے
ضیائے نیرِّ رخشاں ، فروغِ ماہِ تمام
مرے خیال کی جنبش پہ رقص کرتی ہے
ادائے خاص سے سلمائے گردشِ ایّام
مری نگاہ میں ہے لف و نشرِ ہر ذرّہ
مرے خیال میں کونین صنعتِ ایہام
مرے نقوش ہیں آثارِ نیم ربّانی
مرے کمال کو بخشی گئی حیاتِ دوام
بطرزِ مطربِ بدمست پھوٹتی کونپل
سنا رہی ہے مجھے نغمۂ درود و سلام
مرا پیام ہے روح القدس کی اک آواز
مرے ضمیر پہ ہوتی ہے بارشِ الہام
کبھی نگاہ میں موجوں کے نرم ہلکورے
کبھی خیال میں جذبِ توازنِ اجرام
کبھی وہ جوش کہ دشمن بھی آنکھ کا تارا
کبھی یہ حال کہ بیگانۂ ذَوِی الارحام
کبھی حیات کو ٹکرا دیا چٹانوں سے
کبھی حباب سے کمزور زندگی کا نظام

کبھی یقین کی زد میں رموزِ لوح و قلم
کبھی وہ شک کہ ہر اک چیز پیکرِ اوہام
کبھی خیال کی زینت حرم کی محرابیں
کبھی نگاہ شہیدِ تبسمِ اصنام
اک انقلابِ مکمل کا پیش خیمہ ہے
مرے خیال و تصور کا مضمحل اقدام
وہ کیف بار ہے میرے خیال کی دنیا
جہاں تصورِ زہد و ورع گناہ و حرام
جہاں شراب کی موجوں پہ رقص کرتے ہیں
بہ حسنِ ناز و ادا شاہدانِ گل اندام
جہاں ہے جنبشِ ساغر اشارۂ غیبی
جہاں ہے قلقلِ مینا ضمیر کا پیغام
جہاں کا مسلکِ عالی ہے رندی و مستی
جہاں کا ضابطہ اشعارِ حافظ و خیّام
جہاں طواف کا مرکز ہے خشتِ میخانہ
جہاں ہے غرقِ مئے ناب جامۂ احرام
جہاں طرب کے فسانے سنائے جاتے ہیں
حدیثِ مطرب و ساغر جہاں کا علمِ کلام
جہاں شراب سے تطہیرِ روح ہوتی ہے
جہاں ہے پیرِ مغاں کی نوازش و اکرام
جہاں کی صبح پہ صدقے سحر بنارس کی
جہاں کی شام پہ قربان ہے اودھ کی شام

مرے خیالِ جہاں گیر کے ہیں چند نقوش
فسانۂ چہرِ بابل، قدامتِ اہرام
وہ فلسفہ کہ جو تہذیبِ عقل کرتا ہے
مری نگاہ میں اک ہیئتِ جنونِ خام
لطیف تر ورقِ گل سے ہے مرا احساس
مرے لیے ہے تبسم کلی کا اک پیغام
مرے فسانۂ رنگیں کا یہ خلاصہ ہے
کہ ہوں میں اہلِ محبت کا بندۂ بے دام

یاد ہے!

گل فروشی، برقباری کا فسانہ یاد ہے
مسکرا کر وہ ترا آنچل اٹھانا یاد ہے
یاد ہیں وہ میکدہ بردوش نظریں یاد ہیں
وہ ترا بھر بھر کے جامِ مے پلانا یاد ہے
ناز سے الجھے ہوئے گجروں کو سلجھاتے ہوئے
وہ ترا دھیمے سروں میں گنگنانا یاد ہے
بے رخی کے ساتھ سننا دردِ دل کی داستاں
وہ کلائی میں ترا کنگن گھمانا یاد ہے
وہ مرے اشعار پر رنگیں لبوں کی واہ واہ!
لطف لے لے کر ترا چٹکی بجانا یاد ہے
ہے دہکتی آگ کا اب تک نگاہوں میں سماں
جوش میں چہرے کا تیرے تمتمانا یاد ہے
وہ ترا غور و تفکر وہ ہوائیں تیز تیز
گیسوؤں کا رخ سے جھنجلا کر ہٹانا یاد ہے
وہ تری مستی بھری خود ساختہ سنجیدگی
انگلیوں سے خشک مہندی کا چھڑانا یاد ہے
وہ ترا بدمست ہو کر کچھ نہ کہہ سکنا مگر
ہونٹ کو رہ رہ کے دانتوں میں دبانا یاد ہے

وہ ترے رنگین ہونٹوں پر تبسم کی نمود
پھول بن بن کر ترا بجلی گرانا یاد ہے

وہ ترا جذبات کو آتش فشاں کرنے کا ڈھنگ
وہ ترا ہر بار مجھ سے روٹھ جانا یاد ہے

فتنہ ساماں! وہ ترا انگڑائی لینے کے لیے
آسماں کی سمت ہاتھوں کا اٹھانا یاد ہے

وہ ہتھیلی سے ترا آنکھوں کا ملنا دیکھ کر
صبح کے تاروں کا پیہم جھلملانا یاد ہے

ہائے! یہ بے کیفیٔ دل وائے! یہ ویرانیاں
وہ تو یہ کہیے کہ تیرا مسکرانا یاد ہے

حضرتِ ماہر تمہیں ان دل شکن حالات
یہ ہی کیا کم ہے محبت کا فسانہ یاد ہے

آج کل

ہر سُو نشاط و کیف کا ساماں ہے آج کل
عالم تمام صبحِ بہاراں ہے آج کل
موجِ شرابِ زیست کا عنواں ہے آج کل
کونین غرقِ مستیٔ عصیاں ہے آج کل
جو بھی شریکِ محفلِ رنداں ہے آج کل
اس پر نزولِ رحمتِ یزداں ہے آج کل
مستی کا نام جذبۂ عرفاں ہے آج کل
زاہد کو بھی گناہ کا ارماں ہے آج کل
قطرہ میں سلسبیل کی موجوں. کا ہے فروغ
ذرّہ طلوعِ صبحِ گلستاں ہے آج کل
ظلمت بھی نور و کیف کے سانچے میں ڈھل گئی
جامِ شراب، مہرِ درخشاں ہے آج کل
لطفِ نشاط کم نہیں ہوتا کسی طرح
ٹھہری ہوئی سی گردشِ دوراں ہے آج کل
فردا کی فکر ہے نہ گزشتہ کا کوئی غم
دستِ جنوں میں ہوش کا داماں ہے آج کل
خود آ رہے ہیں ان کی طرف سے پیامِ شوق
اپنے کیے پہ حسن پشیماں ہے آج کل

وہ فلسفہ جو فطرتِ انساں پہ بار تھا
شعر و شباب و حسن کا طوفاں ہے آج کل

ذرّے سنا رہے ہیں محبت کی واردات
تاروں کی روشنی بھی غزل خواں ہے آج کل

ہر سمت ہو رہی ہے تمنا کی روشنی
امید کا چراغ فروزاں ہے آج کل

کہہ دو غمِ حیات سے فرصت نہیں مجھے
ان کا خیال سلسلہ جنباں ہے آج کل

ٹھہرا ہوا ہے منزلِ عشرت پہ کارواں
قابو میں میرے عمرِ گریزاں ہے آج کل

وہ کیفیت کہ زیست کا حاصل کہیں جسے
ماہر تری نظر سے نمایاں ہے آج کل

عورت

صبحِ فطرت کا اجالا بزمِ ہستی کا چراغ
حسن کا بے تاب دل، عشق و محبت کا دماغ
چہرۂ ہستی کا غازہ بن گیا جس کا وجود
بھیجتی ہیں دہر کی رنگینیاں جس پر درود
جس کی زلفوں سے شبِ تاریک پاتی ہے نمود
جس کے چہرے کا نچھاور صبح کا روشن وجود
جس کی پیشانی کو آبِ نور سے دھویا گیا
جس کے ہونٹوں میں مسیحائی کا رس گھولا گیا
جس کی چشمِ ناز کو شرم و مروّت دی گئی
جس کے ہر انداز میں بجلی کی رو حل کی گئی
بوئے گل، رنگِ شفق، اندازِ رفتارِ نسیم
اس جہانِ آب و گل میں بن گئے جس کے ندیم
توسنِ الفت کو وہ جس رخ پہ چاہے موڑ دے
جس کا ہر جلوہ طلسمِ سحرِ بابل توڑ دے
جس کے پیروں کے تلے جنت کے ایوان و چمن
جس کے دم سے جگمگاتا ہے شبستانِ سخن
شعر کا موضوعِ دلکش اور افسانوں کی جان
صانعِ قدرت کی صنّاعی کا اک زندہ نشان

جس کا بچپن بن کھلی کلیوں سے بھی زاید لطیف
جس کی پاکیزہ مزاجی آپ ہی اپنی حریف
لالہ و گل کی طرح خود آزما جس کا شباب
ہر تجلّی برق ساماں، ہر تبسّم کامیاب
وہ بڑھاپا زندگی کی شام کہتے ہیں جسے
پائمالِ گردشِ ایّام کہتے ہیں جسے
ایسے نازک دور میں اس جانِ فطرت کا دماغ
دہر میں تدبیرِ منزل کے جلاتا ہے چراغ
جس کی فطرت میں سمویا زندگی کا سوز و ساز
جس کی طینت میں وفاداری کی مے گھل مل گئی
جس کو اربابِ نظر فردوسِ زیبائی کہیں
جس کے دل کو شعلہ و شبنم کی یکجائی کہیں
آب و آتش کے عناصر سے بنا جس کا مزاج
جس کے جذبہ نے لیا ہے برق و باراں سے خراج
جس کا عزمِ مستقل محکم چٹانوں کی طرح
حوصلوں میں جس کے رفعت آسمانوں کی طرح
صنفِ نازک دہر کی تاریخ کا وہ باب ہے
جس کا ہر نقطہ حریفِ گوہرِ نایاب ہے

شبِ بے خواب

وہ دل کہ جس کو نیند نہ آئی تمام رات
دیتا رہا تمہاری دہائی تمام رات
اے دوست! اپنے دیدۂ بے خواب کی قسم
تاروں سے میں نے آنکھ لڑائی تمام رات
میں وہ کہ رات آنکھوں ہی آنکھوں میں کاٹ دی
تم وہ کہ تم نے راہ دکھائی تمام رات
بابِ قبولیت کے دریچے بھی بند تھے
نالوں نے میرے راہ نہ پائی تمام رات
امید کا چراغ فروزاں نہ ہو سکا
آہوں نے شمعِ یاس بجھائی تمام رات
کس کس طرح سے میں نے غمِ انتظار کو
امید کی شراب پلائی تمام رات
آنکھوں سے آنسوؤں کی روانی کو دیکھ کر
شبنم نے بوند بوند گرائی تمام رات
ماہر ہی ایک عابدِ شب زندہ دار تھا
سوتی رہی خدا کی خدائی تمام رات

داستانِ محبت

آنے سے پہلے:۔

افق پہ آنے لگی سیاہی شفق کی سرخی جھلک رہی ہے
یہ رات بیدار ہو رہی ہے کہ آنکھ دن کی جھپک رہی ہے
پرند مسکن کو جا رہے ہیں، کسان کھیتوں سے آ رہے ہیں
نظر سے دن بھر کی سخت محنت سرور بن کر ٹپک رہی ہے
چراغِ خورشید جھلملایا، بڑھا وہ تاریکیوں کا سایہ
بڑے قرینہ سے چادرِ شب رخِ جہاں پر ڈھلک رہی ہے
یہ شبنم آلود سی ہوائیں، یہ رات کی دل ربا ادائیں
نہا کے بالوں کو جیسے کوئی حسین عورت جھٹک رہی ہے
ابھی تو پہلا پہر ہے شب کا ابھی وہ کیوں آئیں گے مرے گھر
مگر ابھی سے ہے دل میں دھک دھک ابھی سے چھاتی دھڑک رہی ہے
یہ کس کی آمد کا ہے تصور کہ میں بہت کچھ بدل گیا ہوں
قدم بھی کچھ لڑکھڑا رہے ہیں، نگاہ بھی کچھ بہک رہی ہے
فضا میں خوشبو، ہوا معطر، یہاں بھی جنت وہاں بھی جنت
اٹھا وہ طوفانِ نکہتِ گل، تمام دنیا مہک رہی ہے
نہ جانے آواز دی یہ کس نے وہ چل دیئے ہوں گے اپنے گھر سے
وہ چاند نکلا، وہ نور پھیلا، تمام دنیا مہک رہی ہے

آنے کے بعد:۔

وہ آئے اور آ کے مسکرائے، کہا کہ کیسی گزر رہی ہے
جو ایک مدّت سے تہہ نشیں تھی وہ کشتیٔ دل ابھر رہی ہے
وہ زلفِ شبگیر جس کے سایہ میں شامِ ظلمات جگمگائے
ہوا سے ماتھے پہ ہل رہی ہے سنور سنور کر بکھر رہی ہے
خموشیوں کی جلو میں نغمے، چھڑے ہوئے ساز سرخوشی کے
ادائیں بھی گیت گا رہی ہیں، نگاہ بھی بات کر رہی ہے
جھکی جھکی سی نگاہِ الفت دبی دبی شوخیوں کی دعوت
حیا کی شدت سے ان کے رخ کی کچھ اور رنگت نکھر رہی ہے
زہے مقدر! کہ ان کو جا کر حریمِ عشرت سے کھینچ لائی
وہ آہ یعنی پیامِ الفت جو آج تک بے اثر رہی ہے

کیفیات:۔

زمانہ تیزی سے جا رہا ہے، میں کیا کروں رات ڈھل رہی ہے
چراغ بھی جھلملا رہے ہیں ہوا بھی پہلو بدل رہی ہے
ہزار آتش کدوں کی گرمی وہ اپنی سانسوں میں لے کے آئے
جو آگ دل میں سلگ رہی ہے وہ آج آنکھوں میں جل رہی ہے

قمر کی ضو میں چمک رہے ہیں، زمین کے کم سواد ذرے
فلک سے بھی ہن برس رہا ہے، زمیں بھی سونا اگل رہی ہے
سنبھل سنبھل کر وہ بڑھ رہے ہیں، جھجک جھجک کر سنبھل رہے ہیں
عجب کشاکش میں پڑ گئے ہیں، حیا و شوخی میں مچل رہی ہے
زباں پر آ آ کے رک رہی ہیں حکایتیں شوق و آرزو کی
میں کس طرح ان کو یہ بتاؤں مری طبیعت مچل رہی ہے

دورِ آخر:-

وہ اس طرح مسکرا رہے ہیں گلوں کی رنگت بھی کٹ رہی ہے
عجیب بدمست انکھڑیاں ہیں شراب جیسے کہ بٹ رہی ہے
یہ نرم پورے، گداز باہیں، مہین ساری میں جسمِ رنگیں
نگاہ کا شوق بڑھ رہا ہے، جگر کی تکلیف گھٹ رہی ہے
ادھر بھی جذبات کا تلاطم، ادھر بھی احساس کی نزاکت
حجاب کے بند کھل رہے ہیں، حیا کی چادر سمٹ رہی ہے
ذرا جو آغوشِ سرخوشی سے نظر اٹھا کر فلک کو دیکھا
سحر کے آثار جلوہ گر ہیں، بساطِ انجم الٹ رہی ہے

دکن کی برسات

ہوائیں گیت گاتی جا رہی ہیں گھٹائیں لڑکھڑاتی جا رہی ہیں
سہانی رُت، یہ کیف آلود موسم فضائیں مسکراتی جا رہی ہیں
بہ عنوانِ تراوش نرم بوندیں پکھاوج سی بجاتی جا رہی ہیں
ہوائیں راستہ میں لڑکیوں کے دوپٹوں کو اڑاتی جا رہی ہیں

دِلِ پُر درد کی دیرینہ چوٹیں
ابھر کر کام آتی جا رہی ہیں

چمن کا پتہ پتہ دھل رہا ہے اندھیرے میں اجالا گھل رہا ہے
کسی بدمست دوشیزہ گھٹا کا سرِ کہسار جوڑا کھل رہا ہے

خوشی ماحول پر چھائی ہوئی ہے
کہ پھولوں میں زمانہ تل رہا ہے

پپیہا اک قیامت ڈھا رہا ہے بڑے اونچے سروں میں گا رہا ہے
ارے یہ گرمیٔ کیف و مسرت گھٹاؤں کو پسینہ آ رہا ہے
مرے گھر کی منڈیروں پر بھی سبزہ عجب انداز سے لہرا رہا ہے
بہت ہلکی پھواریں پڑ رہی ہیں کہ جیسے عطر چھڑکا جا رہا ہے
کہیں ساری کا پلو ہاتھ میں ہے کہیں بالوں کو جھٹکا جا رہا ہے

میں خود ہوں اپنے تیروں کا نشانہ
کوئی میری غزل کو گا رہا ہے

غزل

جگر میں درد پایا جا رہا ہے
مجھے شاید بلایا جا رہا ہے

نقابِ رخ اٹھایا جا رہا ہے
وہ نکلی دھوپ سایا جا رہا ہے

مریضِ غم کو آ کر دیکھ جاؤ
کہ تم پر حرف آیا جا رہا ہے

نگاہیں بھی ہیں کچھ بہکی ہوئی سی
قدم بھی لڑکھڑایا جا رہا ہے

وہ خاکِ دل سے بچ کر چل رہے ہیں
ابھی تک آزمایا جا رہا ہے

شبِ وعدہ نہ آنا تھا نہ آئے
چراغوں کو بجھایا جا رہا ہے

سناتے ہو کسے رو دادِ ماہر
وہاں تو مسکرایا جا رہا ہے

گلی کے موڑ پر جھٹکے کھڑے ہیں
بہت ہی تیز موٹر چل رہے ہیں

وہ دیکھو سائیکل والوں کی دوڑیں
ٹپکتی جا رہی ہیں سر سے بوندیں

کہیں پر ڈھیریاں ہیں بے نشاں کی
کہیں پر قلفیاں ہندوستان کی

گراکوں سے بھرے ہیں چائے خانے
بہت دلچسپ ہیں فلمی ترانے

وہ آئی سامنے سے آم والی
لبوں پر پان کے بیڑے کی لالی

بدن پر ہے بہت ہی تنگ چولی
جلو میں اس کے ارمانوں کی ٹولی

جبیں پر سرخ بندی کی ہے دھاری
بڑے انداز سے باندھی ہے ساری

بہت ہی چاق چوبند اور چنگی　　زباں اردو مگر لہجہ تلنگی
ہوس کے سیکڑوں طوفاں نظر میں　　بہت سے تجربے غلطاں نظر میں

پھلوں کا اس کے سر پر ٹوکرا ہے
گھٹا کا جس پہ سایہ پڑ رہا ہے

ہوا ٹھنڈی فضا بدمست سی ہے　　شرابِ زندگانی ڈھل رہی ہے
عجب رت ہے نہ سردی ہے نہ گرمی　　ہوا میں انتہا درجہ کی نرمی
بڑی پرکیف رم جھم ہو رہی ہے　　گھٹا جیسے فضا کو دھو رہی ہے

مسرت کارواں در کارواں ہے
دکن برسات میں جنّت کا نشاں ہے

وطن کی یاد میں

اے خاکِ وطن، جہانِ امید
ہر سمت سکونِ راحت افزا
الفت میں بسی ہوئی ہوائیں
بہتے ہوئے عشرتوں کے دریا
اے گل کدۂ سرور! میں بھی
دنیا کی مسرتیں تھیں حاصل
وہ بزم وہ چاندنی کی راتیں
یاروں کی وہ سامعہ نوازی
برسات میں بانسری کے نغمے
ہر سمت تھی عشرتِ فراواں
جاڑوں میں الاؤ کے کنارے
کس لطف سے کمسنی کے قصّے
سبزے کا نظر نواز منظر
صد حیف وہ انجمن نہیں ہے
فرقت کا الم ہے اور میں ہوں
ہے ارضِ دکن اگرچہ جنّت
دل میں وہ شگفتگی نہیں ہے
اے کاش! پہنچ رہوں وطن میں

ہر شام ہے تیری رشکِ صد عید
ذرے ہیں مسرتوں کی دنیا
ڈوبی ہوئی کیف میں فضائیں
چلتی ہوئی کشتیٔ تمنا
لیتا تھا فضا میں سانس تیری
ہر فکرِ جہاں تھی نقشِ باطل
احباب کی دلنواز باتیں
تاروں کی فضا بھی جھومتی تھی
اور اس پہ ہوا کے سرد جھونکے
تجدیدِ حیات کے تھے ساماں
سب دوست عزیز بیٹھتے تھے
کہتے تھے خوشی سے جھومتے تھے
اب تک ہیں نقوش جس کے دل پر
سب کچھ ہے مگر وطن نہیں ہے
احباب کا غم ہے اور میں ہوں
لیکن وہ کہاں وطن کی صحبت
پردیس میں زندگی نہیں ہے
کھنچ جائیں زمین کی طنابیں

اے خاکِ وطن! کشش دکھا کر
غربت کے الم کا خاتما کر

حدیثِ شب

غرقِ مستی تھے زمین و آسماں کل رات کو
اٹھ رہا تھا آتشِ مے سے دھواں کل رات کو
تابشوں کے تیر برسائے زمیں پر بے شمار
چرخ نے لے کر مہِ نو کی کماں کل رات کو
بھر رہے تھے نور سے ذرّے بھی اپنی جھولیاں
لٹ رہی تھی دولتِ کون ومکاں کل رات کو
کتنی کیف انگیز تھی یک فرصتِ رقصِ شرر
وجد کرتی تھی حیاتِ جاوداں کل رات کو
میکدوں میں جام و مینا کا تصادم تھا غضب
دیدنی تھی مغبچوں کی شوخیاں کل رات کو
جامِ مے دیتے ہوئے ساقی کی چشمِ مست سے
ٹپکی پڑتی تھی شرابِ ارغواں کل رات کو
رند تو کیا شیخ و زاہد بھی بہ ایں تقویٰ و زہد
کر رہے تھے بیعتِ پیرِ مغاں کل رات کو
کر رہا تھا محتسب بھی درگزر پر درگزر
تھی عنایت پر نگاہِ دشمناں کل رات کو
گھومتی تھیں ہر طرف باہوں میں باہیں ڈال کر
مہوشوں کی ٹولیوں کی ٹولیاں کل رات کو

آسماں پر اس طرح کچھ ہو رہی تھی چھیڑ چھاڑ
سمٹی جاتی تھی عروسِ کہکشاں کل رات کو
لطف لے کر مست ہو ہو کر ہوائیں بار بار
سوہنی میں چھیڑتی تھیں ٹھمریاں کل رات کو
ساکنانِ ارض تھے بے خوف انجامِ نشاط
چل نہ سکتا تھا فریبِ آسماں کل رات کو
اک ہجومِ عام تھا بابِ حریمِ یار پر
سو گیا تھا مست ہو کر پاسباں کل رات کو
غرفۂ جنت سے حوریں جھانکتی تھیں بار بار
پڑ رہی تھیں حسن کی پرچھائیاں کل رات کو
عیش کے ہاتھوں کچھ ایسی غم کی حالت تھی خراب
لے رہا تھا ہچکیوں پر ہچکیاں کل رات کو
اٹھ گئے تھے نور کے سارے حجاباتِ لطیف
تھیں نمایاں حسن کی باریکیاں کل رات کو
اے تعال اللہ! رنگ و بو کا جوشِ بے پناہ
بن گیا تھا دشت بھی جنت نشاں کل رات کو
انتہا یہ ہے کہ ہر ذرہ تھا سرمستِ شباب
مختصر یہ ہے کہ دنیا تھی جواں کل رات کو
لیکن اس ہنگامۂ عیش و طرب کے باوجود
میرا سر تھا اور کسی کا آستاں کل رات کو

رنگین ضیافت

وہ احباب کی بے تکلفّ ضیافت — بہت پر خلوص اور دلچسپ صحبت
وہ برکھا کی رت اور پھولوں کا منظر — مکاں کی سجاوٹ، نگاہوں کی جنّت
ہر اک بات میں انتظام و سلیقہ — ہر اک چیز میں سادگی کی رعایت
یہی چار چیزیں تھیں واں کار فرما — نفاست، نزاکت، مسرت، محبت
تواضع میں ڈوبی ہوئی میزبانی — مدارات کا سلسلہ بے نہایت
مسرت اثر وسعتیں حوصلہ کی — وہ ایوانِ نعمت وہ کھانوں کی کثرت
وہ خوش انتظامی کہ ہر چیز حاضر — ذرا اک اشارے کی تھی بس ضرورت
مجھی سے تخاطب کا اقدامِ پیہم — وہ سب دوستوں کی مجھی پر عنایت
وہ باتوں ہی باتوں میں دل کے فسانے — وہ آنکھوں ہی آنکھوں میں رمز و اشارت

زہِ دوستی! بزم میں میری خاطر
بلائی گئی اک مجسم قیامت

وہ ظالم ادائیں وہ کافر جوانی — وہ آنکھیں کہ جامِ مئے ارغوانی
لبوں پر نمایاں تبسم کی موجیں — وہ گلدستۂ عشرت و شادمانی
وہ آواز کا لوچ وہ نرم لہجہ — وہ دلچسپ فقرے وہ شیریں بیانی
وہ شوخی جو کردار کا راز کہہ دے — اسی کی حکایت اسی کی زبانی

وہ نغموں کی بارش وہ جلووں کی یورش
اور اس پر وہ برسات کی رت سہانی

وہ آنکھوں کے ڈورے شرابی شرابی ۔ وہ ہونٹوں کی رنگت گلابی گلابی
وہ رخسار کی دلفریبی کا عالم کبھی ماہتابی ، کبھی آفتابی
وہ رہ رہ کے انداز انگڑائیوں کے وہ آنکھوں میں اک موجۂ نیم خوابی
وہ حسن و محبّت کا رنگین دھوکا
کبھی شرم طاری کبھی بے حجابی

نزت کے لیے وہ منظّم اشارے ہرن کی طرح پتلیوں کے ترارے
وہ بدمست بننے کی دلچسپ کوشش وہ انگڑائیاں شوخیوں کے سہارے
وہ شفّاف دنداں کہ سلکِ لآلی وہ سچ مچ دمکتے چمکتے ستارے
بہ ہر طرز جادو بہ ہر غمزہ محشر
بہ ہر خندۂ روح افزا بہارے

وہ ہر شعر پر سوچ کر مسکرانا وہ میری غزل اس کا رک رک کے گانا
وہ مہندی میں ڈوبی ہوئی انگلیوں سے ذرا جھوم کر اس کا چٹکی بجانا
وہ دامِ ہوس کے بڑے نرم حلقے مسلسل وہ آنکھوں سے آنکھیں ملانا
وہ ہشیار انداز غارت گری کے کبھی مسکرانا، کبھی جھینپ جانا
گلوبند کے موتیوں کی نمائش کبھی ہاتھ کی چوڑیوں کو دکھانا
کبھی بے رخی اور کبھی خود ہی کہنا
ہمارے یہاں بھی کسی روز آنا

عجب پاک فطرت گنہگاریاں تھیں کہ بے شیشہ و جام سرشاریاں تھیں
بہ ہر ناز و شوخی ستمگاریاں تھیں بہ ہر شعر و نغمہ اداکاریاں تھیں
مرے دل کا اس وقت عالم عجب تھا نہ بے ہوشیاں تھیں نہ ہشیاریاں تھیں
نگاہیں بھی مجرم، تخیل بھی ملزم خطا کوشیاں تھیں ہوس کاریاں تھیں
میں اس وقت اس راہ میں تھا جہاں پر نہ مجبوریاں تھیں نہ مختاریاں تھیں

تصور ہی اس وقت کام آ رہا ہے
کہ جیسے کوئی ٹھہریاں گا رہا ہے

بہ ایں عقل و دانش بہ ایں قید و بندش
کوئی مجھ کو کھینچے لئے جا رہا ہے

جو دیکھا گیا رات کو جاگتے میں
وہی خواب اب تک نظر آ رہا ہے

کوئے دوست

کیا خلش انگیز تھے وہم و گمانِ کوئے دوست
میں نے ہر رہرو کو سمجھا پاسبانِ کوئے دوست
دونوں عالم سے جدا پایا جہانِ کوئے دوست
اللہ اللہ! وہ زمین و آسمانِ کوئے دوست
دل کی منزل میں رواں تھا کاروانِ کوئے دوست
پوچھتا پھر میں کسی سے کیوں نشانِ کوئے دوست
رہروؤں کے نقشِ پا تھے ترجمانِ کوئے دوست
ہر طرف لکھی ہوئی تھی داستانِ کوئے دوست
کیا خبر بابِ حریمِ ناز وا ہو یا نہ ہو
بس یہی اک وہم تھا سنگِ گرانِ کوئے دوست
وہ مرے جھجکے ہوئے انداز کی وارفتگی
وہ اندھیرا اور انبوہِ سگانِ کوئے دوست
اِس طرف جذبات کی رو اپنے پورے زور پر
اُس طرف برسات اور آبِ روانِ کوئے دوست
وہ مرا آہستہ چلنا راہگیروں کی طرح
میں بھی تھا گویا یکے از واردانِ کوئے دوست
وہ گرجتے اور برستے بادلوں کا زور شور
مٹ رہے تھے نقش پائے رہروانِ کوئے دوست

وہ فضائے روح پرور وہ ہوائے کیف بار
ہو مبارک تم کو اے آسودگانِ کوئے دوست

اب وہ گھبراہٹ وہ پہلی سی جھجک باقی نہیں
ہو چلا ہوں میں بھی کچھ کچھ رازدانِ کوئے دوست

سادہ گیم را نگر وا رنگیم را ببیں
ساختم قصرِ تمنا درمیانِ کوئے دوست

گلشنِ فردوس ہے باغ و بہارِ کوئے دوست
اس کی قسمت جس کو مل جائے جوارِ کوئے دوست

لمحہ لمحہ عشرتیں ہیں، لحظہ لحظہ راحتیں
ایک ہی مرکز پہ ہیں لیل و نہارِ کوئے دوست

کر چکا ہوں میں بھی اک معصوم اور رنگیں گناہ
میرے دامن پر بھی ہے نقشِ غبارِ کوئے دوست

ذرّہ ذرّہ دے رہا ہے دعوتِ نقد و نظر
اللہ اللہ! زینتِ نقش و نگارِ کوئے دوست

مجھ پہ ہر منظر نے پھینکی اک کمندِ نرم و شوخ
میں نے ہر ذرہ کو سمجھا شاہکارِ کوئے دوست

می سراید شعرِ خود یک خاکسارِ کوئے دوست
اے جزاک اللہ! فیضِ اعتبارِ کوئے دوست

دید کے قابل ہے حسنِ اہتمام کوئے دوست
صبحِ جنت سے کہیں بڑھ کر ہے شامِ کوئے دوست

پا شکستہ، ناتواں اور اس پہ ہوں بے زارِ راہ
ساتھ لے چل مجھ کو بھی اے تیزگامِ کوئے دوست

میری جانب ہو رہی ہے کیا نگاہِ التفات
خاص ہونے کو ہے، شاید فیضِ عامِ کوئے دوست

آہ! وہ جو رشک کے ہاتھوں تباہ و زار ہے
ہائے! وہ جس کو میسر ہو قیامِ کوئے دوست

کھا رہا ہے شوق اک اک گام پر لاکھوں فریب
یعنی ہم رنگِ زمینِ دل ہے دامِ کوئے دوست

باوجودِ سعیٔ اخفا آشکارا گشتِ راز
از نگاہم می تراود احترامِ کوئے دوست

بھا گئی ہے اس قدر دل کو فضائے کوئے دوست
مرغزاروں میں بھی کہہ اٹھتا ہوں "ہائے کوئے دوست"

عشق کی سوگند، جذبِ شوقِ بے حد کی قسم
کچھ نظر آتا نہیں مجھ کو سوائے کوئے دوست

قطرۂ شبنم بھی رکھتا ہے مزاجِ آفتاب
میرے ذہن و فکر اور اندیشہ ہائے کوئے دوست

ایک کیفیت ہے لطفِ وصل و فرقت سے بلند
ایک منزل اور بھی ہے ماورائے کوئے دوست

فانیؔ مرحوم نے میرا فسانہ کہہ دیا
"پھر فریبِ سادگی ہے رہنمائے کوئے دوست"

آرزوئے شوق در جان و دلِ من جا گرفت
می پرد مرغِ خیالم در ہوائے کوئے دوست

جوان ہونے سے کچھ پہلے

بہت سادہ طبیعت بھولی بھالی
کہ جیسے بن کھلی کلیوں کی ڈالی

جبیں سچی خوشی کا آشیانہ
تبسم میں مسرت کا ترانہ

زمانہ کی ہوا سے بے خبر ہے
نظر معصوم ، دل معصوم تر ہے

کنول کے پھول کی مانند سادہ
حیا فطرت زیادہ سے زیادہ

حنا سے پاک ہیں شفاّف پورے
ذرا کچھ سرخ ہیں آنکھوں کے ڈورے

نگاہیں مطمئن چہرہ ہے مسرور
یہ عالم ہے پشیماں ہے نہ مغرور

ابھی تک مسکراہٹ بے سبب ہے
ابھی دل کی انگیٹھی گرم کب ہے

ابھی انگڑائی ہے جذبہ سے خالی
ابھی آزاد ہے ہونٹوں کی لالی

ابھی کوئی پریشانی نہیں ہے
نظر مانوسِ حیرانی نہیں ہے

تمناؤں کی پابندی نہیں ہے
مسرت میں کوئی ساجھی نہیں ہے

بناوٹ سے نہیں اس کو سروکار
کہ وہ فطرت کے گلشن کی ہے پھلوار

پریشاں زلف صدری ملگجی ہے
دوپٹہ کی کناری مڑ گئی ہے

گریباں کے بٹن ٹوٹے ہوئے ہیں
جبیں پر بال کچھ چھوٹے ہوئے ہیں

گرہ دیتی ہے الجھے گیسوؤں میں
کھٹکتی ہے کبھی ناخن کی کوریں

کلی اب پھول بنتی جا رہی ہے
دبے پاؤں جوانی آ رہی ہے

نگاہوں میں بہت مبہم اشارات
زباں پر جیسے بے سمجھی ہوئی بات

جوانی اک قیامت لا رہی ہے
بڑی ہی سخت منزل آ رہی ہے

ابھی دردِ محبت راز میں ہے
جوانی منزلِ آغاز میں ہے

ہے سے!

ہاں اسی دھن میں گیت گائے جا
اور دل کی لگی بڑھائے جا

میرے تیروں سے کر مجھے گھائل
میری غزلیں مجھے سنائے جا

تجھے تیرے ربابِ دل کی قسم
ساز کی لے میں لے ملائے جا

میری وارفتگی کی داد بھی دے
میری باتوں پہ مسکرائے جا

بھیرویں ہو کہ سوہنی یا دیس
وقت کی چیز گنگنائے جا

ہلکی ہلکی جماہیاں لے کر
میری آنکھوں کی نیند اڑائے جا

دامنِ دل کا اور کیا ہو گا
اس کی تو دھجّیاں اڑائے جا

میں جو غزلیں پڑھوں ترنّم سے
تو بھی کچھ بول گنگنائے جا

دیکھ کر پھر گھڑی کلائی کی
طاقتِ ضبط آزمائے جا

اہلِ محفل کے واسطے بیڑے
مسکراتے ہوئے بنائے جا

دوسروں سے بڑھا کے ہاتھ ملا
جاتے جاتے بھی دل دکھائے جا

"اب ملاقات تم سے کب ہو گی"
اتنا کہہ کر قدم بڑھائے جا

شعر و نغمہ کی آڑ میں ماہر
تو اسے دردِ دل سنائے جا

نیند کے مارے اک دوشیزہ!

چاند کی رنگت پھیکی سی ہے ' رات بھی ڈھلتی جاتی ہے
شمع بھی سوزِ دل کے ہاتھوں رنگ بدلتی جاتی ہے
سانس کی تیزی کیا کہئے تلوار سی چلتی جاتی ہے
بادِ صبا ٹھوکر کھا کر ہر بار سنبھلتی جاتی ہے
نیند کے مارے اک دو شیزہ آنکھیں ملتی جاتی ہے

نظم بھی ہے غزلیں بھی ہیں اور گیت بھی ہے تقریر بھی ہے
پھول بھی ہیں انگارے بھی ہیں پارہ ہے اکسیر بھی ہے
موسیقی کے زیر و بم ہیں اور ان میں تاثیر بھی ہے
نغمہ کے طوفانوں میں ہر سانس جھکولے کھاتی ہے
نیند کے مارے اک دوشیزہ آنکھیں ملتی جاتی ہے

ماتھے کی نمناک لکیریں نور کا مینہ برساتی ہیں
ہونٹ ہیں گویا کچی کلیاں آنکھیں کچھ کچھ گاتی ہیں
خود ہی خود غزلوں پر غزلیں موزوں ہوتی جاتی ہیں
زلف کی بے ترتیبی رخ پر اور قیامت ڈھاتی ہے
نیند کے مارے اک دوشیزہ آنکھیں ملتی جاتی ہے

ہونٹ کی لالی کو گر دیکھے پھول کی پتی شرما جائے
آنکھ کی مستی جب چاہے پیمانے دل کے چھلکا جائے
حسن سراپا مستی ہے اور مستی کو کیا سمجھا جائے
پریم کی دھن میں مست جوانی گیت خوشی کے گاتی ہے
نیند کے مارے اک دوشیزہ آنکھیں ملتی جاتی ہے

بغداد کے چمن میں ایک شام

اف وہ کفر انگیز منظر ہائے وہ رنگین شام
چند لمحوں میں بدل ڈالا مرے دل کا نظام
جس طرف دیکھو جمالِ رنگ و بو تھا آشکار
پتیاں، سبزہ، شگوفے، اوس کے قطرے، بہار
ہر روش پر مضمحل دل کی کلی کھلتی ہوئی
شام، سورج کی شعاعوں سے گلے ملتی ہوئی
نغمۂ صد عیش تھا نورس شگوفوں کا سکوت
پتی پتی دے رہی تھی سکر و مستی کا ثبوت
تھی چمن کی اجتماعی شان و شوکت دیدنی
زندگی مستی، جوانی، حسن، نغمہ، تازگی
تھی طراوت روح افزا اور خنکی خوشگوار
چپہ چپہ پر نظر افروز گملوں کی قطار
غیرتِ خلدِ بریں تھی گل کدے کی مرز بوم
ہر روش پر تھا عراقی نازنینوں کا ہجوم
کوئی سبزے پر تھی آسودہ کوئی محوِ خرام
پی رہی تھی کوئی لے لے کر مزے، شربت کے جام
کوئی شاخیں تھام کر انگڑائیاں لیتی ہوئی
کوئی انگلی سے ٹھوکے پھول کو دیتی ہوئی

جوشِ مستی میں کوئی طاؤسِ رقصاں کی مثال
کوئی کچھ کھوئی سی جیسے رم خور دہ غزال
جانبِ مشرق بہت سی تھیں یہودی لڑکیاں
کر رہی تھیں اپنی جو ہمجولیوں سے شوخیاں
گنگناتی تھی کوئی چٹکی بجاتی تھی کوئی
سونگھ کر پھولوں کو خود ہی مسکراتی تھی کوئی
کوئی کرتی تھی حفاظت گیسوئے خمدار کی
تھی کسی کو فکر اپنے غازۂ رخسار کی
کوئی چلتی تھی جوانی کے نشہ میں جھوم کر
کوئی شرمائی سی جاتی تھی کلی کو چوم کر
کوئی محوِ گفتگو تھی کوئی مصروفِ خیال
کوئی کہتی تھی نگاہوں کے اشارے سے تعال
ہر نظر افروز صورت حاصلِ نظّارہ تھی
کیا بتاؤں کس قدر میری نظر آوارہ تھی
ہر پری چہرہ مجسّم شوخی و ناز و ادا
میرا بس چلتا تو میں اپنی نظر کو چومتا
انکھڑیوں کے سرخ ڈوروں کی گلابی جھلکیاں
میکدہ بردوش نظروں کی لگاوٹ الاماں!
دل سے یکسر ہو گئے تھے محو سب اندوہ و غم
یاسمیں کے پھول کی سوگند، نرگس کی قسم
پھر مرے دل کو میسّر ہو نشاطِ زندگی
کاش! دنیا اور دے اک فرصتِ نظّارگی

چلے گئے

شوخی سے میرا ہاتھ دبا کر چلے گئے
میں یہ سمجھ رہا ہوں بلا کر چلے گئے

ان مست انکھڑیوں کا نظارہ نہ پوچھئے
جیسے مجھے شراب پلا کر چلے گئے

وہ شرمگیں نگاہ وہ اندازِ التفات
کچھ اور رسم و راہ بڑھا کر چلے گئے

یہ بھی خبر نہیں ہے کہ میرا جہانِ شوق
آباد کر گئے کہ مٹا کر چلے گئے

تسکین خاطرِ دلِ بے تاب کیا ہوئی!
سینے میں اور آگ لگا کر چلے گئے

وہ التفاتِ خاص مرے حالِ زار پر
ذرے کو آفتاب بنا کر چلے گئے

ماہر وہ ان کی شوخیٔ مستانہ ہائے ہائے!
میری غزل مجھی کو سنا کر چلے گئے

رنگین فسانہ

اللہ رے ان مست نگاہوں کا فسانہ
وہ ساعتِ رنگیں، وہ محبّت کا زمانہ

رخسار کی ہر ضو میں ستاروں کی کہانی
زلفوں کا ہر اک پیچ گھٹاؤں کا فسانہ

رفتار میں رم خوردہ غزالوں کی کلیلیں
گفتار میں ہنستی ہوئی کلیوں کا ترانہ

ساری کی شکن حسن کا ٹھہرا ہوا دریا
آویزۂ رنگین کی بجلی کا خزانہ

وہ سادگیٔ حسن وہ خود دار جوانی
وہ اس بتِ کافر کی خدائی کا زمانہ

گھبرائی نگاہوں کے اچٹتے ہوئے ناوک
پڑتا تھا مگر ٹھیک جگر ہی پہ نشانہ

وہ شرم و حیا اور وہ معصوم ادائیں
جھنجلا کے وہ ڈھلکے ہوئے آنچل کا اٹھانا

وہ میری نگاہوں کی گزارش پہ گزارش
وہ اس کا کسی طرح بھی آنکھیں نہ ملانا

گھوڑے کی سواری کا وہ منظر ارے توبہ!
ہر دور میں اک برق تبسم سے گرانا

موٹر کا تصادم ارے موٹر کا تصادم
وہ اس کا جھجکنا وہ ذرا طیش میں آنا

وہ حسن کا پندار وہ خود دار جوانی
بس ایک تفکر سا نہ ہنسنا نہ ہنسانا

اس شعلۂ جوّالہ کا ہر گام پہ کہنا
جل جاؤ گے دیکھو مرے نزدیک نہ آنا

اس چہرۂ رنگیں پہ نگاہوں کی وہ یورش
بے ساختہ لب پر مرے اس شعر کا آنا

"الجھیں ترے رخسار سے گستاخ نگاہیں
تو اور ہو مجروحِ تماشا مرے آگے"

وہ اس کا تغافل کہ "مجھے تم سے سروکار"
میری یہ گزارش کہ مجھے بھول نہ جانا

یہ نقش مٹے گا نہ مٹائے سے بھی ماہر
یاد آئے گا ہر روز یہ رنگین فسانہ

ایک "حسینہ" سے 'اس کی شادی کے بعد

وہ ترے جذبات کی آتش فشانی کیا ہوئی
جس سے دنیا کانپتی تھی وہ جوانی کیا ہوئی
کیوں نہیں ہونٹوں پہ تیرے اب وہ طوفانِ نشاط
وہ تبسم کیا ہوا وہ گل فشانی کیا ہوئی
کیوں نظر آتا ہے اب تیرا تبسم سوگوار
وہ فضائے دل وہ صبحِ شادمانی کیا ہوئی
اب تری باتیں ہیں گویا فلسفہ کے مسئلے
وہ تکلّم کیا ہوا' رنگیں بیانی کیا ہوئی
اب کہاں ہیں وہ تری آنکھوں کے ڈورے سرخ سرخ
جذبۂ معصوم کی وہ ترجمانی کیا ہوئی
اب ترے دل کا سفینہ ہر طرح پابند ہے
بحرِ آزادی میں موجوں کی روانی کیا ہوئی
کیا ہوئیں وہ تیری طوفانی امنگیں کیا ہوئیں
زندگانی کیا ہوئی ، وہ نوجوانی کیا ہوئی
ہیں ترے جذبات کے کیوں پھول مرجھائے ہوئے
غنچہ ہائے ناشگفتہ کی کہانی کیا ہوئی
یاد ہو گا تجھ کو میرا شعر تھا وردِ زباں
کیا ہوئی ظالم مری رنگیں نشانی کیا ہوئی

چھین لی کس نے ترے عارض کی سرخی چھین لی
چار ہی دن میں ترے پھولوں کی رنگت کیا ہوئی
ہے نظر میں آج تک پھولوں کی ڈالی کا سماں
چال کی شوخی تبسم کی صباحت کیا ہوئی
یہ زمانہ اور یہ سنجیدگی کی قید و بند
کیا ہوئی وہ مسکرا دینے کی عادت کیا ہوئی
گفتگو جھجکی ہوئی سی ہر قدم پر احتیاط
وہ شرارت کیا ہوئی، بے باک جرائت کیا ہوئی
کیوں تری باتوں میں وہ پہلی سی دلچسپی نہیں
وہ طبیعت کیا ہوئی آزاد فطرت کیا ہوئی
لوٹ لیں کس نے مسرت کی بہاریں لوٹ لیں
شامِ عشرت کیا ہوئی صبحِ مسرت کیا ہوئی
آرزو کی سادگی دل کی لطافت کیا ہوئی
وہ مقدّس اور معصوم الفت کیا ہوئی

جستجو

تاروں میں محبت کا جہاں ڈھونڈھ رہا ہوں
گزری ہوئی راتوں کا نشاں ڈھونڈھ رہا ہوں
جو میرے لئے منتظرِ جانبِ در تھی
اب تک وہی چشمِ نگراں ڈھونڈھ رہا ہوں
جس کے لیے خود حسن کے انداز ہیں بے چین
وہ سوزِ نہاں ، قلبِ تپاں ڈھونڈھ رہا ہوں
دکھ درد کی ان چاند ستاروں کو خبر کیا
کھوئے ہوئے دل کو میں کہاں ڈھونڈھ رہا ہوں
ناکام دعاؤں کا اثر ڈھونڈھ رہا ہوں
میں اوس کی بوندوں میں شرر ڈھونڈھ رہا ہوں
پھر دل کو ہے اک تازہ جراحت کی ضرورت
اس شوخ کا اندازِ نظر ڈھونڈھ رہا ہوں
اے وہ کہ تری راہ میں ہیں دیدہ و دل فرش
اب تک میں تری راہ گزر ڈھونڈھ رہا ہوں
اس دہر میں اور نقشِ وفا ڈھونڈھ رہا ہوں
کیا مجھ کو ہوا ہے یہ میں کیا ڈھونڈھ رہا ہوں
درد و غمِ ہستی کی دوا ڈھونڈھ رہا ہوں
دیوانہ ہوں آغوشِ فنا ڈھونڈھ رہا ہوں
اللہ! نگہبان مرے ذوقِ طلب کا
یہ بھی نہیں معلوم کہ کیا ڈھونڈھ رہا ہوں

سوز و ساز

(غزلیں)

○

رحمت کو ان کی جوش میں لانے کی دیر ہے
یعنی سرِ نیاز جھکانے کی دیر ہے
پینے کی دیر ہے نہ پلانے کی دیر ہے
ساقی کے بس نگاہ اٹھانے کی دیر ہے
پروانے آ ہی جائیں گے کھنچ کر بہ جبرِ عشق
محفل میں صرف شمع جلانے کی دیر ہے
آنکھوں میں دم ہے آخری ہچکی کا وقت ہے
او بے نیاز! بس ترے آنے کی دیر ہے
خود مضطرب ہیں بادہ و ساغر کی جھلکیاں
ساقی کی سمت ہاتھ بڑھانے کی دیر ہے
وہ بھی تڑپ نہ جائیں تو اس عاشقی پہ خاک
مجھ سے فقط نگاہ ملانے کی دیر ہے
جامِ شراب، مست گھٹا، مضطرب بہار
سب آ چکے ہیں آپ کے آنے کی دیر ہے
چلمن کی بندشوں میں وہ شاید نہ رک سکیں
ماہر کے صرف شعر سنانے کی دیر ہے

○

کہہ دو کہ نفس کی بھی نہ نکلے کوئی آواز
اس وقت تصور میں ہے اک شاہدِ طنّاز
کیا جانیے! کیا چیز ہے وہ شوخِ فسوں ساز
ہر ناز میں انداز ہے ہر بات میں اعجاز
میں اور مجسم نگہہِ شوق و تمنّا
وہ اور فقط ایک نگاہِ غلط انداز
دنیا ہے کہ دیوانۂ انجامِ محبت
اور عشق حقیقت میں ہے آغاز ہی آغاز
کیا حکم ہے اے جذبۂ بے تابِ پرستش
بت خانہ کا دربند ہے مے خانہ کا در باز
یہ شبنم و خورشید کی دلچسپ کشاکش
دیکھو تو فقط کھیل ہے سمجھو تو اک آواز
یہ عالمِ ہستی ارے توبہ! ارے توبہ!
ہر چیز یہاں راز ہے، غم راز، خوشی راز
یہ کس نے نقابِ رخِ پُر نور الٹ دی
ششدر نظر آتا ہے جو ماہر سا نظر باز

○

وہ ترے حال سے غافل دلِ ناشاد نہیں
وہ یہ کہتے ہیں مجھے فرصتِ بیداد نہیں

مسکراتے ہوئے پھولوں نے کہا شبنم سے
فطرتِ غم سے یہاں کوئی بھی آزاد نہیں

میں کہ خود اپنی جگہ پر بھی نہیں ہوں موجود
وہ کہ ہر جا ہیں و لیکن کہیں آباد نہیں

میری ہر بات پہ چہرہ متغیر کیوں ہے
تم تو کہتے تھے کوئی بات مجھے یاد نہیں

جانے! کیا اس کی نگاہوں نے فسوں پھونک دیا
دل کسی طرح بھی آمادۂ فریاد نہیں

میں تڑپتا ہوں فقط لطف کی خاطر ماہر
وہ سمجھتے ہیں کہ دل تشنۂ بیداد نہیں

○

درحقیقت انقلابِ زندگی اعجاز ہے
ذرہ ذرہ خاکِ ہستی کا جہانِ راز ہے

انتہائے دردِ دل ہے ، ابتدائے آرزو
موت کہتے ہیں' جسے وہ عشق کا آغاز ہے

ہو چکی بیمارِ الفت کو تسلی ہو چکی
ایک دزدیدہ نظر وہ بھی غلط انداز ہے

آپ نے جو کچھ کیا اچھا کیا ، میں کیا کہوں
فیصلہ دُنیا کرے گی کون دُنیا ساز ہے

بے نشانی کا یہ عالم ہے نشاں ملتا نہیں
ہستیٔ موہوم گویا دور کی آواز ہے

اف! وہ دردِ دل مداوا جس کا ہو سکتا نہیں
ہائے! وہ بیمار جس کا درد چارہ ساز ہے

ڈر رہا ہوں حسن و الفت میں تصادم ہو نہ جائے
سامنے نظروں کے ماہر اک سراپا ناز ہے

○

ترے سجدے میں ہم نے اپنی پیشانی جہاں رکھ دی
تجلّی نے تری واں وسعتِ کون و مکاں رکھ دی
خبر ہے تجھ کو اے بادِ بہاری دردمندوں کی
گلوں نے پیاس کی شدت سے کانٹوں پر زباں رکھ دی
چمن میں میرے ہی تنکوں پہ ہر بجلی کی نظریں ہیں
مری قسمت کہ پھر میں نے بنائے آشیاں رکھ دی
یہ ویرانہ یہ سناٹا یہ وحشت خیز خاموشی
عزیزوں نے مری میت کو کیا سمجھا کہاں رکھ دی

مرے دل کی ہر اک رگ خونچکاں معلوم ہوتی ہے
تمناؤں کی دنیا گلستان معلوم ہوتی ہے
قیامت آ نہ جائے رات کے او جاگنے والے
تری ہر سانس لبریزِ فغاں معلوم ہوتی ہے
بھڑک اے شمعِ کشتہ! اور نگاہِ جستجو بن جا
مری تربت کسی کو بے نشاں معلوم ہوتی ہے
فغاں ٹوٹے ہوئے دل کی جسے تم کھیل سمجھے ہو
مجھے وابستۂ نظمِ جہاں معلوم ہوتی ہے
جو سن لیتے تو کیا تھا مختصر سی شرحِ بربادی
مگر تم کو تو وہ اک داستاں معلوم ہوتی ہے
مری میّت پہ وہ میری وفائیں یاد کرتے ہیں
خموشی بھی مری جادو بیاں معلوم ہوتی ہے
تبسم ریز ہیں کلیاں خیابانِ فصاحت کی
زمینِ شعر ماہرؔ گلفشاں معلوم ہوتی ہے

○

شبِ وعدہ وہ اب تک آ رہے ہیں
ستارے ہیں کہ ڈوبے جا رہے ہیں
مریضِ غم میں باقی کیا رہا ہے!
وہ اب تکلیف کیوں فرما رہے ہیں
کوئی سمجھا کرم، کوئی توجہ
عجب انداز سے شرما رہے ہیں
عتاب آمیز رخساروں پہ گیسو
ہواؤں سے الجھتے جا رہے ہیں
مجھے ڈر ہے نہ توبہ ٹوٹ جائے
کہ بادل مجھ کو پھر بہکا رہے ہیں
محبت کا ہے یہ آغاز، ماہرؔ
ابھی سے آپ کیوں گھبرا رہے ہیں

○

خوفِ غم آرزوئے راحت ہے
یہ محبت نہیں تجارت ہے
آرزوؤں کی اتنی کثرت ہے
زندگی کیا ہے اک مصیبت ہے
حسن کو عشق کی ضرورت ہے
یہ فسانہ نہیں حقیقت ہے
تیرے ہوتے ہوئے غمِ جاناں
اور کس چیز کی ضرورت ہے
کیا خوشی اس کو راس آئے گی
دل تو پروردہ مصیبت ہے
دل پہ کیا کیا گزر گئی مت پوچھ!
جی رہا ہوں یہی غنیمت ہے
ہر نفس میں ہے یادِ دوست کا رنگ
یہ تو دوری نہیں ہے قربت ہے
ہوشیار اے نگاہِ سادہ مزاج!

○

دردِ اُلفت کو بہ ہر صورت چھپانا چاہیے
زخم کھا کر بھی خوشی سے مسکرانا چاہیے

دردمندوں کو مصیبت سے چھڑانا چاہیے
آدمی کو آدمی کے کام آنا چاہیے

مسکرا کر ہر قدم آگے بڑھانا چاہیے
پیچ و خم سے راہ کے گھبرا نہ جانا چاہیے

غم کے طوفانوں میں کب سے لے رہا ہے کروٹیں
وہ سفینہ جس کو اب تک ڈوب جانا چاہیے

میری پیشانی ہو کیوں آلودۂ دیر و حرم
میرے سجدوں کو تمہارا آستانہ چاہیے

یہ تو اک پردہ ہے درد و غم چھپانے کے لئے
تم کو میری مسکراہٹ پر نہ جانا چاہیے

کون لا سکتا ہے تابِ جلوۂ دیدار دوست
اس لئے مجھ پر نوازش غائبانہ چاہیے

آج اشکِ خوں میں ہے ان کے تصور کی جھلک
اب تو میری شامِ غم کو جگمگانہ چاہیے
سینکڑوں مفہوم رکھتی ہے وہ چشمِ التفات
دیکھنے والوں کو دھوکے میں نہ آنا چاہیے
حضرتِ ماہر یہ عشرت خانۂ بنگلور ہے
اس جگہ ہر گام پر دامن بچانا چاہیے

یورش ہے درد و غم کی دلِ داغدار پر
آ جاؤ اب بھی ہے مری دنیا بہار پر

زاہد تری نماز کا انداز ہائے! ہائے!
احسان جیسے کر دیا پروردگار پر

اس نے متاعِ دردِ محبت بھی سونپ دی
یہ اعتماد تھا مری مشتِ غبار پر

وہ چشمِ مست اور توجہ خدا کی شان!
اب میری زندگی کا نشہ ہے اتار پر

اس چشمِ التفات نے برباد کر دیا
چلنا پڑا ہے تیغِ محبت کی دھار پر

ماہر نفس نفس ہے سلام و پیامِ دوست
قربان سو وصال غمِ انتظار پر

○

کب ترا مجھ کو تصور سحر و شام نہ تھا
جیسے دنیا میں کوئی اور مجھے کام نہ تھا
آہ! وہ لب جو تمنا کے لئے کھل نہ سکے
ہائے! وہ آنکھ کہ جس میں کوئی پیغام نہ تھا
موسمِ گل نے اسیری کی بِنا ڈالی ہے
جب خزاں تھی کوئی طائر بھی تہہِ دام نہ تھا
وہ جو آیا تو نگاہیں مری تیار نہ تھیں
جب نگاہوں کو اٹھایا وہ لبِ بام نہ تھا
ایک رکتی ہوئی فریاد کا مجرم ہوں میں
وہ تو یہ خیر ہوئی لب پہ ترا نام نہ تھا
اے اجل! تیری مسیحائی کا قائل ہوں میں
اس سے پہلے کبھی بیمار کو آرام نہ تھا
کس کو دنیا میں مسرت نہ ہوئی رنج کے بعد
ایک مجھ پر اثرِ گردشِ ایّام نہ تھا
آج تک کیف ہے اس دن سے مسلسل ماہر
چشمِ ساقی تھی، کوئی بادۂ گلفام نہ تھا

○

کتنا مصروف ضبطِ آہ میں ہے
دل ابھی قیدِ رسم و راہ میں ہے
ماہ و انجم پہ کیا نظر ڈالوں
تیرا جلوہ مری نگاہ میں ہے
رحمتِ بے پناہ کی سوگند
زندگی کا مزہ گناہ میں ہے
سب چلے جا رہے ہیں سوئے عدم
کوئی منزل پہ کوئی راہ میں ہے
رات کوئے بتاں میں تھا ماہر
آج وہ صحنِ خانقاہ میں ہے

○

نشاط و کیف کا عالم زمیں سے آسماں تک ہے
خدا معلوم! تیرے حسن کی دنیا کہاں تک ہے
محبت کو خیالِ ماسوا چھو بھی نہیں سکتا
ہوس کی جادو پیمائی فقط سود و زیاں تک ہے
یہی طوفاں مجھے آسودۂ ساحل بنائے گا
تلاطم میری کشتی کا شکستِ بادباں تک ہے
وہ اک جذبہ ہوس کا ہے محبت ہو نہیں سکتی
تعلق صرف جس کا اتصالِ جسم و جاں تک ہے
تمہارے حسن سے قوسِ قزح کی رنگ آرائی
تمہارے نور سے روشن جبینِ کہکشاں تک ہے
چلو اے میگسارو! مے کشی کا وقت آ پہنچا
مغنی ہے، گھٹا چھائی ہے، جامِ ارغواں تک ہے
کوئی بچھڑے ہوؤں کی بات بھی سنتا نہیں ماہر
جرس کی مہربانی کارواں سے کارواں تک ہے

○

نظارے کے قابل. اب جوشِ بادہ پرستی ہے
میں ہوں چشم ساقی ہے اور فضائے مستی ہے
عکسِ چشمِ ساقی کو جام و مینا کہتے ہیں
مے خانہ کا مے خانہ ایک فریبِ مستی ہے
دل ٹکڑے ہو جائے گا عشق و ہوس کا فرق نہ پوچھ!
میں دنیا پر ہنستا ہوں، دنیا مجھ پر ہنستی ہے
ہوش و خرد کا ذکر نہ کر، صبرو سکون کا نام نہ لے
عشق مکمل حیرت ہے، حسن سراپا مستی ہے
ہُو کا عالم، سناٹا ہر منظر عبرت بردوش
میرے دل کی دنیا بھی، کیسی اجڑی بستی ہے
جس کو دیکھو سرگرداں، جس کو پاؤ سودائی
دنیا جس کو کہتے ہیں دیوانوں کی بستی ہے
سود و زیاں کا خطرہ بھی دیکھ نہ دل میں آنے پائے
عشق کے مذہب میں ماہر یہ تو شرک پرستی ہے

○

وہی کچھ دہر میں رازِ نظامِ دل سمجھتے ہیں
جو تیرے عشق کو کونین کا حاصل سمجھتے ہیں

ہمیں دیر و حرم کی سمت جانے کی ضرورت کیا
کہ ہم ایک ایک ذرے کو تری منزل سمجھتے ہیں

مری جانب کبھی بھولے سے بھی نظریں نہیں اٹھتیں
وہ مجھ کو التفاتِ خاص کے قابل سمجھتے ہیں

ملا ہم کو صلہ یہ بحرِ غم سے آشنائی کا
جسے طوفاں سمجھتے تھے اسے ساحل سمجھتے ہیں

کہاں یہ ناتواں دل اور کہاں وہ جورِ بے پایاں
یہ ان کی مہربانی ہے جو اس قابل سمجھتے ہیں

محبت پر مدارِ ہستیٔ کونین ہے ماہر
یہ وہ نکتہ ہے جس کو صاحبانِ دل سمجھتے ہیں

○

ہر نفس پیغامِ بربادی ہے انساں کے لئے
نبض کی ہر موج ہے نشترِ رگِ جاں کے لئے
زندگی دی ہی گئی تھی کشمکش کے واسطے
دل بنایا ہی گیا تھا سوزِ پنہاں کے لئے
اپنے اندازِ کرم کی مجھ سے تاویلیں نہ کر
یہ بھی اک تقریب تھی جورِ فراواں کے لئے
کچھ نہ پا کر بھی سمجھتا ہے کہ سب کچھ پا لیا
زندگی سب سے بڑا دھوکا ہے انساں کے لئے
پھول، ذرے، کہکشاں، تارے، شفق، قوسِ قزح
نذر لائے ہیں ترے حسنِ فراواں کے لئے
اے مرے حسنِ عقیدت، اے مرے نورِ یقیں!
کفر کی بھی اک جھلک تکمیلِ ایماں کے لئے
رہ گئی ہے دولتِ ایمان و دیں ماہر کے پاس
یہ بھی حاضر ہے نگاہِ کفر ساماں کے لئے

○

سفّاک نے بیداد کی پھر داد نہ چاہی
یہ مجھ پہ ستم اے ناکردہ گناہی
ہر برق کے دامن میں ہے قسمت کی سیاہی
آنے ہی کو ہے میرے نشیمن پہ تباہی
صدقے ترے اسرار، اوامر کے بتائے
قربان ترے دی مجھے توفیقِ نواہی
ہر ذرہ ترے نور کا اقرارِ مجسم
ہر پھول ترے حسن کی دیتا ہے گواہی

○

دیکھنا یہ کون بے پردہ نمایاں ہو گیا
ایک عالم بے نیازِ کفر و ایماں ہو گیا

آج اپنے کبر پر زاہد پشیماں ہو گیا
زہد نے اتنی ترقی کی کہ عصیاں ہو گیا

اس کی برگشتہ نصیبی پر کہاں تک روئیے
وہ گلستاں جو بہار آتے ہیں ویراں ہو گیا

رحم کر اے مژدۂ وہمِ مسرت رحم کر!
دیکھتا ہوں غم کا شیرازہ پریشاں ہو گیا

پھر کوئی نکلا ہے گھر سے لے کے دنیائے شباب
پھر کسی کم بخت کے مٹنے کا ساماں ہو گیا

کھل ہی جاتا ایک دن تیری مسیحائی کا راز
وہ تو یہ کہئے کہ غم کا نام درماں ہو گیا

بحرِ وحدت سے اٹھی تھی ایک بے تابانہ موج
عالمِ کثرت میں جس کا نام انساں ہو گیا

ٹھوکروں ہی ٹھوکروں میں پا گئے منزل کو ہم
مشکلوں ہی مشکلوں میں کام آساں ہو گیا

آج کچھ اس دھن میں چھیڑا میں نے ماہر سازِ عشق
ذرّہ ذرّہ خاکِ ہستی کا غزل خواں ہو گیا

○

ہم دردِ محبت کا فسانہ جو سنائیں
بے چین ہوں کونین کی خاموش فضائیں
مجموعۂ اضداد ہیں سب ان کی ادائیں
پردہ بھی کریں اور تصور میں بھی آئیں
ہر حال میں اچھی ہیں تغافل سے جفائیں
یعنی یہ غرض ہے وہ مجھے بھول نہ جائیں
کیا جانئے! کیا ہیں بتِ کافر کی جفائیں
کرتا ہوں جو فریاد نکلتی ہیں دعائیں
اب ذکر ہی کیا ہے دلِ پامالِ جفا کا
اللہ! وہ سوئے ہوئے فتنے نہ جگائیں
شاید دلِ مضطر پہ کوئی سخت گھڑی ہے
سنتا ہوں بڑی دیر سے غمناک صدائیں
ہر ذرہ سے ہوں طور کے انوار نمایاں
دوں آتشِ دل کو جو قرینہ سے ہوائیں
ساقی کی نگاہوں کا پرستار نہ چونکا
دیں قلقلِ مینا نے صداؤں پہ صدائیں
جنت میں بھی تڑپائیں گی ماہر مرے دل کو
یہ کنجِ قفس اور یہ ساون کی گھٹائیں

○

تجھے اک نظر دیکھنا چاہتا ہوں
میں اس کے سوا اور کیا چاہتا ہوں
وفاؤں کے بدلے جفا چاہتا ہوں
میں کیا چاہتا تھا' میں کیا چاہتا ہوں
محبت کی پھر ابتداء چاہتا ہوں
خدا مجھ کو سمجھے میں کیا چاہتا ہوں
کرم کی ضرورت ہے مجھ کو و لیکن
بہ عنوانِ جور و جفا چاہتا ہوں
مصائب کی بارش' بلاؤں کی یورش
بہ مقدارِ صبرو رضا چاہتا ہوں
گناہِ محبت کا مجرم ہوں مجرم
میں اپنے کیے کی سزا چاہتا ہوں
جہاں اک جہانِ تجلی ہو ماہر
محبت کی ایسی فضا چاہتا ہوں

○

نگاہِ مست کو مصروفِ ناز رہنے دے
کچھ اور روز مجھے پاکباز رہنے دے
علاجِ درد مرے چارہ ساز رہنے دے
کہ یہ خلش ہے بڑی دلنواز، رہنے دے
جو فاش ہو نہ سکے اس کو فاش کر کے چھوڑ
جو راز رہ نہ سکے اس کو راز رہنے دے
لطافتِ غمِ الفت کا واسطہ اے دوست!
حیات و موت میں کچھ امتیاز رہنے دے
نگاہِ یار! تجھے جورِ بے سبب کی قسم
نوازشِ غمِ پنہاں کو راز رہنے دے
مرے خیال کو ہر دم تری ضرورت ہے
تصورات کو زینت طراز رہنے دے
زمانہ بھر میں کوئی غزنوی نہاد نہیں
حدیثِ طرۂ زلفِ ایاز رہنے دے
حیاتِ گلشنِ مغرب تجھے مبارک ہو
مجھے شہیدِ فضائے حجاز رہنے دے
حدیثِ درد محبت نہ کر بیاں ماہر
حقیقتوں کو اسیرِ مجاز رہنے دے

○

جو نظر کامیاب ہوتی ہے
آپ اپنا جواب ہوتی ہے
زندگی جب عذاب ہوتی ہے
عاشقی کامیاب ہوتی ہے
تیرے آگے لطافتِ شبنم
شرم سے آب آب ہوتی ہے
روکیے اپنی مست نظروں کو
ساری دنیا خراب ہوتی ہے
جس صراحی کو چھو لیا تو نے
غیرتِ آفتاب ہوتی ہے
یوں نہ موجوں سے کھیل اے غافل!
زندگانی حباب ہوتی ہے
اس چمن کی بہار کیا کہنا!
پنکھڑی بھی گلاب ہوتی ہے
تجھ سے ظالم کو پیار کرتا ہے
جس کی قسمت خراب ہوتی ہے
بڑھتے جاتے ہیں ان کے رخ کے نقاب
ہر نظر اک حجاب ہوتی ہے

ناز ہے دل کی بیکلی پہ مجھے
شوخیوں کا جواب ہوتی ہے
مست آنکھوں کا دھیان آتا ہے
سامنے جب شراب ہوتی ہے
ان کے عاشق کی زندگی ماہر
کتنی ناکامیاب ہوتی ہے

○

آج تک یاد ہے وہ لذّتِ آغاز مجھے
دیکھ! پھر دیکھ! نگاہِ غلط انداز مجھے
اس طرح دیکھ رہی ہے نگہِ ناز مجھے
آج تک سازِ محبت کے ہیں پردے خاموش
دی گئی روزِ ازل آخری آواز مجھے

○

وہ عربدہ جُو، معصوم ادا، قاتل بھی ہے اور قاتل بھی نہیں
دل اس کی ادائے سادہ کا بسمل بھی ہے اور بسمل بھی نہیں

وعدے پہ نہیں آتا سچ ہے، پر یاد تو اس کو آتی ہے
اس جانِ محبت کا وعدہ باطل بھی ہے اور باطل بھی نہیں

دیکھو تو ہر اک سے بیگانہ، سمجھو تو کسی کا دیوانہ
دل یار کی بزمِ عشرت میں شامل بھی ہے اور شامل بھی نہیں

ظاہر میں ہر اک شے پر قبضہ، باطن میں نہ ذرہ بھی بس کا
دنیا میں ہماری ہستی کا حاصل بھی ہے اور حاصل بھی نہیں

ہر دل ہے نشیمن کاشانہ، اس پر بھی تباہ و ویرانہ
اس جانِ جہاں کے جلووں کی منزل بھی ہے اور منزل بھی نہیں

دیوانہ مگر اہلِ عرفاں، تاریک مگر مہرِ تاباں
دل تیری نگاہِ الفت کے قابل بھی ہے اور قابل بھی نہیں

ایقان تذبذب کا زخمی، عرفاں کی شعاعیں دھندلی سی
دنیا تری روشن ہستی کی قائل بھی ہے اور قائل بھی نہیں

ہے جذبۂ کامل کے دم تک، نظارے کی یہ فردوس گری
اے قیس، بگولا صحرا کا محمل بھی ہے اور محمل بھی نہیں

عرفانِ خودی ہے عین بقا، احساسِ خودی پیغامِ فنا
ہستی مری راہِ الفت میں حائل بھی ہے اور حائل بھی نہیں

جو ڈوب گیا وہ پار اترا جو سطح پہ تھا وہ تر نہ سکا
دریائے محبت کا ماہر ساحل بھی ہے اور ساحل بھی نہیں

○

یہ کس کے دل کی کہانی سنائی جاتی ہے
وہ کہہ رہے ہیں مجھے نیند آئی جاتی ہے

نگاہِ شوق پہ حیرت سی چھائی جاتی ہے
اس احتیاط سے چلمن اٹھائی جاتی ہے

شرابِ ناب میں دیکھی نہ برق و انجم میں
وہ چیز جو تری آنکھوں میں پائی جاتی ہے

جو ناگوار ہے اہلِ جہاں کی فطرت کو
مری زباں پہ وہی بات آئی جاتی ہے

یہ شوخیاں ، یہ جوانی ، ارے خدا کی پناہ!
قدم قدم پہ قیامت اٹھائی جاتی ہے

مجھے بھی بار ہے اس بزمِ ناز میں ماہر
جہاں نظر سے جوانی لٹائی جاتی ہے

○

ایک اک گام پہ دنیا مجھے ٹھکراتی ہے
مجھ کو اس زحمتِ بیجا پہ ہنسی آتی ہے
ذرہ ذرہ سے محبت کی صدا آتی ہے
زیست جب موت کی منزل سے گزر جاتی ہے
آپ کے چاند سے ماتھے پہ پسینہ کیوں ہے
کیا مرے دل کے دھڑکنے کی صدا آتی ہے
اللہ اللہ! ترے دردِ محبت کا فروغ
زندگی، موت کے سانچے میں ڈھلی جاتی ہے
دیکھ کر آپ کی ان شوخ اداؤں کا سماں
نگہہِ شوق بھی گستاخ ہوئی جاتی ہے
او مرے ہاتھ سے دامن کو چھڑانے والے
دل کی دنیا مری ویران ہوئی جاتی ہے
دیکھ کر سوئے فلک آپ جو ہنس دیتے ہیں
چاندنی آپ کے قدموں پہ جھکی جاتی ہے
آپ ماہر کی کسی بات کی پرواہ نہ کریں
وہ اک آزاد منش رندِ خراباتی ہے

تخئیل ہے پریشاں، ناکام ہے ارادہ
غم دلنواز نکلا، امید سے زیادہ
الفت کی زندگی کا اللہ ہے نگہباں!
امید شوخ فطرت، دل کا مزاج سادہ
گلزار کی روش پر تاروں کی روشنی میں
وہ چہرۂ گلابی اس پر فروغِ بادہ
بجلی کی تابشیں ہوں یا موجِ مے کی مستی
ان کی نظر سے دنیا کرتی ہے استفادہ
یہ کون حشر ساماں رک رک کے چل رہا ہے
غلطاں ہے گردِ منزل، لرزاں ہے نبضِ جادہ
ماہر تمہاری باتیں دنیا سے ہیں نرالی
جینے کی آرزو میں مرنے کا ہے ارادہ

○

اعتبارِ بندگی کو تابکے رسوا کریں
آؤ ان کے آستاں پر آخری سجدا کریں
ان کے بیمارِ محبت کا ہے کو شکوا کریں
وہ اگر تھوڑی سی بھی تکلیف فرمایا کریں
تابکجا یہ گردشِ شام و سحر دیکھا کریں
اے نگاہِ شوق! اک دنیا نئی پیدا کریں
اپنا یہ مقدور ہی کب ہے تجھے رسوا کریں
درد آنسو بن کے ظاہر ہو تو اس کو کیا کریں
آہ پر خفگی مناسب، اشک پر طعنے بجا
کاش! وہ بے تابیٔ دل کا بھی اندازا کریں
جذبۂ منصور تو اپنا فسانہ کہہ گیا
اب اسے اہلِ جہاں جس طرح بھی سمجھا کریں
عشق میں ان کی نوازش کا سہارا کیا ضرور
ڈوبنا ٹھہرا تو ساحل کی تمنا کیا کریں
صبح ہوتے ہی نہ جانے کون دیتا ہے پیام
اوس کی بوندیں کرن میں جذب ہو جایا کریں

○

کاش اب اس سلسلہ کی لَے نہ ٹوٹے حشر تک
میرے خط جایا کریں ان کے پیام آیا کریں
ان کی چشمِ مست پر ہے بھیجنا واجب درود
میکدوں میں مغبچے جب جام چھلکایا کریں
سب کی آنکھوں سے چھپا کر آؤ سب کچھ دیکھ لیں
چشمِ نرگس بن کے اس دنیا کا نظّارا کریں
اے مرے جوشِ جنوں! اب اور کوئی مشغلہ
دامنوں کی دھجّیوں سے کب تلک کھیلا کریں
حضرتِ ناصح! محبت نشۂ صہبا نہیں
آپ سمجھاتے ہیں ماہر کو تو سمجھایا کریں

○

بارہا تیری نوازش نے جسے تھام لیا
اس نے کچھ سوچ کے پھر آج ترا نام لیا

دیکھ کر اس کی پشیمان نگاہیں سرِ حشر
میں نے خود اپنے ہی سر قتل کا الزام لیا

نبضِ دل ڈوبتی جاتی ہے، طبیعت ہے نڈھال
مجھ سے پھر دردِ محبت نے کوئی کام لیا

چل چکا تھا مئے گلرنگ کا مجھ پر جادو
آپ کی مست نگاہوں نے مگر تھام لیا

ہر کوئی اپنی جگہ ایک نئی دھن میں ہے
آپ نے حسنِ تغافل سے بڑا کام لیا

داغِ دل، سوزِ جگر، خونِ وفا، دردِ فراق
درگہِ حسن سے ہر بار کچھ انعام لیا

آج کیا ایسی نئی بات ہے ماہر تم نے
کانپتے ہاتھ سے جامِ مئے گلفام لیا

○

جس سے تری آنکھ جا لڑی ہے
اس کے لئے نزع ہر گھڑی ہے
ہر شاخ ترے لئے چمن میں
پھولوں سے لدی ہوئی کھڑی ہے
جب اس نے چھوا ہے جام و مینا
مستی کی گھٹا برس پڑی ہے
ظالم! ترا تازیانۂ جور
میرے لئے پھول کی چھڑی ہے
ماہر سے جدا وہ ہو رہے ہیں
شاید یہی نزع کی گھڑی ہے

○

یہ کیوں کہوں کہ لگی آگ آشیانے کو
کیا ہے برق نے روشن سیاہ خانے کو
شراب، نغمہ، جوانی، گھٹائیں، موسمِ گل
صدائیں دو مرے گزرے ہوئے زمانے کو
بھرے چمن میں بس اک اوس وقفِ ماتم ہے
سمجھ رہی ہے جو کلیوں کے مسکرانے کو
یہ روز روز کی مشقِ سجود ختم تو ہو
جبیں میں جذب ہی کر لوں نہ آستانے کو
قفس میں بھی نہ کہیں بجلیوں کی یورش ہو
بنا رہا ہوں، تصوّر میں آشیانے کو
یہ بے خودی ہے تری مست انکھڑیوں کی قسم
کہ رند بھول گئے ہیں شراب خانے کو
گزر رہی ہے کچھ اس ڈھب سے زندگی ماہر
کہ جیسے میری ضرورت نہیں زمانے کو

○

ہر جا وہی سرگرمِ تجلّی تو نہیں ہے
فانوسِ حرم شمعِ کلیسا تو نہیں ہے

میں محوِ خودی ہوں کہیں ایسا تو نہیں ہے
اپنے پہ مجھے یار کا دھوکا تو نہیں ہے

یہ حسنِ لطافت کا کرشما تو نہیں ہے
خود میری نظر یار کا جلوا تو نہیں ہے

خوش ہوں کہ مجھے فکرِ مداوا تو نہیں ہے
صد شکر وہ قاتل ہے مسیحا تو نہیں ہے

وہ اور مرے واسطے تکلیفِ تجلی
کیوں! اے نگہِ شوق یہ دھوکا تو نہیں ہے

اللہ رے ترا موجِ صبا عالمِ مستی
کلیوں کی چٹک قلقلِ مینا تو نہیں ہے

اے حسنِ ازل! رحم، یہ کیا دیکھ رہا ہوں
مقصود مرا جنتِ ماویٰ تو نہیں ہے

بے تاب ہیں سجدے مرے ہر خطِ جبیں میں
یاں تیرا کہیں نقشِ کفِ پا تو نہیں ہے

تدبیر کو رسوا نہ کر اے حسنِ مقدّر!
منشا ہے ترا ، میرا ارادہ تو نہیں ہے
مانا کہ کوئی بات نہیں حسبِ تمنا
مجھ کو روشِ دوست کا شکوا تو نہیں ہے
کونین کو پھر زیر و زبر دیکھ رہا ہوں
پھر ضبط کا ساغر کہیں چھلکا تو نہیں ہے
ہاں! ماہرِ ناشاد سے کچھ تم نے کہا تھا
تم بھول گئے ہو کہیں ایسا تو نہیں ہے

○

اپنی ہستی کا جو حاصل کہیں عرفاں ہو جائے
ہر حقیقت دلِ انساں پہ نمایاں ہو جائے

تیرا بیمار اگر چھوڑ دے دامانِ شکیب
آج شیرازۂ کونین پریشاں ہو جائے

کچھ تو ہو جائے ترے ذوقِ جفا کی تکمیل
جسم کا جسم محبت میں رگِ جاں ہو جائے

ضبطِ الفت میں ہے ایمان مگر کیا کیجئے
جو مرے دل میں ہے آنکھوں سے نمایاں ہو جائے

آنکھوں آنکھوں میں پلا دے مجھے صہبائے وصال
پردے پردے میں علاجِ غمِ پنہاں ہو جائے

ہم بھی ایمان کی دولت کو لئے بیٹھے ہیں
اس طرف بھی کوئی غارت گرِ ایماں ہو جائے

بھید کھل جائے بقا کا جو کہیں اے ماہر
آدمی موت پہ سو جان سے قرباں ہو جائے

○

اصول کے فریب کیوں، ضوابط و قیود کیا
نمازِ عشق کے لئے رکوع کیا سجود کیا
ہوس کی خامیوں کے یہ فراق و وصل نام ہیں
اگر کمالِ عشق ہے تو غیب کیا شہود کیا
نمائشِ جہاں نہیں طلسم ہی طلسم ہے
عروج کیا، زوال کیا، ہبوط کیا، سعود کیا
تلوّنِ جمال کی عیاں ہیں چند صورتیں
وگرنہ کائنات کی اساس کیا، نمود کیا
ہوس پرست کیا کہا مآلِ عشق یاس ہے
سرور و غم سے کیا غرض، یہاں زیان و سود کیا
ثباتِ عشق کی قسم فریب ہے فریب ہے
وجودِ دہر کچھ نہیں، نمودِ ہست و بود کیا
حیاتِ ماہرِ حزیں رہینِ دردِ عشق ہے
وگرنہ مشتِ خاک کی بساط کیا، نمود کیا

○

وہ آ رہا ہے کیف کی جنت لئے ہوئے
ہر جنبشِ نگاہ میں عشرت لئے ہوئے

میں ہوں وہ نقش جس کو مٹایا ہے دہر نے
دنیا ہے میرے خون کی تہمت لئے ہوئے

پھرتی ہے تیری یاد بھی کس کس مزے کے ساتھ
دل کی رگوں میں نشترِ الفت لئے ہوئے

آیا ہوں بھیک مانگنے اے ساکنانِ دہر!
کیا ہے کوئی سکون کی دولت لئے ہوئے

ہاں مست انکھڑیوں کی قسم تجھ کو آ بھی جا
آنکھوں میں پھر شرابِ محبت لئے ہوئے

محشر میں شانِ عفو کی دلچسپیاں نہ پوچھ!
زاہد بھی ہے گناہ کی حسرت لئے ہوئے

اے جبرِ دوست! لغزشِ ماہر سے درگزر
آیا ہوں اختیار کی تہمت لئے ہوئے

○

ہیئتِ حسن کو بدل، چشمِ خیال میں بھی آ
زینتِ لامکاں نہ بن، بزمِ مثال میں بھی آ

گرمیٔ ناز الاماں! وہم کے پر بھی جل اٹھیں
شانِ جلال سے گزر، شکلِ جمال میں بھی آ

تجھ کو جمالِ مستتر، جبلِ وریدِ کی قسم
قیدِ حجاب توڑ دے، صورتِ حال میں بھی آ

دشتِ طلب میں سیکڑوں قیس ہیں تیرے منتظر
لیلیٰٔ بے حجاب بن، چشمِ غزال میں بھی آ

نغمۂ حشر زا سُنا آتشِ دل کو دے ہوا
توڑ سکونِ کائنات، عالمِ قال میں بھی آ

ماہرِ خستہ جاں کو دیکھ، سختیٔ آسماں کو دیکھ
رنج و ملال دور کر، فکرِ مآل میں بھی آ

○

نالہ ہم رنگِ تکلم مری آواز میں ہے
یعنی اب تک غمِ الفت کی خلش راز میں ہے
بے قراری ہی سے پایا ہے تلون نے فروغ
عشق کی جلوہ گری حسن کے انداز میں ہے
کاش سمجھے کوئی کلیوں کی چٹک کا مفہوم
یہ بھی اک "لے" ہے جو شامل تری آواز میں ہے
ہمتِ اہلِ نظر پست ہوئی جاتی ہے
بے نیازی کا وہ عالم نگہِ ناز میں ہے
رحم کر رحم زمانہ پہ، مرے دل کو نہ چھیڑ
حشر اک پردہ اسی ٹوٹے ہوئے ساز میں ہے
طالبانِ کرمِ یار جفا پر مٹ جائیں
وہ تو یہ کہئے کہ مفہومِ کرم راز میں ہے
اس تصور سے عبارت ہے حیاتِ ماہر
جو تصور کہ تری انجمنِ ناز میں ہے

○

مستی نواز شوخی، انداز کافرانہ
زلفیں سیہ گھٹائیں، آنکھیں شراب خانہ
اب اس سے چاہتا ہے پھر اور کیا زمانہ
جس نے لٹا دیا ہے امید کا خزانہ
پوچھو نہ ہم نشینو! مجھ سے مرا فسانہ
جلتا رہا نشیمن، دیکھا کیا زمانہ
کس دھن میں گا رہی ہے او زندگی ترانہ
آواز دے رہا ہے گزرا ہوا زمانہ
ساقی تری نظر کا اللہ رے! فسانہ
ساغر میں آ گیا ہے کھنچ کر شراب خانہ
نقشِ قدم پہ ساری دنیا جھکی ہوئی ہے
ظالم تری خدائی، کافر ترا زمانہ
آ اے نگارِ فطرت، روحِ روانِ الفت
سُونا پڑا ہوا ہے دل کا نگار خانہ
اک تربتِ شکستہ نظروں کے سامنے ہے
وہ یاد کر رہے ہیں بھولا ہوا فسانہ
سجدوں کا واسطہ بھی حائل نہیں رہا ہے
اب میں ہوں اور تم ہو، سر ہے نہ آستانہ

اب آندھیوں کے جھونکے اس کو اڑا رہے ہیں
پھولوں میں تل رہا تھا کل تک جو آشیانہ
چھٹتے ہی پھر قفس سے، لایا گیا قفس میں
مجھ کو نہ راس آیا گلشن کا آب و دانہ
اللہ رے! چمن کا زینت طراز منظر
شاخوں کی ڈوریاں ہیں، پھولوں کا شامیانہ
اک دل بھی آج قائم، اپنی جگہ نہیں ہے
ممکن ہے چوک جائے قاتل ترا نشانہ

مل جائے مجھ کو ماہر اے کاش، زندگی میں
اک جذبِ والہانہ، اک سوزِ عارفانہ

○

وہ ہنس ہنس کے وعدے کئے جا رہے ہیں
فریبِ تمنا دیئے جا رہے ہیں
ترا نام لے کر جیئے جا رہے ہیں
گناہِ محبت کیئے جا رہے ہیں
مرے زخمِ دل کا مقدر تو دیکھو
نگاہوں سے ٹانکے دیئے جا رہے ہیں
نہیں دل میں باقی سکت ضبطِ غم کی
مگر آنسوؤں کو پیئے جا رہے ہیں
مرے شوقِ دیدار کا حال سن کر
قیامت کے وعدے کئے جا رہے ہیں
دھڑکتے ہوئے دل کے پردے میں چھپ کر
پیامِ محبت دیئے جا رہے ہیں
حریمِ تجلی میں ذوقِ نظر سے
نگاہوں سے سجدے کئے جا رہے ہیں
نہ کالی گھٹائیں، نہ پھولوں کا موسم
مگر پینے والے پیئے جا رہے ہیں
تری محفلِ ناز سے اٹھنے والے!
نگاہوں میں تجھ کو لئے جا رہے ہیں
ابھی ہے اسیری کا آغاز ماہر
ابھی تو فقط پر سیئے جا رہے ہیں

○

ہر سر ہے تری زلف کا سودا لئے ہوئے
صبحِ حرم ہے، شامِ کلیسا لئے ہوئے

میری نگاہ عجزِ تماشا لئے ہوئے
وہ ہر نظر میں طور کا جلوا لئے ہوئے

بیمارِ ہجر نیند قیامت کی سو گیا
آنکھوں میں انتظار کی دنیا لئے ہوئے

او صاحبِ نظر نگہِ یک نگر سے دیکھ
قطرہ بھی ہے حقیقتِ دریا لئے ہوئے

آیا ہوں آج میں بھی تری جلوہ گاہ میں
دھندلا سا ایک نقشِ تمنا لیے ہوئے

او بے وفا فریب، اور ایسا کھلا فریب
وعدے ہیں اعتبار کی دنیا لئے ہوئے

اے دوست! چاکِ دامنِ یوسف کا واسطہ
آ جا کبھی تو دستِ زلیخا لئے ہوئے

ساقی کی چشمِ مست نے پھر لڑکھڑا دیا
اٹھا تھا لغزشوں کا سہارا لئے ہوئے

ماہر ہے اس کے سامنے کعبہ بھی سجدہ ریز
جو دل ہے عکسِ گنبدِ خضرا لئے ہوئے

○

فضا نشاط کی پھر دل کو راس آئی ہے
سکوں نے لوٹ لیا درد کی دہائی ہے

لگے ہیں چار طرف، حیرتوں کے آئینے
تری نظر کو بھی شوقِ خود نمائی ہے

نویدِ عیش ہے اس کے لئے پیامِ اجل
وہ دل کہ جس کو ترے غم سے آشنائی ہے

الٰہی خیر! مرے داغِ آرزو کی خیر
کہ میری زندگی بھر کی یہی کمائی ہے

اصولِ مستیٔ عہدِ شباب ارے توبہ!
کہ معصیت بھی یہاں عین پارسائی ہے

ستم ظریفیٔ قسمت نہ پوچھ اے ماہر
وطن سے وادیٔ غربت میں کھینچ لائی ہے

○

سفینہ میرا ساحل آشنا معلوم ہوتا ہے
مجھے یہ بھی فریبِ نا خدا معلوم ہوتا ہے

ترے غم کا جہاں تک سلسلہ معلوم ہوتا ہے
وہیں تک میری ہستی کا پتا معلوم ہوتا ہے

نہ پوچھ اے دوست! شامِ غم میں کیا معلوم ہوتا ہے
مجھے ہر دم قضا کا سامنا معلوم ہوتا ہے

بہ ہر لحظہ بہ ہر ساعت سِوا معلوم ہوتا ہے
تمہارا غم طبیعت آشنا معلوم ہوتا ہے

نفس کی آمد و شد سے پتا معلوم ہوتا ہے
کہ اس پردے میں کوئی دوسرا معلوم ہوتا ہے

امیدیں ٹوٹتی ہیں، ڈوبتی جاتی ہیں نبضیں بھی
دلِ بیتاب کو آرام سا معلوم ہوتا ہے

اسی کے دم سے ہے کونین کی ہنگامہ آرائی
بظاہر عشق بے برگ و نوا معلوم ہوتا ہے

تری شبنم فشاں آنکھوں کا آنسو تیرے دامن پر
ستارہ عرش سے ٹوٹا ہوا معلوم ہوتا ہے

اسے میرا سکونِ دل گوارا کس طرح ہو گا
جسے میرا تڑپنا بھی برا معلوم ہوتا ہے

حقیقت یہ ہے ماہر سخت کافر رندِ مشرب ہے
مگر وہ دیکھنے میں پارسا معلوم ہوتا ہے

○

اوّل اوّل سوز تھی پھر ساز بن کر رہ گئی
دل کی دھڑکن یار کی آواز بن کر رہ گئی

دو قدم چل کر یہ کس نے حشر برپا کر دیا
ساری دنیا فرش پا انداز بن کر رہ گئی

ہائے! اس کافر ادا کی وہ نگاہِ التفات
جو مرے حق میں غلط انداز بن کر رہ گئی

داستاں کنجِ قفس کی کیا کہوں کس سے کہوں
میری کوشش حسرتِ پرواز بن کر رہ گئی

دل کی بے تابی کسی صورت نہ پنہاں رہ سکی
مسکراہٹ درد کی غمّاز بن کر رہ گئی

اس کہانی کے مجھے انجام کا ہے انتظار
وہ کہانی جو فقط آغاز بن کر رہ گئی

کیا بتاؤں عشق نے ماہر مجھے کیا کر دیا
زندگانی راز اندر راز بن کر رہ گئی

○

اٹھ کے خوابِ گراں سے آئے ہیں
کیا بتائیں کہاں سے آئے ہیں
دیر و کعبہ پہ کیا نظر ڈالیں
ہم ترے آستاں سے آئے ہیں
نو اسیروں پہ رحم کر صیّاد!
یہ ابھی آشیاں سے آئے ہیں
غیر پر بھی ہے کچھ عجیب اثر
وہ بھی کچھ بدگماں سے آئے ہیں
کچھ زمیں پر بپا ہوئے فتنے
اور کچھ آسماں سے آئے ہیں
چند جھونکے قفس کی جانب آج
جانے! کیوں گلستاں سے آئے ہیں
چہرہ بے رنگ، فکر میں غلطاں
آپ ماہر! کہاں سے آئے ہیں

○

اگر فطرت کا ہر انداز بے باکانہ ہو جائے
ہجومِ رنگ و بو سے آدمی دیوانہ ہو جائے
کرم کیسا، ستم سے بھی نہ وہ بیگانہ ہو جائے
میں ڈرتا ہوں محبت میں کہیں ایسا نہ ہو جائے
مجھے اس انجمن میں بار پا کر اب یہ خدشہ ہے
مرا اندازِ بے تابی نہ گستاخانہ ہو جائے
نگاہِ مستِ ساقی اک طلسمِ رنگ و مستی ہے
کہیں پیمانہ بن جائے، کہیں مے خانہ ہو جائے
سمجھ کر ہوش سے بیگانہ ہونا بھی ہے نادانی
وہ عاقل ہے جو بے سمجھے ہوئے دیوانہ ہو جائے
یہاں بھی کچھ نگاہیں تشنۂ دیدار ہیں ساقی!
ادھر بھی ایک دورِ نرگسِ مستانہ ہو جائے
میں کہتا ہوں نہ تم پیغام بھیجو اپنے آنے کا
اسی دھوکے میں بیمارِ الم اچھا نہ ہو جائے
میں اس محفل کی تہمت کس طرح آخر اٹھاؤں گا
خموشی بھی جہاں افسانہ در افسانہ ہو جائے
نقاب الٹے ہوئے اک روز گر وہ خود چلے آئیں
یہ خانہ مرا ماہر، تجلی خانہ ہو جائے

○

ان کی نگاہِ مست سے مخمور ہو گئے
اتنے ہوئے قریب کہ ہم دور ہو گئے
آیا شباب اور وہ مغرور ہو گئے
اپنے نشہ میں آپ ہی وہ چُور ہو گئے
کچھ ہم بھی رعبِ حسن سے جرأت نہ کر سکے
کچھ وہ بھی پاسِ شرم سے مجبور ہو گئے
ان کے کرم نے داغِ تمنّا عطا کئے
ہم بھی جہاں میں صاحبِ مقدور ہو گئے
اس دل کے التفات نے غارت کیا مجھے
وہ بے نیاز بن گئے، مغرور ہو گئے
ماہر وہ آئے قسمتِ منزل چمک اٹھی
ذرے فروغِ نور سے معمور ہو گئے

○

نظر ان کی خود ہی جھکی جا رہی ہے
خموشی تکلم بنی جا رہی ہے
تباہی مقدر ہوئی جا رہی ہے
بنائے نشیمن رکھی جا رہی ہے
وہ بالیں پہ کیا جانے کیا کہہ گئے ہیں
طبیعت سنبھلتی چلی جا رہی ہے
ازل سے ابد تک بہ عنوانِ الفت
وہی اک کہانی سنی جا رہی ہے
فلک سے برستی ہوئی چاندنی بھی
ترے راستہ میں بچھی جا رہی ہے
کہاں عرش ، کیسی فضائے تجلّی
نظر اور آگے بڑھی جا رہی ہے
ہجومِ تمنّا سے تنگ آ گیا ہوں
صدا سازِ دل کی دبی جا رہی ہے
گلستاں میں کون آ کے یہ مسکرایا
کہ پھولوں کی رنگت اڑی جا رہی ہے
ارے شامِ غم میں فغاں کرنے والے
محبت کی توہین کی جا رہی ہے
خبر بھی ہے انجام کی تم کو ماہر
جوانی گزرتی چلی جا رہی ہے

○

ہوا اس تجلّی سے وہ جلوہ آرا
نگاہیں پکاریں کہ بس کر خدا را
تڑپتا ہے کب سے کوئی غم کا مارا
ادھر بھی نگاہِ کرم کا اشارا
بڑی کشمکش میں ہے بیمارِ الفت
نہ جینے کی ہمت نہ مرنے کا یارا
اٹھا ایک طوفان ناکامیوں کا
ذرا آرزو کا لیا تھا سہارا
مرے دل کی اللہ رے! بیقراری
ہتھیلی پہ ہو مضطرب جیسے پارا
مری بے خودی کی مجسّم ضمانت
تری مدھ بھری انکھڑیوں کا نظارا
خبر لے! کہ اب منتشر ہو رہی ہے
ترے غم نے جس انجمن کو سنوارا
زمانہ جسے زندگی جانتا ہے
وہ ہے چشمِ فطرت کا مبہم اشارا
مری زندگی کا خلاصہ ہے ماہر
وفا کا سفینہ، محبت کا دھارا

○

جاں داد گانِ درد کو حیراں بنایئے
چٹکی میں پھول لیجئے پیکاں بنایئے

دیوانگانِ عشق کو پھر آ چلا ہے ہوش
پھر اپنے گیسوؤں کو پریشاں بنایئے

کیوں طالبانِ درد سے شرما رہے ہیں آپ
کس نے کہا تھا درد کو درماں بنایئے

اپنی نظر کو صرفِ تماشا نہ کیجئے
میری نگاہ سے مجھے حیراں بنایئے

آنکھوں کو فرشِ راہ بنانے سے فائدہ
ذوقِ نظر کو منزلِ جاناں بنایئے

پھر لیجئے وفائے محبت کا امتحان
مغرور ہو گیا ہوں پشیماں بنایئے

ہر لفظ داستانِ محبت کا خوب ہے
کس لفظ کو حیات کا عنواں بنایئے

ماہر تصورِ رخِ رنگیں کے فیض سے
شامِ خزاں کو صبح بہاراں بنایئے

○

جانے کیا ظالم کی نظریں کہہ گئیں
آرزوئیں منہ ہی تکتی رہ گئیں

اس کی دزدیدہ نگاہیں الاماں!
اک اشارے میں فسانہ کہہ گئیں

اور کیا بادِ بہاری سے ہوا
چند کلیاں مسکرا کر رہ گئیں

ان تمناؤں کی حسرت کچھ نہ پوچھ!
جو ترے وعدوں کی رو میں بہہ گئیں

گردشیں کچھ تھیں خرامِ ناز کی
جو مری تقدیر بن کر رہ گئیں

اے مہِ خوبی تری پرچھائیاں
پتلیوں کا نور بن کر رہ گئیں

ہائے! وہ کالی گھٹا کی مستیاں
سطحِ مے پر موج بن کر رہ گئیں

حسن کی سب کافرانہ مستیاں
عشق کا ایمان بن کر رہ گئیں

فتنۂ دوراں کو ماہر کیا کہوں!
بستیاں ویران بن کر رہ گئیں

○

تصوّر میں جو پھولوں کا سماں ہے
قفس کی شام صبحِ گلستان ہے
جگر کا خون آنکھوں سے رواں ہے
محبت ایک رنگیں داستاں ہے
مری فریاد دل کی داستاں ہے
مرا نالہ محبت کی زباں ہے
تصور عیش کا راحت نشاں ہے
مگر اتنی مجھے فرصت کہاں ہے
تکلم ہے کہ موجوں کی روانی
تبسم ہے کہ صبحِ گلستاں ہے
جوانی اور پھر تیری جوانی
ترے صدقے میں اک دنیا جواں ہے
جھکی پڑتی ہیں سجدے میں جبینیں
خدا جانے یہ کس کا آستاں ہے
وہ شاخیں جن پہ میرا آشیاں تھا
وہاں اب بجلیوں کا آشیاں ہے
بہت سے دہر میں قاتل ادا ہیں
تمہیں سے کیوں زمانہ بدگماں ہے

نہ پوچھو، شامِ تنہائی کا عالم
تمہاری یاد بھی دامن کشاں ہے
تری بیداد کا شکوہ نہیں ہے
مری فطرت ہی مجبورِ فغاں ہے
خدا وہ دن نہ لائے جو کہوں میں
گناہوں میں بھی اب لذت کہاں ہے
ارے اک ساغرِ صہبا کا عالم
ابھی میکش کہاں تھا اور کہاں ہے
مرا افسانۂ پُردرد ماہر
بہ عنوانِ حدیثِ دیگراں ہے

○

یاد جب ایامِ رفتہ کی کہانی آ گئی
دیکھتا کیا ہوں کہ ہر شے پر جوانی آ گئی
وہ اٹھے اور سبزۂ خوابیدہ نے انگڑائی لی
وہ چلے اور آبشاروں میں روانی آ گئی
پھر خیالِ عیش ہے چھایا ہوا احساس پر
پھر کوئی شاید بلائے آسمانی آ گئی
کشمکش سے زیست کی بیمارِ الفت چھٹ گیا
کام آخر دردِ دل کی مہربانی آ گئی
بلبلوں نے ساز چھیڑا قمریاں گانے لگیں
دعوتِ تفریح کلیوں کی زبانی آ گئی
اس بتِ خاموش کا اللہ رے! فیضِ سکوت
ماہرِ ناشاد کو جادو بیانی آ گئی

○

حسن کی خوابیدہ محفل کو جگا دیتا ہوں میں
کس بلندی سے خدا جانے صدا دیتا ہوں میں

دردِ دل کا نام سن کر مسکرا دیتا ہوں میں
اپنی بربادی کا افسانہ سنا دیتا ہوں میں

ماسوا کے ہر تصور کو مٹا دیتا ہوں میں
آرزو کو خاک میں خود ہی ملا دیتا ہوں میں

اللہ اللہ! میرے دستِ شوق کی گستاخیاں
ان کی بزمِ ناز کے پردے اٹھا دیتا ہوں

کیا خبر دزدیدہ نظروں سے وہ کیا فرما گئے
روز ایک امید کی محفل سجا دیتا ہوں میں

مبتلائے کشمکش ہے کب سے قلبِ ناتواں
ایک چنگاری کو مدت سے ہوا دیتا ہوں میں

رحم کھاتی ہیں خدائی پر مری مایوسیاں
ولولے اٹھنے نہیں پاتے، دبا دیتا ہوں میں

آج بھی قائم ہوں اپنی وضع پر تیرے لئے
اب بھی تیری راہ میں آنکھیں بچھا دیتا ہوں میں

اس ترے روشن تبسم کا فسانہ چھیڑ کر
محفلوں میں حسن کی شمعیں جلا دیتا ہوں میں

جب کبھی ہوتا ہے دل آمادۂ اظہارِ غم
سننے والوں کے، کلیجوں کو ہلا دیتا ہوں میں

کیا غرض مجھ کو کسی سے، مجھ کو تو مطلوب ہے
راہِ الفت سے حرم کو بھی ہٹا دیتا ہوں میں

چاہتا ہوں دیکھنا جب زہد کی محفل کا رنگ
خود کو عصیاں کی بلندی سے گرا دیتا ہوں میں

میرے ذوقِ سرفروشی کو خدا پورا کرے
نام سن کر تیغ کا گردن جھکا دیتا ہوں میں

اب میں ان کے جور کا شکوہ بھی کر سکتا نہیں
وہ یہ کہتے ہیں تجھے دادِ وفا دیتا ہوں میں

اور کچھ مصرف نہیں ماہر مرے اشعار کا
درد سے لبریز اک نغمہ سنا دیتا ہوں میں

○

عشق کی زندگی کو کیا کہئے
اپنی قسمت، کسی کو کیا کہئے
ان لبوں کی ہنسی کو کیا کہئے
پھول کی پنکھڑی کو کیا کہئے
اک ذرا سی امید پر یہ حال
آدمی کی خوشی کو کیا کہئے
سامنے اشک ریز ہے شبنم
مسکراتی کلی کو کیا کہئے
پرسشِ حالِ دل ہے ہنس ہنس کر
اس کی ظالم ہنسی کو کیا کہئے
حسن پر اعتمادِ چارہ گری
عشق کی سادگی کو کیا کہئے
ان کی چلمن کو چھو رہی ہے نگاہ
جرأتِ عاشقی کو کیا کہئے
موجِ بادِ صبا بھی کانپ اٹھی
زلف کی برہمی کو کیا کہئے
ان کے رخ پر نظر نہیں جمتی
چاند کی روشنی کو کیا کہئے
وہ پشیماں سے ہو گئے ماہر
آپ کی شاعری کو کیا کہئے

○

ترے روشن تبسم کا جو افسانہ سنا دیتے
فضائیں جگمگا اٹھتیں، ستارے مسکرا دیتے
اگر وہ بھول کر بھی رخ سے پردے کو اٹھا دیتے
یہ ذرے خاک کے بھی خون کا دریا بہا دیتے
چمن کے پھول ہنس ہنس کر صدائے مرحبا دیتے
وہ ایسے میں اگر "صبحِ بہاراں" گنگنا دیتے
نظر پردہ، وفا پردہ، محبت سر بسر پردہ
ہمارا بس اگر چلتا تو ہر پردہ اٹھا دیتے
وہ خود آگاہ ہو جاتے کہ وہ کیا ہیں زمانے میں
نظر کو اک گھڑی بھر کے لئے گویا بنا دیتے
مرے ساقی! اگر تیری نظر حائل نہ ہو جاتی
ترے میخوار، پیمانے صراحی سے لڑا دیتے
وہیں کعبہ چلا آتا، وہیں سے جنت اتر آتی
ترے در کے گدا جس خاک پر بھی سر جھکا دیتے
دلِ مجروح، چشمِ خونفشاں، اسبابِ ویرانی
عطا کی کوئی حد بھی ہے مجھے وہ اور کیا دیتے
جسے اردو زباں کی تنگ دامانی کا شکوہ ہے
ذرا تم اس کو ماہر کی غزل پڑھ کر سنا دیتے

○

سچ یہ ہے عیشِ دو عالم کی بھی پروا نہ کریں
وہ جو توہینِ غمِ یار گوارا نہ کریں
دل کی دھڑکن کو بھی اب کام میں لایا نہ کریں
کیا اس انداز سے بھی تم کو پکارا نہ کریں
وہ اگر مست نگاہوں سے اشارہ نہ کریں
ان کے مے خوار، کبھی ہوش میں آیا نہ کریں
ہو ہی جائے گی کسی طرح شبِ غم کی سحر
آپ میرے لئے تکلیف گوارا نہ کریں
ابھی امید کو دینا ہے تصور کا فریب
دل کی دنیا کو ابھی وہ تہ و بالا نہ کریں
اور ہنستے ہیں مرے حالِ پریشاں پہ ہنسیں
آپ کو سب ہے خبر، آپ تو ایسا نہ کریں
نو بہ نو رنگ بدلتی ہے تجلی ان کی
دیکھنے والے نگاہوں پہ بھروسا نہ کریں
دردِ دل آپ کی آنکھوں سے عیاں ہے ماہر
اس طرح آپ کوئی راز چھپایا نہ کریں

○

روح پر ایک کیف ہے طاری
مرحبا اے نشاطِ مے خواری
بو الہوس دیکھ! ناسپاس نہ بن
درد کو کہہ رہا ہے بیماری
خونِ حسرت سے کر رہا ہوں میں
دامنِ زندگی پہ گل کاری
دیکھتا ہوں وہ مہربان ہیں آج
خواب کہئے اسے کہ بیداری
رحم اے جبرِ اختیارِ دوست!
مجھ پہ اور تہمتِ خطا کاری
موت کی آرزو ہے کیوں ماہر
اس قدر زندگی سے بیزاری

○

موت کیا ہے ابتدائے دردِ دل
غیر فانی ہے فضائے دردِ دل
دردِ دل دنیا بھی ہے عقبیٰ بھی ہے
کچھ نہیں ہے ماورائے دردِ دل
مجھ سے پوچھو کیا ہے رازِ کائنات
ایک ہنگامہ برائے دردِ دل
غم زدوں کی کون لیتا ہے خبر
کون سنتا ہے صدائے درد دل

○

خاک کے کچھ منتشر ذروں کو انساں کر دیا
اس نے جس جلوے کو جب چاہا نمایاں کر دیا
اس نے ہنس کر خود ہی زلفوں کو پریشاں کر دیا
میں یہ سمجھا میں نے قاتل کو پشیماں کر دیا
موسمِ گل میں یہ کیا اے یادِ جاناں کر دیا
میرے چاکِ دل کو پھولوں کا گریباں کر دیا
ناامیدی کے چراغوں کو فروزاں کر دیا
اس نے دل کی آخری مشکل کو آساں کر دیا
خاک کے پردے میں انساں بن کے ظاہر ہو گئی
وہ تجلی جس نے آئینوں کو حیراں کر دیا
رُخ پہ زلفیں چھوڑ کر وہ مسکرائے اس طرح
کفر تو پھر کفر ہے، ایماں کو ایماں کر دیا
آہ نکلی تھی کہ دل کی آڑ سے آئی صدا
تو نے پھر ناداں شکستِ عہد و پیماں کر دیا
اک پیامِ عشق ہے ماہر مری فکرِ سخن
شعر کے پردے میں دردِ دل نمایاں کر دیا

○

جب کوئی پھول مسکراتا ہے
مجھ کو دل کا خیال آتا ہے

جب ترا نام لب پہ آتا ہے
دل تو کیا درد مسکراتا ہے

پھر تصور نے دے دیا دھوکا
پھر کوئی سامنے سے آتا ہے

دیر سے سن رہا ہوں اک آواز
جیسے کوئی مجھے بلاتا ہے

دلِ ناداں! تجھے خدا سمجھے
روز فتنہ نیا اٹھاتا ہے

پھر طبیعت میں جوش ہے ماہر
پھر کوئی دل کو گدگداتا ہے

○

فطرتِ پابند کو ہر قید سے آزاد کر
زندگی اجڑا ہوا گھر ہے اسے آباد کر

ہم نشیں! میری طرح تو بھی چمن کو بھول جا
جب قفس میں ہے تو پاسِ خاطرِ صیاد کر

میرے ذوقِ حسن نے دیں تجھ کو بزم آرائیاں
یاد کر او فتنہ ساماں! وہ زمانہ یاد کر

پھر وفا کیشی پہ میرے دے نیا حکمِ سزا
منتظر ہوں پھر لبِ نازک کے کچھ ارشاد کر

خامشی کو حاصلِ شیون بنا اے ہمنوا!
جا ابھی کچھ اور مشقِ نالہ و فریاد کر

پھر بنا ماہر کو ممنونِ نوازش ہائے خاص
او ستم ایجاد! پھر کوئی ستم ایجاد کر

○

جلوے سے ترے مفر کہاں ہے
یہ برق ہے اور بے اماں ہے
ہر ذرہ یہاں کا آسماں ہے
دنیا میں ارے سکوں کہاں ہے
ہر چند کہ آہِ ناتواں ہے
اس پر بھی حریف آسماں ہے
اللہ رے! گلوں کی تشنہ کامی
کانٹوں پہ رکھی ہوئی زباں ہے
پھر جوش ہوا کا ہے سکوں پر
پھر برق کی زد میں آشیاں ہے
وہ رخ سے نقاب اٹھا رہے ہیں
چڑھتی ہوئی دھوپ کا سماں ہے
دشمن کو نہ ہو نصیب ماہر
جس موت پہ زیست کا گماں ہے

○

جب نظر محوِ راز ہوتی ہے
ہر حقیقت مجاز ہوتی ہے

غنچۂ ناشگفتہ سے بھی لطیف
نرگسِ نیم باز ہوتی ہے

تیرے بیمارِ شامِ فرقت کی
موت ہی چارہ ساز ہوتی ہے

اس کو دنیا سمجھ نہیں سکتی
جو نگہ فتنہ ساز ہوتی ہے

ان کی معصومیت کا کیا کہنا!
ہر ادا پاک باز ہوتی ہے

سختیٔ نزع کے بہانے سے
سعیٔ افشائے راز ہوتی ہے

ان کو ماہر خبر نہیں شاید
عاشقی حسن ساز ہوتی ہے

○

پرستارِ محبت کو خیالِ ماسوا کیوں ہو
خوشی بھی تیرے ملنے کی شریکِ مدعا کیوں ہو
تری پہلی نظر کی حشر سامانی مسلّم ہے
مگر دل کے فسانہ کی یہیں سے ابتداء کیوں ہو
فضا میں گونجتی ہیں سینکڑوں غمناک آوازیں
جسے تو سن رہا ہے میرے دل کی ہی صدا کیوں ہو
ترے جلووں کی حیرت آفرینی اے معاذ اللہ!
نگاہوں نے جو دیکھا ہے زبانوں سے ادا کیوں ہو
جو تیرے التفاتِ خاص کی عادت سے واقف ہے
اسے بے وجہ تیری کم نگاہی کا گلہ کیوں ہو
جسے اک اک قدم پر فکرِ مستقبل ستاتی ہے
وہ دیوانہ ہوس کا تیرے غم میں مبتلا کیوں ہو
محبت روح بن کر سارے عالم میں سمائی ہے
تو پھر دنیا کا ماہر ایک ذرہ بھی فنا کیوں ہو

○

اے کیفِ سجدہ ریزی کیا مجھ کو ہو گیا ہے
ذروں سے پوچھتا ہوں یہ کس کا نقشِ پا ہے
دنیا میں آدمی کی تخلیق اور کیا ہے
اک شعلۂ محبت سانچے میں ڈھل گیا ہے
بدمست ہو رہی ہے کیفیتِ تبسم
تم نے چمن میں شاید کلیوں کو چھو لیا ہے
اک اک قدم پہ ٹھوکر ہر بات میں تغافل
انسان لغزشوں کا پتلا نہیں تو کیا ہے
ہر منظرِ جہاں کو پوجا کریں گی نظریں
جب تم نے امتیازِ جلوہ اٹھا دیا ہے
آسودگانِ ساحل! ماہر کی بھی خبر ہے!
گرداب میں ہے کشتی طوفان بڑھ رہا ہے

پردہ اٹھ جائے اگر عشق کی زیبائی کا
حسن پھر نام نہ لے انجمن آرائی کا،
طُور پر برقِ تجلی کی کرم فرمائی،
ایک غمزہ تھا تری شانِ خود آرائی کا
پتے پتے سے نمودار ہے شانِ وحدت
ذرّے ذرّے کو یقیں ہے تری یکتائی کا
عشق مٹتی ہوئی تصویر تری فطرت کی
حسن دھویا ہوا خاکہ تیری رعنائی کا
سر ہو اور سنگ درِ ختمِ رسلؐ ہو ماہر
پھر تو ارمان نکل جائے جبیں سائی کا

○

ترا اک تبسمِ ناز ہے کہ تجلیوں کا وفور ہے
مری ہر نظر کا مشاہدہ جو شریکِ عالمِ نور ہے
میں اٹھاؤں منتیں غیر کی یہ توقعات سے دور ہے
تجھے غالباً یہ خبر نہیں تری آرزو بھی غیور ہے
ہیں نظر کے حوصلے مختلف، ہیں اصولِ قرب جدا جدا
کہیں آرزو، کہیں خود طلب، کہیں عرش ہے، کہیں طور ہے
ترے جبرِ حسن نے چھین لیں مرے اختیار کی قوّتیں
مری بے خودی کا گلہ نہ کر مرا اس میں کوئی قصور ہے؟

○

ہجر میں بیمار، غم سہنے کے قابل ہو گیا
مدعائے شوق بے تابی سے حاصل ہو گیا

درد کو بھی درد کا احساس حاصل ہو گیا
مژدہ اے قاتل کہ پھر پیدا نیا دل ہو گیا

جب کھلیں آنکھیں تو دیکھا وہ سرِ بالیں نہ تھے
ہوش آنا تھا کہ پھر بیمار غافل ہو گیا

اس زبوں حالت پہ بھی جوشِ محبت کم نہیں
وہ تو قاتل تھے ہی میرا دل بھی قاتل ہو گیا

حشر ہو جاتا بپا ان کے غرورِ حسن سے
وہ تو یہ کہئے کہ آئینہ مقابل ہو گیا

میں نے تو جب بھی کہا طوفانِ غم میں "یا خدا"
موج کشتی بن گئی، گرداب ساحل ہو گیا

○

ذوقِ جفا نے درد کو درماں بنا دیا
ہر نشترِ نظر کو رگِ جاں بنا دیا

تیرِ نگاہِ یار کے قربان جایئے
دل کے لہو کو زینتِ داماں بنا دیا

ذروں میں روح پھونک دی احساسِ عشق کی
اک مشتِ خاک تھی جسے انساں بنا دیا

ہنگامہ آفریں ہے ترا حسنِ بے پناہ
ہر منظرِ جہاں کو پریشان بنا دیا

بیمارِ غم نے آخری ہچکی کو موت کی
رودادِ انتظار کا عنواں بنا دیا

تیرے حریمِ حسن کا نظّارہ الاماں!
میرے مشاہدات کو حیراں بنا دیا

ماہر مجھے تو دولتِ کونین مل گئی
شکرِ خدا کہ مجھ کو مسلماں بنا دیا

○

فرصتِ آ گہی بھی دی، لذّتِ بے خودی بھی دی
موت کے ساتھ ساتھ ہی آپ نے زندگی بھی دی
سوزِ دروں عطا کیا' جرأتِ عاشقی بھی دی
ان کی نگاہِ ناز نے غم ہی نہیں خوشی بھی دی
اس نے نیاز و ناز کے سارے ورق الٹ دیئے
دستِ خلیلؑ بھی دیا' صنعتِ آذری بھی دی
پھر بھی مری نگاہ میں دونوں جہاں سیاہ تھے
میری شبِ فراق کو چاند نے روشنی بھی دی
آپ نے اک نگاہ میں سب کو نہال کر دیا
پھول کو مسکراہٹیں' موج کو بے کلی بھی دی
چھین لو مجھ سے دوستو! طاقتِ عرضِ مدعا
اس نے مزاجِ یار کو دعوتِ برہمی بھی دی
دامِ تعینات میں دیدہ و دل الجھ گئے
سوزِ یقیں کے ساتھ ساتھ لذّتِ کافری بھی دی
ماہرِ دلفگار پر آپ کی یہ نوازشیں
فطرتِ عاشقی بھی دی' دولتِ شاعری بھی دی

○

اللہ رے! حوصلہ نگہِ بیقرار کا
نظارہ اور جنبشِ مژگانِ یار کا

شکوہ نصیب کا نہ گلہ حسنِ یار کا
سارا قصور ہے دلِ بے اختیار کا

رتبہ تو دیکھئے نگہِ شرمسار کا
رخ ہے اُدھر ہی رحمتِ پروردگار کا

اے جبر دوست! رحم کہ اب تابِ غم نہیں
ہوتا ہے راز فاش مرے اختیار کا

رعنائیِ جہاں کی حقیقت ہے اس قدر
دھندلا سا ایک عکس ہے رخسارِ یار کا

ماہر ہے بزمِ دہر پریشانیوں کا گھر
شکوہ فضول ہے ستمِ روزگار کا

میں یہ نہیں کہتا کہ محبت ہی خدا ہے
کونین کی ہر چیز محبت کی عطا ہے
محشر میں وہ ظالم کی پشیمان نگاہیں
کہنا ہی پڑا مجھ کو کہ میری ہی خطا ہے
جلوے بھی ہیں محتاج مرے ذوقِ نظر کے
جو کچھ ہے مری آنکھ ہے، نظارے میں کیا ہے
اب ہوش نگاہوں کا، نہ دیدار کا احساس
فریاد! کہ جلووں نے ترے لوٹ لیا ہے
جب بھیس میں آئے ہیں وہ سورج کی کرن کے
ہر خاک کے ذرہ کا جگر چیر دیا ہے
قربت کا یہ عالم ہے کہ شہہِ رگ سے بھی نزدیک
دوری کی یہ حد ہے کہ تصور بھی خطا ہے

○

بیمارِ شبِ غم کی اللہ رے! توانائی
اک ہوک اٹھی دل سے اور عرش کو چھو آئی
کچھ تجھ کو خبر بھی ہے او محوِ خود آرائی
آنکھیں ہی نہیں تنہا، دل بھی ہے تماشائی
ہر چیز محبت میں بے تاب نظر آئی
تتلی بھی ہے آوارہ، شبنم بھی ہے ہرجائی
جب اٹھ نہ سکا اس سے جورِ غمِ تنہائی
بو پھول کے سینہ سے گھبرا کے نکل آئی
اس عشق و محبت کے دستور کو کیا کہئے
جینا بھی ہے رسوائی، مرنا بھی ہے رسوائی
کیا ظلم ہے یہ دنیا قاتل اسے کہتی ہے
جو موت کے پردے میں کرتا ہے مسیحائی
ڈوبی ہوئی نبضیں کیوں ابھری چلی آتی ہیں
اک بھولنے والے کو شاید مری یاد آئی
ساقی کی نگاہوں کا انداز ارے توبہ!
مے جام میں لیتی ہے انگڑائی پہ انگڑائی
ماہر مجھے مطلب کیا احساسِ مسرت سے
آنے کو مرے لب پر سو بار ہنسی آئی

○

زیست آزار ہوئی جاتی ہے
سانس تلوار ہوئی جاتی ہے
مست آنکھوں سے پلانے والے!
روح سرشار ہوئی جاتی ہے
ان کی رفتار کا عالم توبہ!
موت بیدار ہوئی جاتی ہے
حسن میدان میں خود آ پہنچا ،
عشق کی ہار ہوئی جاتی ہے
بحرِ الفت میں ہماری کشتی
ڈوب کر پار ہوئی جاتی ہے
زندگی عشق کی رو میں ماہر
تیز رفتار ہوئی جاتی ہے

○

وہ نظر اٹھی جھجک کر رہ گئی
پھانس سی دل میں کھٹک کر رہ گئی

میری جانب بڑھتے بڑھتے رُک گئے
پھول کی ڈالی لچک کر رہ گئی

مُسکرا کر اُس نے پوچھا حالِ دل
بُوند آنسو کی ڈھلک کر رہ گئی

کون دیتا ساتھ غم کی رات کا
شمع بھی آخر بھڑک کر رہ گئی

زندگی پر بار تھا احساسِ مرگ
زندگی دامن جھٹک کر رہ گئی

حسن کی راہوں کے پیچ و خم نہ پوچھ
خود محبت بھی بھٹک کر رہ گئی

کتنی کیف آور تھی ساغر کی کھٹک
آنکھ ساقی کی جھپک کر رہ گئی

کیا کہوں ماہرؔ فسانہ دید کا
ایک بجلی سی چمک کر رہ گئی

بکھرے ہوئے پھول
(میٹھے بول)

پہلی نظر تھی دل کا مول
اب آنسو کے موتی رول
شاید وہ پھر آ جائیں
کہتے ہیں دھرتی ہے گول
آنکھیں کچھ گھبرائی سی
دل کی حالت ڈانواں ڈول
عشق کی نا قدری مت پوچھ
سونا بھی مٹی کے مول
دنیا کیا ، امیدیں کیا!
پیتل پر چاندی کا جھول
سورج سر پر آ پہنچا
سونے والے! آنکھیں کھول
بادل، ٹھنڈک، ہریالی
اور اس پہ کوئل کے بول
ظلم کا بدلہ پیارے دے
کنکر لے کر ہیرے تول
ماہر ان کا کیا کہنا
اچھی صورت میٹھے بول

گیت

من کی باتیں بول، پپیہے! من کی باتیں بول
ڈوب گئے آکاش کے تارے
نیند سے جاگے پنچھی سارے
پھوٹ بہے کرنوں کے دھارے
اک ہم ہیں برہا کے مارے
دل ہے ڈانوا ڈول
پپیہے! من کی باتیں بول

برکھا رت کا روپ نرالا
اجلی پھواریں بادل کالا
بجلی کا کوندا مت والا
ٹوٹ گئی بوندوں کی مالا
تو بھی موتی رول
پپیہے! من کی باتیں بول

مست گھٹا کی دیکھی چھل بل
دھرتی ہے پانی کی چھاگل
کھلتی کلیاں، اٹھتی کونپل
کتنی سندر، کتنی کومل
اب تو آنکھیں کھول
پپیہے! من کی باتیں بول

قطعات

○

امید کا گھر اجڑ نہ جائے
وہ مجھ سے کہیں بچھڑ نہ جائے
یہ دل ہے مرا بہت ہی نازک
آئینہ میں بال پڑ نہ جائے

○

اک حشر اٹھائے جا رہے ہیں
بھونرے ہیں کہ گیت گا رہے ہیں
شاداب گلوں کی آڑ لے کر
وہ ناز سے مسکرا رہے ہیں

○

ٹوٹا جو طلسمِ خانقاہی
باقی نہ رہی وہ کم نگاہی
دنیا کا بدل رہا ہے نقشہ
دم توڑ رہی ہے بادشاہی

○

ہر یاس میں ایک آس بھی ہے
وہ دور نہیں ہے پاس بھی ہے
تو صبر کا جام نوشِ جاں کر
تلخی ہی نہیں مٹھاس بھی ہے

○

جینا ہے تو ارجمند بن جا
تو پست نہ رہ بلند بن جا
میں بامِ فلک پہ ہاتھ رکھ دوں
اے قوسِ قزح! کمند بن جا

جذباتِ ماہر

پیامِ سروش

کبھی حدوث کا منظر، کبھی طلسمِ قدم
تری نگاہ بہ ایں جستجو ہے نا محرم

حرم کے سایہ میں بھی تو نے آذری کی ہے
کبھی ہوس کے کھلونے، کبھی خرد کے صنم

نظر نہ آئے گی فطرت کی سادگی تجھ کو
کہ تیری زیست کا حاصل تکلفاتِ عجم

ترے خیال میں وسعت رہی نہ گہرائی
ترے ضمیر کی آواز ہو گئی مدہم

یقین ہو تو رگِ سنگ بھی ہے موجِ شراب
یقیں نہ ہو تو سمندر بھی قطرۂ شبنم

اپنی زندگی کے نام!

زیست کے انجام سے اور اتنی بے پروائیاں
اللہ اللہ! خواہشوں کی انجمن آرائیاں
اے امیدوں کے پجاری، آرزوؤں کے غلام
مٹھیوں میں بند ہوتی ہیں کہیں پرچھائیاں
میکدوں کی جلوتوں پر کیوں نہ وہ ایمان لائے
خانقاہوں کی جسے معلوم ہوں تنہائیاں
خاک کا ذرّہ بھی رکھتا ہے مزاجِ مہر و ماہ
ہیں حبابوں میں بھی دریا کی طرح گہرائیاں
مسکراہٹ سے فضائے گلستاں معمور ہے
اک ہوا کی موج اور اتنی اثر فرمائیاں
وہ بھی دل کے ذکر پر کچھ سوچ کر ہنسنے لگے
دور جا پہونچیں جنونِ عشق کی رسوائیاں
چشمِ پرنم، دل پریشاں، آرزوئیں بے قرار
بھول سکتا ہے کوئی ان کی کرم فرمائیاں

دل کی طرف سے!

اس کو کیا معلوم، کیا ہے لذّتِ ذوقِ نمود
وہ تبسّم جو کلی کے ہونٹ میں سویا کیا
یہ جہاں ہر گز نہیں ہے روشنی کا مستحق
مہرِ ناداں تھا جو اپنی روشنی کھویا کیا
اشک شبنم بن کے فرشِ خاک پر گرتے رہے
ہر ستارہ آسماں کا رات بھر رویا کیا
دل تو کیا چہرے کی رنگت بھی نہ اجلی ہو سکی
گرچہ کائی کو سمندر عمر بھر دھویا کیا
عہدِ رفتہ، بام و در، ارض و سما، تصویرِ یار
دل نے تنہائی میں کس کس چیز کو گویا کیا

ضمیر نے کہا!

جس سفینہ کی ترے قبضہ میں پتواریں نہ ہوں
اس سفینہ کو ڈبو دے، بادباں کو توڑ دے
رو میں تنکے کی طرح بہنا تو کچھ مشکل نہیں
بات تو جب ہے کہ طوفانوں کے رخ کو موڑ دے
خود تری تدبیر ہی خلّاق ہے تقدیر کی
کون کہتا ہے خدا پر زندگی کو چھوڑ دے

علم

معنی و لفظ کے پیچوں میں الجھنے والو
تم نے سمجھا ہی نہیں علم کا منشا و مقام
کششِ نقش و دوائر پہ تمہاری ہے نگاہ
تم نے کاغذ کے تراشوں کو بنایا ہے امام
علم کو تم نے لکیروں میں کیا ہے محدود
تم پرستار ہو اعداد کے، نقطوں کے غلام
اصطلاحات کے جادو کا اثر ہے تم پر
ایک ہی شے کی بنائی ہیں بہت سی اقسام
تم نے الفاظ کو برتا ہے کھلونوں کی طرح
تم نے تخئیل سے تعمیر کئے ہیں اصنام
ان پہ تم علم و بصیرت کا سمجھتے ہو مدار
وہ مسائل جو بہت دن سے ہیں مشہورِ عوام
علم ہے منزلِ عرفان و ہدایت کا چراغ
علم ہے معرفتِ انفس و آفاق کا نام
علم سے تربیتِ فکر و نظر ہوتی ہے
علم فطرت کی صدا، علم خودی کا پیغام
علم سے رمزِ حقائق کی گرہ کھلتی ہے

علم کی زد میں لرزتے ہیں شکوک و اوہام
علم ہر غیب کے پردے کو بناتا ہے شہود
علم مستقبل و ماضی میں ہے اک ربطِ تمام
علم ہے گلکدۂ جذب و یقیں کی خوشبو
علم سے فکر و تصوّر کا معطّر ہے مشام
علم ہے مرہمِ دل، علم ہے تسکینِ ضمیر
علم سب کچھ ہے اگر اس سے لیا جائے کام
علم سے رومی و عطّار نے پایا تھا فروغ
علم نے فکرِ غزالی کو بنایا تھا امام
علم ہے فقر میں بھی رتبۂ شاہی سے بلند
اس کی تقدیر! جسے علم کا حاصل ہو مقام
"ربِّ زدنی" کی صدا علم کی آوازِ جرس
علم کے رہبر و رہرو پہ ٹھہرنا ہے حرام
علم بے سوزِ یقیں کیا ہے؟ حجابِ اکبر
اس میں منطق ہو کہ سائنس ہو یا علمِ کلام
علم بے جذبِ خودی کچھ نہیں جز مکر و فریب
جس طرح جوہرِ شمشیر سے خالی ہو نیام

فریبِ مجاز

شعاعِ مہر کی زد اور قطرۂ شبنم
یہ دردناک تصادم ارے معاذ اللہ
ہوا کے زور سے شاخیں لچکتی جاتی ہیں
جب اوس پھول کے پتوں کی ڈھونڈتی ہے پناہ
چمن میں لوٹ ہے اک نقرئی خزانہ کی
کہ دھوپ اوس کی بوندوں کو کر رہی ہے تباہ
گلوں پہ اوس کے جاتے ہی تازگی نہ رہی
کہ جس طرح کوئی لٹ جائے قافلہ سرِ راہ
یہ قتلِ عام گلستاں میں بے گناہوں کا
مری زباں ہی نہیں آنکھ کر رہی ہے آہ

○

یہ تتلیاں جو ہواؤں میں رقص فرما ہیں
لگا ہے ان کے لبوں سے ابھی گلوں کا لہو
ابھرتے آتے ہیں پیشانیٔ سمن پہ نقوش
ڈھلکتے جاتے ہیں چشمِ گلاب سے آنسو
چمن میں سیکڑوں آئے گئے ہوا کی طرح
کسی سے ہو نہ سکا گل کے چاکِ دل کا رفو

وہ ایک آہ تھی جو سینۂ چمن سے اٹھی
زمانہ جس کو سمجھتا رہا سدا خوشبو

○

یہ حکم ہے کہ زباں سے نہ ایک حرف کہو
یہ جبر ہے جسے قدرت کا راز کہتے ہیں
پڑے ہوئے ہیں نگاہ و خیال پر پردے
نگاہِ یار کو سب پاکباز کہتے ہیں
زمانہ کچھ بھی کہے کار گاہِ عالم کو
مگر ہم اس کو فریبِ مجاز کہتے ہیں

سوزِ تمام

مجھے خوں رلا رہا ہے یہ غرورِ پاکبازی
تجھے کیا خبر غلامی ہے تمام کفر سازی
مری عشرتوں کی جنت، تری آخرت کی کھیتی
یہی دہرِ بے حقیقت، یہی عالمِ مجازی
مرے دل کی دھڑکنوں سے وہ قریب ہو رہے ہیں
مرے شوق کو مبارک شبِ ہجر کی درازی
ترے دل کی سادگی سے مجھے ڈر لگا ہوا ہے
کہ سیاستِ زمانہ ہے فقط تمار بازی
ترا کام زہد و تقویٰ، مرا کام جذب و مستی
تو فقط رکوع و سجدہ میں تمام تر نمازی
تری عقل محوِ قرآں، مرا شوق غرقِ عرفاں
میں قتیلِ جذبِ بوذرؓ، تو شہیدِ فکرِ رازی
اٹھے اور اٹھ کے پھر سے رخِ زندگی بدل دے
کوئی اک جواں مجاہد، کوئی ایک مردِ غازی
تو نیاز مندیوں پر ابھی ناز کر رہا ہے
ابھی غزنوی نہیں ہے تری فطرتِ ایازی
میں حقیقتوں کا ماہر میں فدائے پیرِ رومی
مرا درس جذب و مستی، مرا کام نے نوازی

جبر

لکھّی ہے سرِ صبح ستاروں کے لہو سے
شب نے کسی ناکامِ تمنّا کی کہانی
دریا کے دھڑکتے ہوئے دل کا ہے فسانہ
موجوں کی کشاکش میں حبابوں کی روانی
دن رات کی اس گردشِ پیہم کے اثر سے
ہر روز شفق کرتی ہے خوں نابہ فشانی
اک آن میں پامالِ ستم ہائے خزاں ہے
کلیوں کا لڑکپن ہو کہ پھولوں کی جوانی
اک دل بھی نہیں فطرتِ مجبور سے آزاد
مجروحِ غمِ دھر ہے ماما ہو کہ رانی
اک کیفیتِ غم ہی کو کہتے ہیں مسرّت
احساس کا دھوکا ہے غمِ عشرتِ فانی
شبنم کی تمنّا کا جنازہ ہے جنازہ
پھولوں کی جبینوں سے ڈھلکتا ہوا پانی
کونین میں ہے جبرِ مسلسل کی خدائی
اے قادرِ خلّاق دہائی ہے دہائی

امیر مینائی

حضرتِ امیر مینائی کی شاعری کے متعلق میں بھی انہی سنی سنائی باتوں سے متاثر تھا جو عام طور پر ان کے خلاف بیان کی جاتی تھیں' پروپیگنڈے کا نشہ مشکل ہی سے اترتا ہے' تو میں بھی بہت دن تک امیر مینائی کی شاعری کو شک و شبہ کی نگاہ سے دیکھتا رہا۔

ایک دن میں مولانا ابوالکلام آزاد کا ایک نہایت ہی پرجوش بلکہ آتش فشاں سیاسی مضمون پڑھ رہا تھا۔ جس میں یہ شعر نظر سے گزرا:۔

شبِ وصال بہت کم ہے آسماں سے کہو
کہ جوڑ دے کوئی ٹکڑا شبِ جدائی کا

بہت دیر تک اس شعر سے لطف اندوز ہوتا رہا۔ کئی دن کی دریافت کے بعد معلوم ہوا کہ یہ شعر حضرت امیر مینائی کا ہے.....۔ امیر مینائی کا اور یہ شعر..... وجدان نے دبے لفظوں میں کہا۔ اس کے بعد امیر مینائی کے کلام دیکھنے کا شوق پیدا ہوا اور جس قدر زیادہ ان کا کلام پڑھا اور اسی قدر ان کی عظمت قلب و دماغ پر اثر قائم کرتی چلی گئی۔

داغ و امیر کو ایک دوسرے سے خوامخواہ ٹکرا کر جس افسوسناک بحث کو چھیڑا گیا اس کو میں اردو ادب کا "سیاہ ورق" سمجھتا ہوں' حقیقت یہ ہے کہ دونوں اہلِ کمال اپنی جگہ آفتاب و ماہتاب تھے اور دونوں کا اردو زبان پر احسان ہے.....!

مجھے اس حقیقت کا اظہار کرتے ہوئے دکھ ہوتا ہے کہ اربابِ نقد و نظر اور تذکرہ نگاروں نے امیر مینائی کے ساتھ ناانصافی کی، میری یہ نظم اسی کوتاہی اور ناانصافی کے ازالہ اور اعترافِ کمال کی غالباً پہلی کوشش ہے۔ ماہر!

تاریخ ہے زبان کی افسانۂ امیر
ہے دفترِ ادب خطِ پیمانۂ امیر
کتنے چراغ اب بھی ہیں پروانۂ امیر
ہے کعبۂ خیال صنم خانۂ امیر
اربابِ فن کو اس کے تخیل پہ ناز ہے
ہر شعر جس کا نغمۂ فطرت نواز ہے
جس نے زبانِ بلبل و گل میں دیا پیام
جس کے تخیلات کا پرتو اودھ کی شام
تھا صاحبانِ علم و معانی کا جو امام
اردو ادب میں ہے سرِفہرست جس کا نام
جس نے گرہ حقائقِ الفت کی کھولدی
قندونبات ساغرِ اردو میں گھولدی
جس نے وصال و ہجر کے منظر دکھا دیئے
رنگینیٔ خیال کے گلشن کھلا دیئے
دلکش محاورات کے دریا بہا دیئے
اردو زباں کے ہند میں سکّے بٹھا دیئے

شعر و ادب کے چہرے کی رنگت نکھار دی
جس نے زباں کی زلفِ پریشان سنوار دی
جس نے شرابِ شعر کو دو آتشہ کیا
جس نے بڑھایا اور محبت کا سلسلہ
جس نے فروغ انجمنِ فکر کو دیا
جس نے سنایا عشق کا افسانہ برملا
جس نے غزل میں شوخ مضامیں سمو دیئے
دل کی رگوں میں دشنہ و خنجر چبھو دیئے
اشعار جس کے ملک میں ضرب المثل بنے
جس نے رخِ حیات سے پردے اٹھا دیئے
جس کی زباں سے کیف کے نغمے سنے گئے
پیدا ہوا جو شوخ مضامین کے لیے
شعروں میں جس کے کیف بھی ہے اور درد بھی
نغمہ کے ساتھ ساتھ ہے اک آہِ سرد بھی
احسان ہے زباں پہ امیر اللغات کا
ہر سطر جس کی راہِ طلب کی ہے رہنما
دامن ادب کا گوہرِ معنی سے بھر دیا
اس واسطے کہ اس کا تخلص امیر تھا
مرقد پہ اس کے ابرِ کرم کا نزول ہو
ماہر کی یہ دعا ہے الٰہی قبول ہو

فریب

ہم نشیں تو نے بھی دیکھی ہے وہ بزمِ رنگ و بو
جس جگہ پانی سے ارزاں تر ہے عصمت کا لہو
جس کے بام و در پہ مکر و فن کے ہیں نقش و نگار
جس کا ہر گوشہ ہے انسانی شرافت کا مزار
جھانکتی ہیں جس کے آئینوں سے دل کی چوریاں
جس کے گلدانوں کی ہر پتی بناوٹ کی خزاں
جس جگہ ہر راز ظاہر ہے، عیاں ہے، فاش ہے
جس جگہ ایک ایک ذرّہ آبرو کی لاش ہے
جس جگہ غیرت کی رگ پر روز چلتی ہے چھری
جس جگہ حیوان بن جاتا ہے جا کر آدمی
جس جگہ ہوتی ہے انسانی حمیّت پائمال
جس جگہ ہر دم کھلا رہتا ہے بازارِ جمال
جس جگہ دن میں بھی چلتے ہیں گناہوں کے چراغ
جس جگہ دامانِ عصمت پارہ پارہ، داغ داغ
جس جگہ انسان کی مطلق نہیں قدر و تمیز
جس جگہ ہر شخص پیسہ دے کے لے سکتا ہے چیز
جس جگہ دل پر، کبھی جیبوں پہ رہتی ہے نظر
جس جگہ معیار ہے عظمت کا نقدِ مال و زر

جس فضا میں وقت بن کر سانس لیتا ہے گناہ
جس جگہ انسانیت کو پھانس لیتا ہے گناہ
سیمیاء نیرنگ دھوکا اک طلسمِ بے یقیں
ایک منظر جو ابھی سب کچھ، ابھی کچھ بھی نہیں
ایک جنّت عشرتوں کی، احمقوں کے واسطے
ایک فردوسِ نظر، بے غیرتوں کے واسطے
قمقموں کی تابشوں میں یہ مصفّا چاندنی
دیکھنے میں صاف لیکن معدنِ آلودگی
پان کی تھالی بہت اجلی برنگِ سیمِ خام
لیکن اس کا جوہرِ اصلی نجاست کا قوام
اک مسہری سر سے پاتک نو عروسِ زر نگار
لیکن اک ویران گلشن، اک خزاں دیدہ بہار
مخملی قالین کے پھولوں کی رنگت کیا کہوں
اس طلسمِ بے حقیقت کی حقیت کیا کہوں
گاؤ تکیوں پر بہت ہی صاف اور اجلہ غلاف
کر رہے ہیں اپنے باطن کا جو خود ہی انکشاف
ریڈیو کا سیٹ لوگوں کے دکھانے کے لیے
جدّتِ تہذیب کا سکہ بٹھانے کے لیے
کچھ مرقعے اور تصویریں، قطار اندر قطار
جن سے ہے مقصود اپنی کمسنی کا اشتہار
میز پر ہیں عطر کی کچھ شیشیاں رکھی ہوئیں
سینکڑوں ہی آشناؤں کی ہیں جو سونگھی ہوئیں

ایک جنت جس میں دوزخ کے شرارے بند ہیں
آبگینے قند کے اور زہر پارے بند ہیں
اک شبابِ نارسیدہ وہ بھی مرجھایا ہوا
سینکڑوں آغوش کی گرمی سے کملایا ہوا
ایک شوخِ فتنہ پرور، اک بتِ عصمت فروش
اکتسابِ زر کی خاطر سخت جان و سخت کوش
ایک تتلی جو کہ ہرجائی بھی، آوارہ بھی ہے
ایک تارہ جو کہ ثابت بھی ہے سیارہ بھی ہے
اک کتابِ زیست جس کے سب ورق بکھرے ہوئے
ایک گلدستہ کہ جس میں سانپ ہیں لپٹے ہوئے
ایک ترکش مختلف اقسام کے سوفار کا
پھول کی پتی نہیں، ٹکڑا ہے یہ تلوار کا
سینکڑوں نے جس کو لوٹا ہے وہ پژمردہ سہاگ
خواہشوں نے جس کو بھڑکایا ہے وہ ناپاک آگ
زر کی خاطر مضطرب ہے دلبری کے روپ میں
جیسے اک پیاسا مسافر چلچلاتی دھوپ میں
انگلیاں مہندی سے ہیں گلرنگ، آنکھیں سرمگیں
پاؤڈر سے خوب ہیں آلودہ رخسار و جبیں
ہونٹ "لپ اسٹک" کی سرخی سے بھبوکے کی طرح
پتلیاں تکتی ہیں انسانوں کو بھوکے کی طرح
تنگ چولی اس لئے پہنی ہے باصد آب و تاب
تاکہ دھوکا دے سکے دنیا کو افتادہ شباب

بجلیاں کانوں میں، قشقہِ، سرخ ساری زرق برق
خودنمائی، خود فریبی اور ریاکاری میں غرق
سر سے پاتک اک تصنع، اک بناوٹ، اک فریب
دشمنِ مہر و وفا، غارتگرِ صبر و شکیب
اہلِ محفل کو حنائی انگلیوں سے وہ سلام
ہر تماشائی کو جھوٹی مسکراہٹ کا پیام
سب کو خوش رکھنے کی خاطر مختلف اندازِ حسن
سینکڑوں زخمہ وروں کے ہاتھ میں اک سازِ حسن
ان سے شوخی، مجھ سے وعدہ، اس طرف کچھ التفات
کان دروازے کی آہٹ پر مگر ہنس ہنس کے بات
دلبری کے بھیس میں غارتگری کی کوششیں
وہ تبسم، وہ لگاوٹ، وہ نظر کی سازشیں
صرف لوگوں کے لبھانے کے لئے انگڑائیاں
جلوتوں کو بھی بنا سکتی ہیں جو تنہائیاں
سر سے آنچل کا وہ ڈھلکانا سمجھ کر، جان کر
جانچنا اور بھانپنا پھر اہلِ محفل کی نظر
تالیوں کی گونج میں وہ زمزے، وہ قہقہے
تاکہ گرما گرم ہو جائیں دلوں کے ولولے
پاس ہی بیٹھے ہوئے ہیں بندگانِ بے ضمیر
جو ہیں سازندوں کی صورت میں مصاحب اور مشیر
جن کے چہروں پر نحوست کی گھٹا چھائی ہوئی
آدمیّت اور غیرت جن کی ٹھکرائی ہوئی

ان سے بھی باتیں، ادھر بھی التفات و اختلاط
آہ! یہ مکروہ دھوکا، یہ سرابِ انبساط
ان مناظر کی کوئی دل تاب لا سکتا نہیں
کوئی غیرت مند اس محفل میں جا سکتا نہیں
ہمنشیں مت پوچھ کیا گزری مرے جذبات پر
آج تک اس زخم سے بے چین ہیں قلب و جگر
کیا بتاؤں نفسِ امارہ نے پہونچایا کہاں
میری خودداری سے ٹکرایا ہے اک کوہِ گراں
میں کہ جابر کجکلا ہوں سے بھی دب سکتا نہیں
آج تک بیگانۂ تسلیم ہے میری جبیں
میں کہ ہو سکتا نہیں مرعوبِ سلطان و وزیر
اس پریشانی میں بھی آزاد ہے میرا ضمیر
خواہشوں کا ابرِ تیرہ میرے دل پر چھا گیا
باوجودِ غیرت و دانائی دھوکا کھا گیا
تم تو واقف ہو کہ کیا ہے باعثِ رنج و ملال
اے مزاجِ نکتہ سنج! اے فاطرِ نازک خیال
ایک ہی آنسو میں سب دامن کی چھینٹیں دھل گئیں
شکر ہے بس ایک ہی ٹھوکر میں آنکھیں کھل گئیں

پہلی ملاقات

لبوں پر تبسم کے انوار رقصاں
جبیں میں محبّت کی شمعیں فروزاں

وہ ماتھے کی افشاں ستاروں کی دنیا
وہ ہونٹوں کی لالی کہ صبح بدخشاں

وہ آنکھوں کے ڈورے گلابی، گلابی
وہ زلفِ معنبر پریشاں، پریشاں

وہ گردن کہ سچ مچ بلوریں صراحی
وہ شفّاف سینہ وہ سیبِ زنخداں

وہ چاندی کی ترشی ہوئی صاف باہیں
وہ دستِ حنائی محبت کا عنواں

قبا تنگ اور عنفوانِ جوانی
گریزاں گریزاں، نمایاں نمایاں

وہ قد جس پہ قرباں حسنِ صنوبر
وہ نازک خرامی کہ دنیا پہ احساں

لچک میں وہ رفتار پھولوں کی ڈالی
اثر میں وہ ظالم قیامت کا ساماں

وہ احساس جلووں کی غارتگری کا
وہ معصوم نظریں، پشیماں پشیماں

وہ جھجکے ہوئے انگلیوں کے اشارے
وہ رکتا ہوا سا تمنا کا طوفاں

خموشی میں دل کی امنگوں کے نغمے
نگاہوں میں جذبات کی موج غلطاں

مرے رخ پہ سرخی جھلکنے لگی تھی
اُدھر بھی گلستاں اِدھر بھی گلستاں

کسی کانپتے ہاتھ میں جیسے بوتل
اسی طرح وہ نازک اندام لرزاں

ہواؤں کو بھی وجد سا آ رہا تھا
وہ بزمِ طرب اور مجھ سا غزل خواں

تصوّر کو آئینہ دکھلا رہی ہے
وہ پہلی ملاقات یاد آ رہی ہے

تیرے بغیر

ہر نفس آمادۂ فریاد ہے تیرے بغیر
دل کی دنیا کس قدر برباد ہے تیرے بغیر

آ کہ تڑپاتی ہے دل کو موسمِ گل کی بہار
صحنِ گلشن خانۂ صیّاد ہے تیرے بغیر

دیکھتا ہوں ہر طرف افسردگی چھائی ہوئی
گلشنِ ہستی خزاں آباد ہے تیرے بغیر

آہ! وہ دل جو نشاط و عیش سے لبریز تھا
مضطرب، پامالِ غم، ناشاد ہے تیرے بغیر

ڈر رہا ہوں نبضِ ہستی چلتے چلتے رک نہ جائے
دیکھتا ہوں نظمِ دل برباد ہے تیرے بغیر

عیشِ رفتہ کا تصوّر باعثِ تسکیں سہی
وارداتِ عیش کس کو یاد ہے تیرے بغیر

ہر گھڑی شامِ جدائی کی ہے "کوہِ بے ستوں"
ہر تمنا "تیشۂ فرہاد" ہے تیرے بغیر

اہلِ دنیا کی نوازش کا فسانہ ہائے! ہائے!
قلبِ ماہر تشنۂ بیداد ہے تیرے بغیر

ریل کے سفر میں

وہ دلنواز منظر، برسات کا مہینہ
قسمت سے ہمسفر تھی اک نازنیں حسینہ
زلفوں کے پیچ و خم میں ذرّات کوئلے کے
ماتھے کی سلوٹوں پر چھٹکا ہوا پسینہ
نازک سے ناخنوں کی کوروں پہ سرخ دھاری
مہندی سے ہر ہتھیلی رنگین آبگینہ
کروٹ بدل رہا تھا، انگڑائی لے رہا تھا
سینہ کے جزر و مد میں امّید کا سفینہ
گردن میں اس کی خم تھا لیکن بقدرِ مینا
جھجکی ہوئی نگاہیں، بہکی ہوئی ادائیں
وہ دلنواز دھوکے اتنی حسیں جفائیں
رخسار پر نمی کی کچھ یونہی سی جھلک تھی
جیسے چمن میں کلیاں شبنم سے بھیگ جائیں
اس نے نظر چرا کر، کس سادگی سے دیکھا
میرے لبوں کی آہیں دینے لگیں دعائیں
کتنا صبیح چہرہ! کتنی سیاہ زلفیں!
پھیلا ہوا اجالا سمٹی ہوئی گھٹائیں
سانچے میں ڈھل گئی تھیں فردوس کی ہوائیں

نظروں کے سامنے تھی وہ روحِ شادمانی
میں یہ سمجھ رہا تھا دنیا ہے غیر فانی
ساری کو کچھ سمیٹا بیٹھی ذرا سنبھل کر
ڈبّہ کی کھڑکیوں سے آنے لگا جو پانی
پھر اس نے مسکرا کر اس طرح گنگنایا
جیسے کوئی سنائے بیتی ہوئی کہانی
آنکھوں کے سرخ ڈورے پیمانہ کی لکیریں
ہونٹوں کی مسکراہٹ فردوس زندگانی
جاتا ہوا لڑکپن آتی ہوئی جوانی

فلسفی سے خطاب

ترے خیال و تصور کی طاقتِ پرواز
قتیل خنجرِ ہستی ، ہلاکِ تیغِ مجاز
ہے تجھ کو ناز حقائق کی جس بلندی پر
مرے خیال کے توسن کا فرش پا انداز
ترے شہود کی دنیا ہے تیرہ و تاریک
مرے غیوب کا ہر پردہ ہے تجلی ساز
مری نگاہ میں وہ ایک حرف بے معنی
سمجھ رہا ہے تو جس اکتشاف کو اعجاز
ترے تصورِ ذہنی کی انتہا ذرّے
مرے یقین کی ہر ضو پر آفتاب کو ناز
مری صراحی و خُم میں مئے الست کا جوش
ترے ایاغ و سبو میں شرابِ خانہ ساز
کمال تیرے تدبر کی ہر نئی تحقیق
امام تیرے تفکّر کی ہر نئی آواز

ترے ندیم ترے دوست، مادّی ذرے
خدا کے فضل سے روح القدس مرا ہمراز

ترا رباب ہے خود تیرے ہاتھ سے مجروح
بلا کی پست ہے تیرے ضمیر کی آواز

مبادیات حقائق کی اور تو، تحلیل
کہاں زمین کی پستی کہاں فلک کا فراز

ترے خیال میں برزخ کی زندگی ہے محال
مری نگاہ میں اک اک نفس حیات نواز

ترے فرشتے بھی اس تک پہنچ نہیں سکتے
مرے یقین نے جو کر دیا دریچہ باز

وہی ہے میرے تیقّن کا نقطۂ آغاز
ہو جس محاذ پہ دانش تری سپر انداز

ترے دماغ کی تخلیق، خشک موضوعات
نہ جن میں عشق کی گرمی نہ حسن کے انداز

میں کیوں سنوں تری باتیں کہ تیری باتوں میں
نہ زندگی، نہ محبت، نہ کیف و سوز، نہ ساز

ترا فسانہ وہ بے کیف و رنگ ہے جس کو
نہ غزنوی کی ضرورت نہ احتیاجِ ایاز

مرا فسانہ وہ شے ہے ہوا ہے جس میں صرف
جگر کا سوز، محبت کا درد، دل کا گداز

مرے خیال کی رفعت کو عرش بھی ہے تنگ
فلک ہے تیرے تصور کی آخری پرواز

تو آئنہ کے فقط نام کا پجاری ہے
مری نگاہ میں ہے عکسِ حسنِ آئنہ ساز

مٹا ہوا ہے تو عقلِ فرنگ و یوناں پر
ہماری آنکھ کا سرمہ ہے خاکِ راہِ حجاز

تلاش حق کی ہے گر، سُن زبانِ ماہر سے
بگوشِ ہوش ذرا قولِ عرفیٔ شیراز

مدہ عنانِ تعلق بہ حسنِ ہر ذرہ
بر آر دستے و بر دوش آفتاب انداز

چند جرعے

خرد نے جو بڑھ کر امنگوں کو روکا محبت نے دل کو دیا ایک ٹھوکا
مرے شوق نے جب کبھی شوخیاں کیں ہواؤں سے الجھا، ستاروں کو ٹوکا
تمنا کی پرچھائیاں جلوہ گر ہیں
یہ دنیا بھی ہے ایک دلچسپ دھوکا

محبت کی شمعیں جلاتا چلا جا اٹھ اور دہر کو جگمگاتا چلا جا
جبیں پر شکن تک ابھرنے نہ پائے مصیبت میں بھی مسکراتا چلا جا
سمندر کی فطرت کو قبضہ میں لا کر
حبابوں کو ساکن بناتا چلا جا

نہ دل ہی پہ قدرت نہ آنکھوں پہ قابو تمدّن بھی جادو، سیاست بھی جادو
قفس کی فضا میں برابر ہیں دونوں کبوتر کی منقار، شاہیں کا بازو
حوداث سے طوفاں کے گھبرا نہ جانا
زمانہ ہے سعیٔ عمل کی ترازو

گل و لالہ و نسترن بیچتا ہوں کوئی ہے؟ چمن کا چمن بیچتا ہوں
یتیموں کو تسکین دینے کی خاطر شہیدوں کے خونیں کفن بیچتا ہوں
فضائے غلامی سے بیزار ہو کر
میں تقدیسِ گنگ و جمن بیچتا ہوں

رمزو حقیقت

کوئی پیمانۂ غم بھر رہا ہے — کوئی تجھ سے محبّت کر رہا ہے
کوئی مرنے کی خاطر جی رہا ہے — کوئی جینے کی خاطر مر رہا ہے

دلِ مسلم کو پھر خوفِ اجل ہے — غم و دنیا میں حالت مبتذل ہے
پرستش خوف و غم کی ہو رہی ہے — حرم پھر مسکنِ لات و ھبل ہے

کلی شبنم سے منہ کو دھو رہی ہے — کرن پھولوں کے صدقے ہو رہی ہے
خس و خاشاک ہنگامہ فگن ہیں — مگر انساں کی فطرت سو رہی ہے

محبت کے سمندر پٹ رہے ہیں — سیاست کے جواہر بٹ رہے ہیں
خبیرِ خطرۂ دل! کچھ خبر ہے — کہ تیرے نام لیوا گھٹ رہے ہیں

ہر اک ہے شکوہ سنجِ کم نگاہی — ارے توبہ فیوضِ خانقاہی
مگر رندانِ مے آشام اب بھی — الٹ سکتے ہیں تختِ کجکلاہی

اذاں بے کیف اور تکبیر بے سوز — تڑپ اٹھنے کو ہے روحِ بلالی
براہیمی معابد بن رہے ہیں — پرستش گاہِ اصنامِ خیالی

جوانوں کی زبوں حالی نہ پوچھو　　نظر ویران اور سینے ہیں خالی
ڈراموں کی پرستش ہو رہی ہے　　"گلستاں" ہے نہ "اخلاقِ جلالی"

ارادے مضمحل، احساس باطل　　یہ انساں ہیں کہ پتھر کی چٹانیں
کلائی رامؔ کی ہو جائے زخمی　　کچھ اتنی سخت ہیں دل کی کمانیں

سیاست کی! سیاست کی خدائی　　دہائی ہے! محبّت کی دہائی
ادھر مے خانے ویراں ہو رہے ہیں　　ادھر ہے مغبچوں سے آشنائی

زباں لذّت کشِ قند و عسل ہے　　جبیں پر نقشِ دہلیزِ ہُبل ہے
مدد اے جرأتِ کرّارؓ و خالدؓ　　جہاں بیگانۂ ذوقِ عمل ہے

کسی نے خوشۂ پرویں کو توڑا　　کسی نے چاند سے رشتہ کو جوڑا
کوئی "ایتھر" کی رو میں بہہ رہا ہے　　غرض سب نے خدا سے منہ کو موڑا

یہ ہے سائنس کی تحقیقِ عالی　　فضا میں تیرتے ہیں برف پارے
چمن میں پھول کی نازک رگوں سے　　نکل سکتے ہیں بجلی کے شرارے
یہ ساری مادّے کی صورتیں ہیں　　زمیں، افلاک، سورج، چاند تارے

نہ سمجھی لعبتِ سائنس افسوس
کرن کی ضو میں ربّانی اشارے

مطالعہ

سختیٔ دشت بھی اٹھا، نزہتِ ہر چمن بھی دیکھ
خار کی نوک کو بھی چھو، پھول کا پیرہن بھی دیکھ
جبر کی زندگی میں بھی ، وہم ہے اختیار کا
حسن پہ بھی نگاہ ڈال، عشق کا حسنِ ظن بھی دیکھ
پھول کے رنگ پر نہ جا، رنگ کے بھید کو سمجھ
تن کو تو دیکھ ہی چکا، ایک نگاہ من بھی دیکھ

دعوت!

دنیا ہے کشاکش کے طوفان کا گہوارہ
شبنم بھی ہے ہرجائی، تتلی بھی ہے آوارہ
ہر چیز کی فطرت میں حرکت کو سمویا ہے
ذرّہ ہو کہ سورج ہو، ثابت ہو کہ سیّارہ
ہو روح تو لوہا بھی اڑتا ہے ہواؤں میں
شاہیں سے یہ کہتا تھا اڑتا ہوا طیّارہ

ریڈیو کی آواز کا پیام

فضائیں میرے قبضہ میں ، ہوائیں میری مٹھی میں
مری دنیائے دل محدود لندن میں نہ دلّی میں
مری سعیٔ عمل دوشِ ہوا پر رقص کرتی ہے
مری فطرت فضا میں اور دب دب کر ابھرتی ہے
میں شعلہ بھی ہوں، شبنم بھی، میں نغمہ بھی ہوں ماتم بھی
میں نشتر کا اثر ہوں اور پھر تسکینِ مرہم بھی
سیاست کی زباں جب مجھ سے اپنا کام لیتی ہے
تو قدرت خودبخود میرا گریباں تھام لیتی ہے
فضا کے برق پارے مجھ سے کترا کے گذرتے ہیں
مری باتوں پہ اربابِ محبت وجد کرتے ہیں
لبوں کی جنبشِ پیہم سے قائم زندگی میری
نفس کے شعلہ ہائے گرم سے تابندگی میری
میں سچی ہوں امانت میں خیانت کر نہیں سکتی
میں کھو سکتی ہوں موجوں میں ولیکن مر نہیں سکتی

آوازِ جرس

وہی عقل کی پرستش، وہی حوصلہ کی خامی
نہ وہ جرأتِ کلیمی، نہ وہ ذوقِ ہمکلامی
مرے روز و شب کی فطرت جو بدل سکو بدل دو
کہ نہیں قبول مجھ کو مہ و مہر کی غلامی
مرے حالِ مضطرب پر ابھی خندہ زن ہے دنیا
ابھی ڈھیل دے رہا ہے مرا سوزِ نا تمامی
میں زباں سے کیوں کہوں کچھ، مری خامشی ہے سب کچھ
مری ہر نظر گزارش، مرا ہر نفس پیامی
مرے سوزِ دل کی قیمت فقط اک نگاہِ الفت
ترے دردِ دل کا سودا یہی عشرتِ دوامی
تجھے خود پرست زاہد! مے و جام سے یہ نفرت!
کہیں تجھ کو لے نہ ڈوبے یہ غرورِ تشنہ کامی
مجھے کیا پیام دے گی، تری زندگی کی دنیا
کہ فنا کی وادیوں میں مجھے دی گئی سلامی
مجھے زندگی کی خاطر، نہیں ذلتیں گوارا
مجھے راحتیں مصیبت، مجھے موت ہے غلامی
مجھے ڈر ہے کالجوں کو نہ خراب جہل کر دے
یہ غرورِ علم و دانش یہ جنونِ پختہ کامی
مرے دل نے آج ماہر کوئی چیز ان سے مانگی
بہ نگاہِ مستِ خسرو، بہ سرورِ قلبِ جامی

سائے

دنیا کی طرح رنگ بدلتے ہوئے سائے
کس شان سے بے پاؤں کے چلتے ہوئے سائے
شاخوں کی لچک، نرم ہواؤں کے یہ جھونکے
گرتے ہوئے سائے کہ سنبھلتے ہوئے سائے
ہے رقص کناں باغ میں ہلکی سی سیاہی
آغوش میں سبزے کے مچلتے ہوئے سائے
پودوں کے تلے دھوپ، نہ وہ تیز اجالا
پھولوں کی جبینوں سے نکلتے ہوئے سائے
کرتے ہیں مصوّر کی ذہانت کو اشارہ
سانچے میں نباتات کے ڈھلتے ہوئے سائے
کلیوں کی طرح باغ میں ہنستے ہوئے سائے
ہلتی ہوئی شاخوں سے برستے ہوئے سائے
پیڑوں کے قریں دُوب کی جنبش کو نہ پوچھو
جیسے پئے آرام ترستے ہوئے سائے
مغرور کی ٹھوکر کو بھی سہتے ہوئے سائے
اس پر بھی کوئی بات نہ کہتے ہوئے سائے
شاید نہ کبھی چین سے رہتے ہوئے سائے
موجوں کی طرح گھانس پہ بہتے ہوئے سائے

آہستہ دبے پاؤں سرکتے ہوئے سائے
پرچھائیں سے کرنوں کی جھکتے ہوئے سائے
ہر شاخ کے ہمراہ لچکتے ہوئے سائے
مینوش کی مانند بہکتے ہوئے سائے
بڑھتے ہوئے سائے کبھی گھٹتے ہوئے سائے
لہروں کی طرح اٹھ کے پلٹتے ہوئے سائے
کیوں چھوڑ دیا آپ نے ڈالی کو جھکا کر
کیا آپ کو بھاتے ہیں اچٹتے ہوئے سائے
آتے ہوئے سائے کبھی جاتے ہوئے سائے
اک طرفہ تماشا سا دکھاتے ہوئے سائے
اترے وہ درختوں سے پئے سبزۂ نوخیز
ہر گام پہ آنکھوں کو بچھاتے ہوئے سائے
شاید ہیں یہی ظلمت و انوار کا حاصل
ماہر کو بھی بے تاب بناتے ہوئے سائے

سمن زاروں میں

شاخِ گل، برگِ حنا، غنچۂ نسرین و سمن
نرم کلیوں کے تبسم کا یہ بے ساختہ پن
اوس کی بوند کو چھوتی ہوئی سورج کی کرن
بوئے گل تھامے ہوئے موجِ ہوا کا دامن
دل مرا اور بھی بے تاب ہوا جاتا ہے

ڈالیاں سبزۂ خود رو سے ملی جاتی ہیں
تتلیاں پھول کے ہونٹوں پہ جھکی جاتی ہیں
شاخیں ملتی ہیں تو غزلیں سی سنی جاتی ہیں
دل مرا اور بھی بے تاب ہوا جاتا ہے

رقص کرتی ہوئیں تالاب کے سینے پہ بطیں
موج در موج ہوئی جاتی ہیں کائی کی رگیں
اب ہواؤں کے بھی قابو میں نہیں ہیں شاخیں
ٹوٹتی جاتی ہیں آدابِ گلستاں کی حدیں
دل مرا اور بھی بے تاب ہوا جاتا ہے

مالنیں گھومتی پھرتی ہیں سمن زاروں میں
لے کے طوفانِ طرب ملگجے رخساروں میں
سنسناتی ہے ہوا باغ کی دیواروں میں
جس طرح بانسری بجتی ہوئی کہساروں میں
دل مرا اور بھی بے تاب ہوا جاتا ہے

دورِ اکبری میں مینا بازار

یہ قلعۂ شاہی میں خواتین کا بازار
خود حسن ہی تاجر ہے یہاں خود ہی خریدار
خیموں کی بناوٹ یہ دکانوں کی سجاوٹ
فردوس در آغوش ہے ہر پردۂ زرکار
ہر گام پہ گملوں کی قطاریں ہی قطاریں
ہر موڑ پہ مہکی ہوئی پھلوار ہی پھلوار
ایک ایک کلی گلشنِ فردوس کی ہمسر
ہر قطرۂ شبنم میں ہے آبِ دُرِ شہوار
یہ حسن و نفاست یہ سلیقہ یہ قرینہ
گویا کہ مجسّم کسی شاعر کے ہیں افکار
بیٹھی ہیں دکانوں پہ طرحدار کنیزیں
گلشن کہیں پرویں، کہیں شبنم کہیں گلنار[1]
قلما قنیاں[2] پہنے ہوئے پھول کے جوڑے
ذرّوں کو بنا دیں جو ستارے دمِ رفتار
مژگاں کے اشارے ہیں کہ چلتے ہوئے ناوک
ہر جنبشِ ابرو میں لچکتی ہوئی تلوار
قشقے کی جبینوں پہ ہیں سجدوں کے نشاں بھی
رانی کوئی ملکہ کوئی کافر کوئی دیندار

یہ گرمیٔ بازار حسینوں کا یہ جھرمٹ
گنگا کا ہے اشنان کہ گوکل میں ہے تیوہار

تاجر بھی بہت خوب ہیں گاہک بھی بہت خوب
اور چیز کے لینے میں بھی حجّت ہے نہ تکرار

شہزادیاں آئیں بصد انداز و نزاکت
سرتابقدم حسن مگر صاحبِ کردار

قدغن ہے کوئی مرد یہاں آنے نہ پائے
اپنوں ہی کا مجمع ہو بلا شرکتِ اغیار

ڈھولک پہ کہیں تلسی و رحمنؔ[3] کے دوہے
بربط پہ کہیں حافظ و خیّام کے اشعار

شاہانِ گذشتہ کی شجاعت کے نمونے
بابر کا ہے خنجر کہیں تیمور کی تلوار

شمشیر بکف چند خواصیں بھی ہیں موجود
اس جشنِ میں بھی سطوتِ فرغانہ کا اظہار

اس سمت بہاروں پہ ہے خوش روزؔ[4] کی تقریب
اور اس سے ذرا دور شہنشاہ کا دربار

۱۔ کنیزوں کے نام
۲۔ قلعۂ معلّٰی میں کنیزوں کی ایک قسم
۳۔ عبدالرحیم خانِ خاناں
۴۔ اس جشن کا نام "خوش روز" تھا

حسین دوشیزہ

دوشیزگئ حسن کا اللہ رے آغاز
بہکی ہوئی رفتار یہ کھوئے ہوئے انداز
ہر بات میں سہمی ہوئی "لے" نازو ادا کی
ہر سانس میں جذبات کی دبتی ہوئی آواز
گھبرائی ہوئی چال کا یہ حال ہے جیسے
اک طائرِ نوخیز کی جھجکی ہوئی پرواز
عارض سے نکلتی ہوئی اک آتشِ بے رنگ
ہونٹوں پہ لرزتا ہوا اک نغمۂ بے ساز
رخسار سے تھم تھم کے یہ ہٹتے ہوئے گیسو
ہو شام کو جیسے کسی مے خانہ کا درباز
مدہوش بنا کر ہی یہ ڈھاتا ہے قیامت
رفتار کا جادو، کبھی گفتار کا اعجاز
آنکھوں کو جھکائے ہوئے مبہم سا اشارہ
سو جان سے ہو جس پہ فدا صنعتِ ایجاز
آنکھیں وہ حیا کوش کہ نظّارے سے بیزار
عارض ہیں وہ نازک کہ پسینہ سے گراں بار
اونچی ہے ستاروں سے بھی اخلاق کی رفعت
پھولوں سے بھی بڑھ کر کہیں معصومئ کردار

آنکھوں کا وہ اندازِ تغافل نہ توجہ
گردن کا وہ خم جس میں نہ انکار نہ اقرار
وہ سادگیٔ حسن کی افسانہ نگاری
سانچے میں اداؤں کے وہ ڈھلتے ہوئے اشعار
آگاہ نہیں ہے ابھی دنیا کی ہوا سے
اپنوں ہی سے واقف ہے نہ غیروں سے خبردار
اک آتشِ خاموش ہے کہتے ہیں یہ تیور
طوفان ہے طوفان بتاتے ہیں یہ آثار
اک صبح کہ جس میں نہ اندھیرا نہ اجالا
اک کشتیٔ جذبات نہ اِس پار نہ اُس پار
شانوں پہ دوپٹہ کا یہ اڑتا ہوا آنچل
ماحول ہے بے چین، ہواؤں میں ہے ہل چل
زلفوں کی گھنی چھاؤں میں یہ تابشِ رخسار
آتش کدۂ حسن پہ چھائے ہوئے بادل
اللہ رے یہ ساقِ بلوریں دمِ رفتار
جنبش میں ہو جس طرح مئے ناب کی بوتل
چھایا ہوا اک بار ہے احساس حیا کا
یَور بھی گراں بار ہیں پلکیں بھی ہیں بوجھل
کرتہ کے گریبان پہ کچھ پان کے دھبے
آنکھوں میں پسینہ سے ہے پھیلا ہوا کاجل
گردن میں ہے مالا نہ کلائی میں ہے کنگن
اور پاؤں میں پازیب نہ گھنگرو ہیں نہ چھاگل

جس سے کوئی کھیلا نہ ہو وہ لعبتِ رنگیں
شبنم سے بھی ہو پاک وہ اٹھتی ہوئی کونپل
وہ گیت مغنّی جسے دہرا نہ سکا ہو
وہ ساز جسے چھو نہ سکی جنبشِ مضراب
وہ بت کہ نہ اک پھول چڑھایا ہو کسی نے
جس میں کوئی سجدہ نہ ہوا وہ خمِ محراب
کچھ تجربہ دنیا کا نہ آگاہیٔ ماحول
بے گانۂ دستور ہے، ناواقفِ آداب
کیا چیز ہے دنیا اسے معلوم نہیں ہے
ظالم ہے یہ ظالم ابھی مظلوم نہیں ہے

جنبشِ مینا

یہ کس نے کیا ذکرِ تمنّا مرے آگے
لہرانے لگا خون کا دریا مرے آگے

ہر حال میں سنتا ہوں محبّت کی کہانی
ہر ذرّۂ خاموش ہے گویا مرے آگے

ہونے دو ابھی ساغر و مینا میں تصادم
بہنے دو ابھی نور کا دریا مرے آگے

محرابِ حرم کا نہ کرو ذکر خدارا
جب تک ہے خمِ ابروے سلما مرے آگے

دنیا ہے بس اک گردشِ ساغر مرے نزدیک
عقبیٰ ہے فقط جنبشِ مینا مرے آگے

اللہ رے! ترے در پہ مری خاک نشینی
ہیں خاک بسر قیصر و کسریٰ مرے آگے

ہر پھول کی پتّی ہے محبت کا صحیفہ
ہر شاخ ہے عنوانِ تمنا مرے آگے

الجھیں ترے رخسار سے گستاخ نگاہیں
تو اور ہو مجروح تماشا مرے آگے

دیکھی ہے مری آنکھ نے کلیوں کی تباہی
اٹھا ہے تبسم کا جنازہ مرے آگے
خاموش ہے ناقوسِ کلیسا مرے آگے
ہر ذرہ ہے ناہید و ثریّا مرے نزدیک
ہر خار ہے گلگشتِ مصلاّ مرے آگے
کونین کو ماہر مرے قدموں پہ جھکانا
جس وقت کہ ہو گنبد خضرا مرے آگے

پھول والی

مسکرا کر ناز سے شاخوں کو لچکاتی ہوئی
آ رہی ہے پھول والی ' پھول برساتی ہوئی
چن رہی ہے پھول کِس مستی بھرے انداز سے
چٹکیاں لیتی ہوئی کلیوں کو چٹکاتی ہوئی
گنگنا کر دیکھتی جاتی ہے تتلی کی طرف
اوس میں بھیگے ہوئے بالوں کو سلجھاتی ہوئی
لے رہی ہے باغ سے اپنی جوانی کا خراج
گلفشاں پودوں کے آگے گود پھیلاتی ہوئی
کیاریوں میں' گھومتی پھرتی ہے کتنی تیز تیز
نیند میں سوئے ہوئے سبزے کو چونکاتی ہوئی
گا رہی ہے چوڑیوں کے ساز پر ساون کا گیت
نبضِ خس میں زندگی کی روح دوڑاتی ہوئی
سوچتی ہے بِن کِھلی کلیاں بنیں گی کب گلاب
رنگ و بو کے مسئلہ پر غور فرماتی ہوئی
آرسی میں دیکھتی جاتی ہے چہرے کی بہار
اپنے جلوے دیکھ کر تسکین سی پاتی ہوئی
اس کے آتے ہی چمن میں حشر برپا ہو گیا
بوئے گل بھی پھر رہی ہے ٹھوکریں کھاتی ہوئی

رک گئی وہ دیکھنا آ کر چمن کے موڑ پر
ٹول کا رنگیں دوپٹہ سر سے ڈھلکاتی ہوئی

دیکھ کر میری طرف سینہ پہ ڈالی اک نگاہ
ناز سے چلنے لگی کترا کے شرماتی ہوئی

نغمۂ فردوس

پھر بہار آئی مئے ہوشربا دے ساقی
عقل و دانش کی کشاکش سے چھڑا دے ساقی
دے نہ اس طرح مجھے بادۂ گلرنگ کے جام
اس میں کچھ مست نگاہوں سے ملا دے ساقی
کوئی باقی نہ رہے شرم و تکلف کا حجاب
تجھ سے ممکن ہو تو ہونٹوں سے پلا دے ساقی
آج مستی کی حدیں ہوش و خرد سے مل جائیں
کفر و ایمان کی تفریق مٹا دے ساقی
اور بھڑکا مرے سینہ میں دہکتی ہوئی آگ
کون کہتا ہے لگی دل کی بجھا دے ساقی
پردۂ نشہ و مستی بھی رہے کیوں حائل
آج تو سارے حجابات اٹھا دے ساقی
تشنگی ہی سببِ شکوہ و فریاد ہوئی
دل سے گذری ہوئی باتوں کو بھلا دے ساقی
مست آنکھوں سے پلا کر مجھے الفت کی شراب
بادۂ ناب کے بھی ہوش اڑا دے ساقی
تو نے کس عالمِ مستی میں مجھے چھوڑ دیا
میں کہاں ہوں مجھے اتنا تو بتا دے ساقی
تشنۂ جنبشِ مضراب ہے سازِ ہستی
پھر وہی نغمۂ فردوس سنا دے ساقی

عید کے دن کسی کی یاد میں

ہے سوگوار ذوقِ تماشا ترے بغیر
سونی پڑی ہے بزمِ تمنّا ترے بغیر

ذروں کو پھر ہے گرمئ رفتار کی تلاش
سمٹی ہوئی ہے وسعتِ صحرا ترے بغیر

جب تو نہیں تو کشتی و ساحل کا ذکر کیا
موجیں ترے بغیر نہ دریا ترے بغیر

پھر ڈھونڈتی ہیں حسن کی رعنائیاں تجھے
الجھا ہوا ہے کاکلِ سلما ترے بغیر

نظّارہ چاہتا ہے لچک دستِ ناز کی
ہے ناگوار جنبشِ مینا ترے بغیر

جانِ حیات! تیری معیّت ہے زندگی
کرتا ہے کون زیست کا دعویٰ ترے بغیر

ہر شے پہ ہے فریب کا پردہ پڑا ہوا
دنیا ہے اک سرابِ تماشا ترے بغیر

شمعِ حرم ہے تیری جدائی میں اشکبار
ہے بے قرار حسنِ کلیسا ترے بغیر

تو تھا تو ذرہ ذرہ حقیقت نواز تھا
ہر شے ہے اب خیال کا دھوکا ترے بغیر

ذوقِ نظر ہے تشنۂ تکمیلِ آب و رنگ
ہے ناتمام دل کا فسانہ ترے بغیر

فرقت کی دردناک کہانی ارے نہ پوچھ!
ویران ہے سکون کی دنیا ترے بغیر

اب صبحِ عید میں بھی کوئی دلکشی نہیں
چھایا ہوا ہے غم کا اندھیرا ترے بغیر

پسِ چلمن

خانۂ دل برباد کیا ایوانِ نظر کو لوٹ لیا
ہائے وہ کافر جلوہ جس نے سارے گھر کو لوٹ لیا
ہائے وہ کالے کالے گیسو اف! وہ کھلتا کھلتا رنگ
ایک ادا میں ایک نظر میں شام و سحر کو لوٹ لیا
مست جوانی، شوخ امنگیں کس سے نچلا بیٹھا جائے
ہونٹوں سے بجلی چمکا کر برق و شرر کو لوٹ لیا
چہرہ رنگیں، قشقہ رنگیں، سر سے پا تک پھول ہی پھول
تاروں کی ہستی ہی کیا ہے شمس و قمر کو لوٹ لیا
کانوں میں آویزے رنگیں جیسے جھل مل ہوں تارے
چلمن کو اک جنبش دی اور لعل و گہر کو لوٹ لیا
صحنِ حرم میں ماتم برپا بت خانہ کا حال تباہ
ظالم نے اندھیر کیا، ہر راہگذر کو لوٹ لیا
اک پھیکا افسانہ تھا بدمست ترنّم ماہر کا
اس نے اک سسکی بھر کر، نغمہ کے اثر کو لوٹ لیا

باغ کی سیر

صبح کا ہے کیا وقت سہانا — دلہن بنا ہے ذرّہ ذرا
آؤ چمن میں ڈال کے باہیں — سامنے والے باغ میں چلیں
ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا کے جھونکے — دیتے ہیں پھولوں کو ٹھو کے
نرگس کی متوالی آنکھیں — چٹکی سی لیتی ہیں دل میں
پھولوں کے دیکھو رخسارے — دہک رہے ہیں انگارے سے
ڈالی ڈالی جھوم رہی ہے — شاید دنیا گھوم رہی ہے
دیکھ کے خوش منظر ہریالی — کتنا خوش ہے باغ کا مالی
شان تو دیکھو فوّاروں کی — برس رہے ہیں سچّے موتی
سرو پہ قمری بول رہی ہے — رازِ فطرت کھول رہی ہے
سبزہ کروٹ بدل رہا ہے — میرا دل بھی مچل رہا ہے
لچک رہی ہیں نازک شاخیں — ٹپک رہی ہیں اوس کی بوندیں
جوش خوشی کا دکھا رہے ہیں — پتّے تالی بجا رہے ہیں
دیکھو سامنے والی کیاری — کھڑی ہوئی ہے پھولوں والی
زرد زرد ماتھے پر بیندی — ہری ہری ہاتھوں میں چوڑی
کانوں میں چاندی کے بالے — پیروں میں پیتل کے بچھوے
بھاری بھاری طوق گلے میں — بھری ہوئی کاجل سے آنکھیں
گہری گہری ٹول کا جوڑا — مسک گیا ہے تھوڑا تھوڑا
سینہ پر بل کھاتی چوٹی — بنی ہوئی ہے بیر بہوٹی
پھول چمن کے سونگھ رہی ہے — بے بس ہو کر اونگھ رہی ہے

چوڑے چکلے شانوں والی　　چہرے پر آثارِ بحالی،
حسن کی اک معصوم نشانی　　اف ظالم بھر پور جوانی
ہاتھ کہیں اور پیر کہیں ہے　　کون ہوں میں کچھ خبر نہیں ہے
چن چن کر بیلے کی کلیاں　　بھر لے گی یہ اپنا داماں
میٹھی باتیں سنا سنا کر　　پھولوں کو بیچے گی جا کر
دیکھو اس کے پاس نہ جانا　　اپنی پہچل بھی نا سنانا
دیکھتے ہی گھونگٹ کر لے گی　　ہے یہ حسن و حیا کی دیوی
پھیل گئی ہے دھوپ چمن میں　　میری گھڑی میں آٹھ بجے ہیں

لوٹ چلیں اب آؤ گھر کو
جانا بھی تو ہے دفتر کو

محبت:

تو رازِ ہستی سے بے خبر ہے، تری نظر حق نگر نہیں ہے
وگرنہ وہ رات کون سی ہے جو غیرتِ صد سحر نہیں ہے
حقیر ذرّات کی جبینیں شعاعِ رفعت سے ضو فگن ہیں
تجلیوں کی کشاکشیں ہیں، طلسمِ رقصِ شرر نہیں ہے
وہ برق کا اضطرابِ پیہم، یہ نبضِ خس کی دھمک کا عالم
حقیقت آمیز ہیں مناظر، فریبِ ہوش و نظر نہیں ہے
یہ آگ پانی کا سیلِ باہم، یہ اتحادِ نظامِ برہم
تری نظر دیکھتی ہے سب کچھ، یقین تجھ کو مگر نہیں ہے
نہیں ہے گلگوں جبیں شفق کی یہ رنگ ہے خونِ آرزو کا
عیاں ہیں کچھ داغ حسرتوں کے نظامِ شمس و قمر نہیں ہے
نہ دیکھ ذروں کو بے رخی سے، سمجھ کہ کیا ان میں ضو فشاں ہے
تو جسم کا صرف ہے پجاری، تری نظر روح پر نہیں ہے
بہارِ گلشن کی کوششوں کا ماٰل کچھ خشک پتیاں ہیں
شباب پر آ گئی ہے ظلمت، طلوعِ نورِ سحر نہیں ہے
نہیں نفس پر مدارِ ہستی، یہ وہم ہے اک جنوں پرستی
فضا محبت کی سرمدی ہے، جہاں فنا کا گذر نہیں ہے
ہوس پرستی کا پرتوا ہے خیال یہ فرقِ مرتبت کا
مگر یہ وہ سطح ہے کہ جس جا ذلیل کوئی بشر نہیں ہے
خدا کے فضل و کرم سے ماہر میں اس نتیجہ پہ آ گیا ہوں
بجز محبت کے دردِ دل کا یہاں کوئی چارہ گر نہیں ہے

.....کو دیکھ کر

شباب و کیف کی تصویرِ ناز سرتاپا
نشاطِ روح کی فردوس حسن کی دنیا
تری نگاہ میں پنہاں تجلیات کے طور
کہ جن کے سامنے جھک جائیں زاہدوں کے غرور
عبیر کا یہ جبیں پر نشاں خدا کی پناہ
تباہیوں کے یہ ساماں ارے معاذ اللہ!
نہیں ہے جنبشِ پیہم یہ تیری باہوں میں
لچک رہی ہیں چمن میں گلاب کی شاخیں
نکل رہے ہیں یہ کیا ایک ساتھ شمس و قمر
کہ موتیوں کی ہے جھالر سڈول شانوں پر
سرور و کیف کے دن انبساط کی راتیں
شباب کروٹیں لیتا ہوا نگاہوں میں
گلابی رنگ ترا اور قرمزی ساری
پھر اس پہ ناز و ادا ' سادگی و پرکاری
بھڑک اٹھیں یہ مرے شعلہ ہائے محسوسات
یہ قمقموں کی ضیا یہ مہین ملبوسات
الٹ دوں خاک پہ مجھ کو ملے جو ساغرِ جم
اوست ناز! تری مست انکھڑیوں کی قسم

ہرن کی جست، چھلاوے کے طور، مور کی چال
دراز زلف کے پھندے، نگاہِ مست کے جال

یہ بار بار الٹنا تری کلائی کا
خدا کے واسطے دعویٰ نہ کر خدائی کا

مٹا دے رسم جہاں سے خرد پرستی کی
الٹ دے آج الٹ دے بساط ہستی کی

ایک شب..... حاصلِ زندگانی

وہ بدمست آنکھیں و کافر ادائیں
ختن کے ہرن، چوکڑی بھول جائیں
نگاہوں کو پہلے سے تیار کر لوں
وہ پھر سامنے یک بیک آ نہ جائیں
وہ رنگین چہرہ کہ صبحِ بہاراں
وہ زلفیں کہ سچ مچ برستی گھٹائیں
اِدھر اک تلاطم اُدھر بے قراری
شرابِ محبت پئیں نہ پلائیں
اسی رات پر ختم ہو بزمِ ہستی
ستارے نہ اب حشر تک تھرتھرائیں

وہ کچھ اس طرح جھوم کر مسکرائے
تبسم نے ہونٹوں کی لے لیں بلائیں

مرے شوقِ بے تاب پر وہ نہ جائیں
محبت کی معصوم ہیں التجائیں
ہے مستی سراپا، وہ نغمہ مجسّم
وہ کیوں مسکرائیں وہ کیوں گنگنائیں
مجھی پر ہے کیا منحصر وہ جو کہہ دیں
ہوائیں بھی "صبحِ بہاراں" سنائیں

وہ ظالم ادائیں، وہ کافر نگاہیں
الٹ دیں ذرا دیر میں خانقائیں
نوازش نے ان کی مجھے یہ بتایا
ابھی تک کھلی ہیں محبت کی راہیں
تڑپتی ہوئی بجلیاں تھیں کہ نظریں
لچکتی ہوئی ڈالیاں تھیں کہ باہیں
نظارے کی شدت کا عالم نہ پوچھو
نگاہیں مری ڈھونڈتی تھیں پناہیں

ہواؤں میں کس طرح گھل مل گئے تھے
مرے گرم نالے، مری سرد آہیں

شفق نے لکھا ان کو خطِّ غلامی — مہ و مہر ان کی نظر کے سلامی
نگاہوں سے دو آتشہ سی پلا کر — بڑھا دی مری اور بھی تشنہ کامی
میں عرضِ تمنا زسر تا قدم تھا — نفس بھی پیامی نظر بھی پیامی
وہ شیریں تکلم ، پیانو کا نغمہ، — مبارک مجھے لذّتِ ہمکلائی
وہ رفتار یا موجِ مے کی روانی — بہت ہی لطیف اور نازک جوانی
جبیں میں چراغِ تمنا فروزاں — وہ اک پیکرِ عشرت و شادمانی
لبوں کی نچھاور گلوں کی نزاکت — نگاہوں کا صدقہ مئے ارغوانی
نہ جانے کہاں سے صدا آ رہی تھی — محبت کی اک اک گھڑی غیر فانی

تصور کے دامن کو تھامے ہوئے ہے
وہ شب جو کہ تھی حاصلِ زندگانی

○

شیرازۂ حیات پریشان ہو گیا — یہ مرحلہ بھی خیر سے آسان ہو گیا
وہ پھول جس کا چاک گریبان ہو گیا — وہ چاک ہوتے ہوتے پریشان ہو گیا
کچھ میرا جذبِ شوق بھی آیا بروئے کار — کچھ غیب سے بھی وصل کا سامان ہو گیا
میرے جہانِ دل کو تو ہونا ہی تھا خراب — ان کی بھی اک نگاہ کا نقصان ہو گیا
اس شوخ کی ادائے تغافل کو کیا کہوں — وعدے کا ذکر آتے ہی انجان ہو گیا
اب عشق پر نہ جا کہ یہ حسنِ تمام ہے — اب کفر کو نہ دیکھ کہ ایمان ہو گیا
شکوے زباں پہ آتے ہی جھکنے لگی نگاہ — اے عشق دیکھ! حسن پشیمان ہو گیا

ماہر! یہ بیقرار و محبت نصیبِ دل
آباد کب ہوا تھا کہ ویران ہو گیا

○

مرے لب پر یہ کیوں بے ساختہ آج ان کا نام آیا
رہِ الفت میں پھر شاید کوئی نازک مقام آیا

بہکتا لڑکھڑاتا کون یہ مستِ خرام آیا
صراحی خود بخود جھکنے لگی، گردش میں جام آیا

نگاہِ شوق سجدے کر وہ مائل ہیں نوازش پر
نظر اٹھی، وہ شرمائے، سلام آیا پیام آیا

نہ غمخواروں کا احساں ہے، نہ غیروں کی شکایت ہے
وہی لے دے کہ اک دل تھا جو ہر موقع پہ کام آیا

طلب کی راہ میں کتنی جگہ ٹھوکر لگی دل کو
کہیں بیت الصنم آیا کہیں بیت الحرام آیا

میں خود اپنے کو اے ماہر مبارکباد دیتا ہوں
مقامِ شکر ہے خود ان کی جانب سے پیام آیا

○

ہر چیز اپنی اپنی جگہ پر ہے کامیاب
ذرّے بھی بے مثال، ستارے بھی لاجواب
اس طرح اٹھ رہا ہے ترا گوشۂ نقاب
جلوے بھی کامیاب نگاہیں بھی کامیاب
ماتھا نشاطِ حسن سے کھلتا ہوا کنول
عارض فروغِ مے سے مہکتے ہوئے گلاب
میں نے پڑھا جو شعر تو وہ مسکرا دیئے
اتنی ذرا سی بات میں جاتا رہا عتاب
قصداً" تجلیوں کو دیا حسن نے فروغ
دانستہ چشمِ شوق پہ ڈالے گئے حجاب
یہ بے تکلفی! یہ نوازش! یہ ربط و ضبط
گستاخ کر نہ دیں یہ کرم ہائے بے حساب
میری نگاہِ شوق کی سرمستیاں نہ پوچھ
ان کو بھی آج خوب پلا دی گئی شراب
اب زندگی کا لطف بہ عنوانِ درد ہے
ماہر بھی ہے حریمِ محبت میں باریاب

○

مجھ پہ کیا گزری شکستِ جام کی آواز پر
رکھ دیا گھبرا کے سرساقی کے پائے ناز پر

چند نغمے گائے جاتے ہیں شکستِ ساز پر
ہے ازل کے دن سے دنیا ایک ہی انداز پر

دیکھنا ظالم مغنّی کی ادائیں دیکھنا
جامِ صہبا پر نظر ہے، انگلیاں ہیں ساز پر

ہم نشیں! کنجِ قفس میں مطمئن ہو کر نہ رہ
ورنہ حرف آئے گا تیری جرأتِ پرواز پر

اس نگاہِ اولیں نے دل کی دنیا لوٹ لی
میں نے قرباں کر دیا، انجام کو آغاز پر

آبِ رُکنا۔باد و گلگشتِ مصلا کی قسم
ہے غزل ماہر کی طرزِ حافظِ شیراز پر

○

کیا یہ بہار بھی نہ مجھے آ سکے گی راس
بجلی چمک رہی ہے نشیمن کے آس پاس
ہے وقتِ نزع ، آپ کے آنے کا انتظار
ٹوٹی ہوئی امید میں الجھی ہوئی ہے آس
وہ اک جھلک دکھا کے کبھی کے چلے گئے
اب ان کو ڈھونڈتے رہیں کھوئے ہوئے حواس
یہ موسمِ بہار، یہ ساقی کا اذنِ عام
وہ کیا کرے کہ ایسے میں جس کو لگی ہو پیاس
وعدہ کا ذکر تھا کوئی دشنام تو نہ تھی
اتنی ذرا سی بات پہ تم ہو گئے اداس
نظروں کو ہر محاذ پہ ہے اعترافِ عجز
جلوے قدم قدم پہ ہیں بے حد و بے قیاس
راہِ وفا میں پہلا قدم ہے بہ اذنِ دوست
گھبرا گیا ابھی سے دلِ قدر ناشناس
خودبینی کفر، نغمہ و شاہد حرام ہیں
وہ میرا اجتہاد ہے ، یہ شیخ کا قیاس
ماہر وہ آشنائے غم و درد ہی نہیں
تم ان سے کس امید پہ کرتے ہو التماس

ان کی رفتارِ بے اماں کی قسم فتنۂ محشرِ جہاں کی قسم
میں بھی ہوں اک شہیدِ خنجرِ عشق لذتِ عیشِ جاوداں کی قسم
لرزشِ برق، اب ہے وجہِ نشاط منتشر خاکِ آشیاں کی قسم
خندۂ گل ہے، ایک گریۂ غم آمدِ موسمِ خزاں کی قسم
او نمک پاش، ایک چٹکی اور زخم کے شورِ الاماں کی قسم
عشق ہر قید توڑ دیتا ہے کیسی سوگند اور کہاں کی قسم
یاس ہے کافری کا دوسرا نام ہمتِ سعئ رائگاں کی قسم
ہر بُنِ مُو ہے اک جبینِ نیاز یار کے سنگِ آستاں کی قسم
یادِ عشرت بھی ہو گئی ہے جرم شدّتِ جورِ آسماں کی قسم

میرا ہر شعر پھول ہے ماہر
نزہتِ طبعِ گلفشاں کی قسم

○

پیماں شکن بتوں کی اللہ رے ادائیں
لفظوں کو یاد رکھ کر مفہوم بھول جائیں

ڈرتا ہوں رفتہ رفتہ فریاد بن نہ جائیں
ٹوٹی ہوئی امیدیں ، بھٹکی ہوئی دعائیں

میں نے ہی کچھ نہ سمجھا، میری ہی تھیں خطائیں
وہ دل کی دھڑکنوں سے دیتے رہے صدائیں

میخوار میکشی سے کس طرح باز آئیں
ساقی کی مست نظریں کرتی ہیں التجائیں

میرا سیاہ خانہ آج اس طرح ہو روشن
کچھ شمع جگمگائے، کچھ آپ مسکرائیں

وہ نیند سے اٹھے ہیں انگڑائی کے سہارے
ڈوبے ہوئے ستارے پھر سے ابھر نہ آئیں

درد و الم سکوں کی حد سے گزر چکے ہیں
اب آپ دردِ دل کی تسکین کو نہ آئیں

مدّت سے میں تو ماہر ناکامِ آرزو ہوں
کب تک قبول ہوں گی آخر مری دعائیں

○

دِلِ بے مدعا ہے اور میں ہوں
محبت کی فضا ہے اور میں ہوں

تری تیغِ جفا ہے اور میں ہوں
وفاؤں کا صلہ ہے اور میں ہوں

ستم پرور ہے آغازِ محبت
غموں کی انتہا ہے اور میں ہوں

ارے توبہ مصائب کا تسلسل
غمِ صبر آزما ہے اور میں ہوں

کوئی دیکھے مری الفت پرستی
طوافِ نقشِ پا ہے اور میں ہوں

کہوں کس سے میں اپنا حال ماہر
مقدر کا گلہ ہے اور میں ہوں

○

جذبِ الفت کے یہ آثار نمایاں کیوں ہیں
آپ خاکم بدہن آج پریشان کیوں ہیں
کیا اسی راہ سے گزرے گی سواری ان کی
داغِ دل، شمع کی مانند فروزاں کیوں ہیں
فصلِ گلشن کا تعلق تو ہے دیوانوں سے
میں یہ کہتا ہوں کہ گل، چاکِ گریباں کیوں ہیں
مجھ کو ڈر ہے کہیں رحمت نہ پشیماں ہو جائے
لوگ اس درجہ گناہوں پہ پشیماں کیوں ہیں
عکس کو خود ہے ضرورت کسی آئینہ کی
آئنے پرتوِ انوار سے حیراں کیوں ہیں
جبکہ دنیا میں محبت کے سوا کچھ بھی نہیں
آدمی راہِ محبت سے گریزاں کیوں ہیں
وہ چلے بھی گئے پھولوں کی جوانی بن کر
ان کے دیوانوں کے ہاتھوں میں گریباں کیوں ہیں
آپ کس فکر میں غلطاں ہیں جنابِ ماہر
کارواں جا بھی چکا، آپ حدی خواں کیوں ہیں

○

ایک ناکامِ مسرت کے سوا کچھ بھی نہیں
دل ترے دردِ محبت کے سوا کچھ بھی نہیں
ایک موہوم حقیقت کے سوا کچھ بھی نہیں
میں تری ذات سے نسبت کے سوا کچھ بھی نہیں
یہ صراحی، یہ فروغِ مئے گلرنگ، یہ جام
چشمِ ساقی کی عنایت کے سوا کچھ بھی نہیں
عقل کی مصلحت اندیش سیاست کی قسم!
عشق، پروانہ کی جرأت کے سوا کچھ بھی نہیں
آدمی کیا ہے فقط ایک مسلسل آواز
زندگی حرف و حکایت کے سوا کچھ بھی نہیں
تیری دزدیدہ نگاہی نے مجھے سمجھایا
زیست اک لمحۂ عشرت کے سوا کچھ بھی نہیں
تو کہ افسوس و ندامت کے سوا سب کچھ ہے
میں کہ افسوس و ندامت کے سوا کچھ بھی نہیں
بسکہ نازک ہے محبت کا فسانہ ماہر
شاعری رمز و اشارت کے سوا کچھ بھی نہیں

○

میں باغ میں گر نغمۂ دلگیر سنا دوں
بلبل کو بھی فریاد کے آداب سکھا دوں
کیا تجھ سے کہوں کیا ہیں مری آہ کے جھونکے
چاہوں تو ستاروں کے چراغوں کو بجھا دوں
اچھا ہے کہ سجدے مرے بیکار نہ جائیں
تقدیر کی پیچیدہ لکیروں کو مٹا دوں
ڈرتا ہوں کہیں پھول کی پتی نہ لچک جائے
شبنم کو جو کرنوں کی کشاکش سے چھڑا دوں
میں حسن کے ہر ظلم کو، ہر جور کو سہ کر
اوروں کے لئے عشق کو آسان بنا دوں
ہنس ہنس کے وہ کہتے ہیں کہ ہم بھول گئے تھے
مطلب یہ ہے گزری ہوئی باتوں کو بھلا دوں
گلشن جسے کہتے ہیں وہ آتشکدہ بن جائے
میں آتشِ گل کو جو نگاہوں سے ہوا دوں
ساغر کی کھنک قلقلِ مینا میں سمو کر
دنیا کے لئے ایک نیا ساز بنا دوں
جس نظم پہ ماہر کو بہت داد ملی تھی
کہئے تو وہی نظم ترنم سے سنا دوں

○

اب تو اُس بت کی جفاؤں کی قسم کھانے دو
مجھ کو آدابِ محبت سے گزر جانے دو
مرگِ عشّاق پہ ماتم کی ضرورت کیا ہے
شمع کی خیر ہو پروانوں کو جل جانے دو
دوستو! مجھ کو محبت میں نصیحت نہ کرو
اور کچھ روز اسی طرح گزر جانے دو
بلبلو! ان کے تبسم کا بھی کوئی نغمہ
آج کانٹوں کو بھی گلشن میں ہنسی آنے دو
آپ کی حشر خرامی میں کمی کیوں آئے
کوئی پامال جو ہوتا ہے تو ہو جانے دو
ہمدمو! ذکرِ تمنا کے لئے یہ عجلت!
ان کے بکھرے ہوئے گیسو تو سنور جانے دو
تم تو پردوں کو الٹتے ہی چلے جاتے ہو
ایک مرکز پہ نگاہوں کو ٹھہر جانے دو
ابھی رودادِ محبت، نہ سناؤ ماہر
درد کی سطح پہ ہر چیز کو آجانے دو

○

ہر منظرِ جہاں کو محبت بنا کے دیکھ
اٹھ اور تعینات کے پردے اٹھا کے دیکھ
رحمت کی شان ، شکر کے آنسو بہا کے دیکھ
یعنی، ہجومِ غم میں کبھی مسکرا کے دیکھ

اک لحظہ حسن و عشق کی دنیا بسا کے دیکھ
آ اور میری بزمِ تصوّر میں آ کے دیکھ
نازک معاملہ ہے بہت خوئے دوست کا
دیکھ اس کو اور اپنی نظر سے چھپا کے دیکھ
سربستہ اک فریب ہے، دنیائے آب و گل
ہر شے کو اس کی ظاہری حد سے بچا کے دیکھ
دنیا کو پھر خرابِ تماشا بنا کے چھوڑ
آنکھوں سے پھر شرابِ محبت پلا کے دیکھ
پھر کر نگاہِ گرم کا مجھ سے معاملہ
خونِ جگر کے زہر میں خنجر بجھا کے دیکھ
ذرہ کو خاک، خاک کو صحرا سمجھ کے ڈھونڈ
قطرے کو موج ، موج کو دریا بنا کے دیکھ
اب نامہ و پیام ہے توہینِ دردِ دل
ماہر کے حالِ زار کو تو آپ آ کے دیکھ

وہ سن رہے ہیں قصّۂ دل بے دلی کے ساتھ
کیا ظلم ہو رہا ہے مری بے کسی کے ساتھ

پھولوں کو دیکھ کر مجھے کیا یاد آ گیا
آنسو نکل پڑے جو چمن میں ہنسی کے ساتھ

اللہ رے سوزِ عشق کی بے تاب لذتیں
پروانے ہو رہے ہیں نچھاور خوشی کے ساتھ

دل پر مرے نگاہ ذرا دیکھ بھال کر
جینا اسی کے ساتھ ہے مرنا اسی کے ساتھ

شاید میں اب ستم کے بھی قابل نہیں رہا
آتے ہیں اب بھی یاد وہ لیکن کمی کے ساتھ

لغزش پہ میری تھام لیا ہاتھ ناز سے
ساقی نے پھر مذاق کیا بیخودی کے ساتھ

محشر کے روز مجھ کو پشیمان دیکھ کر
رحمت کی آنکھ جھک گئی ، شرمندگی کے ساتھ

اک اک نفس کو مرگِ سراپا بنا دیا
اچھا کیا سلوک مری زندگی کے ساتھ

ماہر! انہیں کی یاد میں ہوتی ہے صبح و شام
گزرے تھے چند دن جو کہیں پر، کسی کے ساتھ

○

میں اب آزاد ہوں ' ہر موج کا دامن کنارا ہے
محبت نے ڈبویا تھا' محبت نے ابھارا ہے
محبت میں نوازش کا تصور بھی گوارا ہے
دلِ مایوس کو لیکن جفاؤں کا سہارا ہے
ذرا دریا کی تہہ تک تو پہنچ جانے کی ہمت کر
تو پھر اے ڈوبنے والے کنارا ہی کنارا ہے
اسے کونین کی کوئی خوشی راس آ نہیں سکتی
جسے تیری نواز شہائے بے پایاں نے مارا ہے
خدا ہی کو خبر ہے کس جگہ ڈوبے' کہاں نکلے.
مرے دل کا سفینہ ہے' تمناؤں کا دھارا ہے
غموں کے ہاتھ ہوتی جا رہی ہے منتشر ماہر
وہ بزمِ دل جسے ان کے تصور نے سنوارا ہے

○

رہِ الفت میں مر جانا حیاتِ جاودانی ہے
میں جس دنیا میں بستا ہوں وہ دنیا غیر فانی ہے
ترے رنگیں لبوں کی کس قدر دلکش کہانی ہے
کلی کی مسکراہٹ ، جس کی مبہم ترجمانی ہے
حقیقت یہ ہے مفہومِ محبت ، شادمانی ہے
جوانی ہی محبت ہے، محبت ہی جوانی ہے
میں اب تیرے مٹائے سے بھی شاید مٹ نہیں سکتا
جہاں تک تیری ہستی ہے، وہیں تک زندگانی ہے
مری آنکھوں میں او اشکِ تمنا! دیکھنے والے
محبت کی کہانی ، خود محبت کی زبانی ہے
ابھارا جا رہا ہے شوق کو حدِّ محبت تک
ادھر سے ربِّ ارنی ہے ادھر سے لن ترانی ہے
گھٹا، سبزہ، ستارے، پھول سب اپنی جگہ برحق
تری کافر جوانی پھر تری کافر جوانی ہے
جو مانوسِ مزاجِ حسن ہو اس کے لئے ماہر
تغافل ہی توجہ ہے، ستم ہی مہربانی ہے

○

نگاہِ اولیں ہی رفتہ رفتہ دل نہ بن جائے
کہیں پہلا قدم ہی آخری منزل نہ بن جائے
مرا پائے طلب آسودۂ منزل نہ بن جائے
یہ آسانی بھی اب میرے لئے مشکل نہ بن جائے
وہ جانِ آرزو آگاہِ دردِ دل نہ بن جائے
میں ڈرتا ہوں کہ قاتل ہی کہیں بسمل نہ بن جائے
حریم حسن کی جانب ارے او دیکھنے والے
ترا ذوقِ نظر ہی پردۂ حائل نہ بن جائے
کہا روزِ ازل ہر شے نے اک چشمِ کرم ہم پر
صدا آئی کہ جب تک آدمی کا دل نہ بن جائے
چلا ہوں حشر میں کچھ عرض کرنے کے لئے ان سے
یہ کوشش آخری بھی سعئ لا حاصل نہ بن جائے
تصور بھی کوئی خاکہ مرتب کر نہیں سکتا
نگاہِ شوق جب تک دید کے قابل نہ بن جائے
کوئی منجدھار میں کیوں جائے اتنا بے خطر ہو کر
اگر طوفان کے آغوش میں ساحل نہ بن جائے
جوانی میں خدا کی یاد سے یہ بے رخی ماہر
کوئی اتنا بھی مست و بیخود و غافل نہ بن جائے

○

اضطرابِ اہلِ دل جیسے کہ نامعلوم ہے
ان کا طرزِ بے نیازی کس قدر معلوم ہے

لذتِ ذوقِ وفا سے فطرتاً" محروم ہے
حسن کہتے ہیں جسے ظالم نہیں مظلوم ہے

کاش! پروانوں کی جرأت رنگِ محفل دیکھتی
بزم میں اک ابتری ہے، شمع بھی مغموم ہے

مسکراہٹ ان کی دلکش ہے مگر کیا کیجئے
ان کی پیشانی پہ ان کا حالِ دل مرقوم ہے

آپ سن بھی لیں تو فرصت غور کرنے کی کہاں!
عشق کا افسانہ تو مفہوم در مفہوم ہے

کیا اسی کا نام ہے ماہر محبت کا مآل
میں ہوں اور اب سوگواریٔ دل مرحوم ہے

○

محفل میں ایک ایک کی حالت تباہ تھی
ظالم کی جو نگاہ بھی تھی بے پناہ تھی

دل تھا کشاکشِ غمِ ہستی سے بے نیاز
یہ جب کی بات ہے کہ تمنا گناہ تھی

یوں کر رہا ہوں، ان کی محبت کے تذکرے
جیسے کہ ان سے میری بڑی رسم و راہ تھی

محشر میں ایک حرف بھی کوئی نہ کہہ سکا
ان کے ستم کی گرچہ خدائی گواہ تھی

بادِ خزاں کی دست درازی نہ پوچھئے
پھولوں کا تھا قصور، کلی بے گناہ تھی

دل کو تباہ کر کے وہ ظالم ہے مطمئن،
گویا سزائے عشق بقدرِ گناہ تھی

مانا مری نگاہ پہ ثابت ہے جرمِ دید
تیری نگاہ بھی تو شریکِ گناہ تھی

آخر سکوت مرگ میں گھل مل کے رہ گئی
وہ دل کی بے کلی جو طلب گارِ آہ تھی

ماہر تمہارے شعر کی تاثیر الاماں
اس شوخ کے لبوں پہ بھی ہلکی سی آہ تھی

○

کچھ اس طرح نگاہ سے اظہار کر گئے
جیسے وہ مجھ کو واقفِ اسرار کر گئے

یکتائیِ جمال کی حیرت نہ پوچھئے
ہر ماسوا کے وہم سے بیزار کر گئے

کچھ اس ادا سے جلوۂ معنی کی شرح کی
میرے خیال و فکر کو بے کار کر گئے

اب دل ہے اور ان کی جفاؤں کا شکریہ
ہر خطرۂ حیات سے ہشیار کر گئے

اللہ رے! ان کے جلوۂ رنگیں کی حیرتیں
سارے جہاں کو نقش بدیوار کر گئے

وعدے کا ان سے ذکر ہی ماہر فضول ہے
تم کیا کرو گے وہ اگر انکار کر گئے!

○

رازِ غم ، رازِ خوشی معلوم ہونا چاہیے
کچھ نہ کچھ تو زیست کا مفہوم ہونا چاہیے

آرزوئے مرگ میں بھی ہے سکونِ دل نہاں
ہر خوشی سے عشق کو محروم ہونا چاہیے

سوزِ دل کی آگ سے تم دور رہ سکتے نہیں
یہ محبت ہے تمہیں معلوم ہونا چاہیے

شکوۂ بیداد بھی اک طرح کا ہے انتقام
عشق کو مظلوم ہی مظلوم ہونا چاہیے

شعر ہے دراصل ماہر ترجمانِ واردات
دل پہ جو گزرے وہی منظوم ہونا چاہیے

○

حد سے گزری جو مصیبت تو مصیبت نہ رہی
ہجر میں کوئی بھی تسکین کی صورت نہ رہی

آنکھ پرنم نہ ہوئی، لب پہ شکایت نہ رہی
آپ آئے تو محبت بھی محبت نہ رہی

میرے رونے پہ تبسم کی بھی عادت نہ رہی
آپ کی آنکھ میں پہلی سی مروت نہ رہی

اب تو دنیا میں حقیقت بھی حقیقت نہ رہی
یعنی ٹوٹے ہوئے دل کی کوئی قیمت نہ رہی

اپنے غم خانہ میں بیٹھا ہوں اس انداز سے آج
جیسے مجھ کو ترے آنے کی ضرورت نہ رہی

ابتدا وہ تھی کہ جینے کے لئے مرتے تھے
انتہا یہ ہے کہ مرنے کی بھی حسرت نہ رہی

میں سمجھتا ہوں وہ پامالِ غم اچھا ہی رہا
جس پہ اے دوست! تری چشمِ عنایت نہ رہی

دل کے آئینہ میں کعبہ بھی ہے بت خانہ بھی
مجھ کو ماہر کہیں جانے کی ضرورت نہ رہی

○

اک جلوۂ حقیقت ہر آن روبرو ہے
اب دل سے گفتگو بھی، خود ان سے گفتگو ہے

بے چین ہے تمنّا بے تاب آرزو ہے
یا دل کی وادیوں میں گرمِ خرام تو ہے

ویرانئ نظر میں سامانِ رنگ و بو ہے
اللہ رے تصور! وہ شوخ ہو بہو ہے

یہ اہتمام ربطِ نظّارہ و تماشا
نظریں بھی ہر طرف ہیں جلوہ بھی چار سو ہے

منکر نہیں ہوں میں بھی پھولوں کے رنگ و بو کا
گیسوئے مشکبو پھر گیسوئے مشکبو ہے

منزل کا رخ بدل کر نزدیک ہو رہا ہوں
جب ان کی جستجو تھی، اب اپنی جستجو ہے

ان مست انکھڑیوں کی یہ سب نوازشیں ہیں
ماہر جو بے نیازِ نظّارۂ سبو ہے

○

اسے طوفان کی شدّت سے کیا آزردگی ہو گی
خدا کا نام لے کر جس نے کشتی چھوڑ دی ہو گی
وہ آئے اور بھی بیتابیٔ دل بڑھ گئی ہو گی
محبت نے محبت کی نظر پہچان لی ہو گی
شبِ غم گریۂ پیہم سے کیا تسکیں ہوئی ہو گی
کسی کے دل کی دنیا اور ویراں ہو گئی ہو گی
اسے دنیا کی فانی لذتوں سے کیا خوشی ہو گی
وہ دل جس نے محبت کی خلش محسوس کی ہو گی
چمن میں تشنہ لب میکش کی حالت دیدنی ہو گی
گھٹاؤں کے خنک سایہ میں توبہ ٹوٹتی ہو گی
نقاب ان کے عتاب آمیز رخ سے اٹھ رہی ہو گی
بڑی ہی کشمکش میں حسرتِ نظّارگی ہو گی
ذرا سی اک خلش پر اس قدر گھبرا گیا اے دل
ابھی کیا ہے ابھی تو درد کی چارہ گری ہو گی
بڑے شوق و توجہ سے سنا دل کے دھڑکنے کو
میں یہ سمجھا کہ شاید آپ نے آواز دی ہو گی
خبر آئی ہے وہ تشریف فرما ہونے والے ہیں
مرے ظلمت کدے میں آج ماہر روشنی ہو گی

○

جب موت زندگی سے ہم آغوش ہو گئی
ہر بات، ایک خوابِ فراموش ہو گئی

فصلِ بہار میکدہ بردوش ہو گئی
شبنم کی بوند، بادۂ سر جوش ہو گئی

نظارہ و نگاہ کا منظر بدل گیا
آتے ہی ان کے بزم ہی بے ہوش ہو گئی

پروانے اپنی دھن میں تصدق ہوا کئے
اور شمع اس ہجوم میں خاموش ہو گئی

اللہ رے تصورِ رنگیں کا اہتمام
موجِ خیال یار کا آغوش ہو گئی

اس یاد پر ہے آج بھی ماہر مدارِ زیست
جو یاد ان کے دل سے فراموش ہو گئی

○

زلف بدنام ہوئی جاتی ہے ہر طرف شام ہوئی جاتی ہے
وہ جفا خاص جو تھی میرے لئے رحمتِ عام ہوئی جاتی ہے
اختیارات کی روداد نہ پوچھ زیست الزام ہوئی جاتی ہے
کون آیا ہے یہ مینا بردوش ہر کلی جام ہوئی جاتی ہے
آج ہر سانس کی لرزش ماہر
ان کا پیغام ہوئی جاتی ہے
خامشی بات ہوئی جاتی ہے ہر صفت ذات ہوئی جاتی ہے
پھر وہ آئے ہیں تصور بن کر پھر ملاقات ہوئی جاتی ہے
کس کی جرأت ہے جو ساقی سے کہے ختم برسات ہوئی جاتی ہے
آپ زلفوں کو پریشاں نہ کریں دیکھئے! رات ہوئی جاتی ہے
عشق میں اور یہ شکوے ماہر آپ کو مات ہوئی جاتی ہے

○

بلبل نے کی بالآخر گلشن میں نوحہ خوانی
دیکھی گئی نہ اس سے لٹتی ہوئی جوانی

نقاش، نقشِ ثانی بہتر کشد زِ اوّل
دنیا ہے نقشِ اوّل، عقبیٰ ہے نقشِ ثانی

آنکھوں سے خونِ دل کے دریا بہا دیئے ہیں
پھر بھی ہے نامکمل شرحِ غمِ نہانی

پہلی نظر کی کچھ تو روداد یاد ہو گی
میں نے بھی تم کو دی تھی شاید کوئی نشانی

اس شوخ کی بھی پلکیں ہیں آج شبنم افشاں
میں تو سمجھ رہا تھا اشکوں کو گرم پانی

جور و ستم ہوں ان کے یا ہوں مری وفائیں
دنیائے عاشقی کا ہر نقش غیر فسانی

کیا پھر وہی فسانہ دہرائے گا زمانہ
کیوں یاد آ رہی ہے بیتی ہوئی کہانی

دونوں طرف کشاکش، دونوں کھنچے کھنچے سے
ان کو بھی کچھ شکایت، مجھ کو بھی بدگمانی

اے عشق! اس حجابِ آخر کو بھی اٹھا دے
اب میری زندگی ہی پردہ ہے درمیانی
مردِ خدا ذرا تو انجام پر نظر کر
کس رخ پہ جا رہی ہے ماہر تری جوانی

○

ہم تو ڈبو کر کشتی کو، خود ہی پار لگائیں گے
طوفاں سے گر بچ نکلی، ساحل سے ٹکرائیں گے

کہہ تو دیا الفت میں ہم جانکے دھوکا کھائیں گے
حضرتِ ناصح! خیر تو ہے، آپ ہمیں سمجھائیں گے؟

یہ تو سب سچ ہے مجھ پر آپ کرم فرمائیں گے
لیکن اتنا دھیان رہے لوگ بہت بہکائیں گے

عشق کی نظروں سے چھپنا، کھیل نہیں آسان نہیں
مجھ کو جلوہیں پائیں گے، آپ جہاں بھی جائیں گے

چھوڑیئے دل کی حالت پر دل کو، دل دیوانہ ہے
آپ کہاں تک ایسوں کی غم خواری فرمائیں گے

رسوائی بیکار نہیں، ناکامی کام آئے گی
ان ہی چند لکیروں سے افسانے بن جائیں گے

ان کے آتے ہی میں نے دل کا قصہ چھیڑ دیا
الفت کے آداب مجھے آتے آتے آئیں گے

اب میں اس منزل میں ہوں جس میں دعا کرنا ہے گناہ
کچھ نہ زباں سے نکلے گا، ہاتھ اگر اٹھ جائیں گے

تو برباد، جہاں ناخوش، وہ بھی کچھ بیزار سے ہیں
ہم جو اے دل کہتے تھے، نالے راس نہ آئیں گے

اس نے آنے والوں کا بڑھ کر استقبال کیا
شمع کو یہ معلوم نہ تھا پروانے جل جائیں گے

میرے سیہ خانہ میں کوئی دلچسپی کی چیز نہیں
آپ کو فرصت ہی کب ہے آپ یہاں کیوں آئیں گے

دیکھ کے میری آنکھوں میں ماہر آنسو کی بوندیں
غربت گھبرا کر بولی، آپ وطن کب جائیں گے

○

چلے دو قدم اور قیامت اٹھا دی
ذرا ہنس پڑے اور بجلی گرا دی

خطائے محبت کی اچھی سزا دی
مرے دل کی دنیا بنا کر مٹا دی

بتاؤ کوئی کس کا یہ آستاں ہے
ارے کس نے یہ میری گردن جھکا دی

یہ کن مست آنکھوں کا آیا تصور
مرے ہاتھ سے جس نے بوتل گرا دی

غم و درد سے پہلے دل کو بنایا
جو باقی رہا اس سے دنیا بنا دی

محبت میں دل نے مرا ساتھ چھوڑا
بھنور میں مجھے ناخدا نے دعا دی

تری خود نمائی کے قربان جاؤں
مری آنکھ سے میری ہستی چھپا دی

ستمگر کی شانِ تجاہل تو دیکھو
نظر کی خطا' دل پہ تہمت لگا دی

مرے دم قدم سے ہیں شاداب ماہر
تغزل کی منزل' تخیل کی وادی

○

میرے حالِ دل کی کس صورت سے رسوائی ہوئی
روک لی ظالم نے ہونٹوں پر ہنسی آئی ہوئی

ہے چمن میں کون، یہ نازک بدن محوِ خرام
پڑ رہی ہے آنکھ پھولوں کی بھی للچائی ہوئی

ان کی خشم آلود نظروں کا فسانہ ہائے ہائے
میرے دل کی بات لب تک رہ گئی آئی ہوئی

لے رہے ہیں آج وہ انگڑائی پر انگڑائیاں
ہے برسنے ہی پہ آمادہ گھٹا چھائی ہوئی

ہم نشیں! شاید چمن میں آنے والی ہے بہار
بجلیوں کی زد میں ہے اک شاخ مرجھائی ہوئی

حشر ہی پر ختم ہے کیوں امتحانِ اہلِ دل
مضمحل سی یہ تو ظالم، ایک انگڑائی ہوئی

بے کسی کا کس طرح ماہر، ادا ہو شکریہ
ایک یہی تنہا شریکِ بزمِ تنہائی ہوئی

○

وہ داستاں جو خونِ وفا سے لکھی گئی
تم سے سنی گئی نہ مجھی سے کہی گئی

اے بیقرارِ شوق، مرے خوش نصیب دل
دھڑکن کی آڑ سے تجھے آواز دی گئی

فردا کی فکر ہے نہ گذشتہ کا کوئی غم
اب بے خودی کا دور ہے وہ آ گہی گئی

اس شوخ کو بٹھا کے تصور کی بزم میں
بے تابیٔ خیال کی تصویر لی گئی

کس کو خبر مریضِ شبِ غم نے کیا کہا
کروٹ کے ساتھ آخری ہچکی سنی گئی

اس جانِ آرزو کی ندامت بھری نگاہ
محشر میں داد خواہ کے ہونٹوں کو سی گئی

اے یادِ دوست تیری نوازش کا شکریہ
اک بے نوا کے واسطے تکلیف کی گئی

یہ زدرِ برق و باد، یہ غمناک سی فضا
شاید کہیں بنائے نشیمن رکھی گئی

فریاد اے محبتِ مجبور کے خدا
وہ کیا کرے کہ جس سے خوشی چھین لی گئی
میں وہ کہ تم کو سونپ دیئے جان و دل تمام
تم وہ کہ تم سے مجھ کو تسلی نہ دی گئی
ماہر ازل کے روز جو بٹنے لگے نصیب
قسمت میں میری مرگِ مسلسل لکھی گئی

○

تیرے ہی اشارے سے جہاں گرمِ سفر ہے
زلفوں میں تری شام ہے، ہونٹوں پہ سحر ہے
کچھ تجھ کو بھی او طالبِ دیدار خبر ہے
نظریں ہی تجلی ہیں، تجلی ہی نظر ہے
دنیا نے یہ سمجھا کہ توجہ کی نظر ہے
کیا بیت گئی دل پہ یہ دل ہی کو خبر ہے
ڈرتا ہوں کہیں شکوۂ بیداد نہ بن جائے
وہ نیم شبی آہ جو محرومِ اثر ہے
تیرے لئے بیتاب ہیں دنیا کی نگاہیں
اے جلوۂ خورشیدِ جہاں تاب کدھر ہے
مدت ہوئی وہ کر بھی چکے پرسشِ بیمار
اور دیدۂ بیمار ابھی جانبِ در ہے
بجلی کبھی چمکی، کبھی گلچیں نظر آیا
جب تک میں نشیمن میں ہوں سو طرح کا ڈر ہے
آنکھوں پہ بھروسا نہ کریں دیکھنے والے
وہ جلوہ بہ ہر لحظہ بہ اندازِ دگر ہے
ماہر نہ وہ محفل نہ وہ جلوے نہ مدارات
مدت ہوئی خالی مری آغوشِ نظر ہے

○

کسی صورت طبیعت مجھ سے بہلائی نہیں جاتی
ذرا سی آپ سے تکلیف فرمائی نہیں جاتی
زبانوں پر محبت کی خلش لائی نہیں جاتی
کہ یہ محسوس ہو سکتی ہے سمجھائی نہیں جاتی
ترے جلوے تو اک اک گام پر اقدام کرتے ہیں
مری نظروں ہی سے آغوش پھیلائی نہیں جاتی
جو تم سے ہو سکے تو آخری ہچکی کو سن جاؤ
کہ دل کی داستاں ہر بار دہرائی نہیں جاتی
وہ کس جی سے کرے گا شوخیٔ بیداد کا شکوہ
تمہارے سر کی بھی جس سے قسم کھائی نہیں جاتی
شکستوں پر شکستیں کھا رہا ہے رزمِ ہستی میں
مگر انساں کی خودبینی، خودآرائی نہیں جاتی
ستاروں پر نظر کی، لالہ و گل کو بھی دیکھا ہے
بہ ایں کثرت تمہاری شانِ یکتائی نہیں جاتی
جسے دل کی خلش کہتے ہیں وہ بجلی کی اک رو ہے
جہاں معلوم ہوتی ہے وہاں پائی نہیں جاتی
میں توبہ پر نہ قائم رہ سکوں گا غالباً" ماہر
کہ مجھ سے التجا ساقی کی ٹھکرائی نہیں جاتی

○

جو نظر دل کے پار ہوتی ہے — حاصلِ روز گار ہوتی ہے
کانپتی ہے فضائے برقِ جمال — جب نظر بیقرار ہوتی ہے
رحم کر! اے تصورِ جاناں — بے کسی شرمسار ہوتی ہے
جب کوئی دل پہ ہاتھ رکھتا ہے — خلشِ بے شمار ہوتی ہے
رگِ گل سے گزر رہی ہے کرن — یا نظر دل کے پار ہوتی ہے
ضبط ایمان ہے مرا لیکن — آہ بے اختیار ہوتی ہے
وہ نظر سے ملا رہے ہیں نظر — شرحِ برق و شرار ہوتی ہے
ان کی یہ مستیاں ارے توبہ! — خود جوانی نثار ہوتی ہے
ان کی طرزِ ستم، خدا کی پناہ — ہر جفا شاہکار ہوتی ہے
خلشِ دل کی قدر کرد ناداں — یہ کہیں باربار ہوتی ہے
آہ انساں کی زندگی ماہر — کتنی بے اختیار ہوتی ہے
جب تمنا ہلاک ہوتی ہے — وہ گھڑی دردناک ہوتی ہے
اس حقیقت کا نام ہے الفت — جو تمنا سے پاک ہوتی ہے
ہائے اس زندگی کا انجام — جو گناہوں سے پاک ہوتی ہے

شامِ فرقت کی ہر گھڑی ماہر
کس قدر خوفناک ہوتی ہے

کیوں اپنی تباہی پہ مجھے غم نہ ہوا تھا
کیا دل بھی مرے حال کا محرم نہ ہوا تھا

دعویٰ تری الفت کا مسلّم نہ ہوا تھا
جب تک کوئی پامالِ شبِ غم نہ ہوا تھا

ہر ذرّہ میں کونین کی وسعت سمٹ آئی
میرا سرِ تسلیم ابھی خم نہ ہوا تھا

تھا دل کو تری برق نگاہی سے تعلق
شیرازۂ ہستی ابھی برہم نہ ہوا تھا

اللہ رے سیماب وشی تیری ستمگر
طاری مرے دل پہ بھی یہ عالم نہ ہوا تھا

اب نہ دھوکے دے خدا کے واسطے اے دل مجھے
عشق نے سمجھا دیا ہے عشق کا حاصل مجھے

پھونک دے اے آتشِ برقِ تجلّی پھونک دے
آرزو یہ ہے بنا دے دید کے قابل مجھے

دیکھ لینا رنگ لائے گی ' مری گم گشتگی
ڈھونڈ لے گی خود کسی دن یار کی منزل مجھے

اف مری شوریدہ حالت کی جنوں انگیزیاں
خاک کے ذرّوں پہ ہوتا ہے گمانِ دل مجھے

لوگ کہتے ہیں کہ ماہر بندۂ جذبات ہے
تو نے رسوا کر دیا اے آرزوئے دل مجھے

○

جائیے سوئے حرم یا بت کو سجدا کیجئے
اے مرے ذوقِ پرستش ہاں! بتا کیا کیجئے؟

اس کے جلووں کو سراپا دید بن کر دیکھئے
ہو سکے تو روح کو محوِ تماشا کیجئے

میکدے میں کیجئے تعمیرِ ایوانِ حرم
چومئے ساغر، طوافِ جام و مینا کیجئے

ہستیٔ انساں بھی کیا اللہ اکبر چیز ہے
اک معمّہ ہے کہ ساری عمر سمجھا کیجئے

حسن کے اجزا سمٹ کر بن گئے ہیں آدمی
جب یہ صورت ہے تو پھر خود ہی کو سجدا کیجئے

توڑیئے ماہر سکوتِ کائناتِ آب و گل
نالۂ حشر آفریں سے حشر برپا کیجئے

○

ہر حقیقت منظرِ ہستی پہ لانی چاہیے
کچھ نہ کچھ تو جذبِ دل کی ترجمانی چاہیے

آہِ سوزاں، اشکِ خونیں کی روانی چاہیے
روز ان کو اک نئے دل کی کہانی چاہیے

غم سے گھبرا کر پکارا "شادمانی چاہیے"
اے دلِ بیتاب تجھ کو شرم آنی چاہیے

بابِ زنداں بند، گلشن دور، زخمی بال و پر
قوتِ پرواز پھر بھی آزمانی چاہیے

میرے ان کے درمیاں اب دل بھی کیوں حائل رہے
یعنی یہ قیدِ تمنا بھی اٹھانی چاہیے

جب ازل کے روز تقدیریں رقم ہونے لگیں
ایک اک ذرہ پکار اٹھا جوانی چاہیے

مجھ کو گھر بیٹھے میسر ہیں بہاریں خلد کی
اے خیالِ یار تیری مہربانی چاہیے

میرا کیا ہے آپ ہی کے جور پر آئے گا حرف
دردِ دل کی آپ کو ہمت بڑھانی چاہیے

جذبۂ غم دیکھنا ماہر نہایت ہے لطیف
شرحِ غم کے واسطے نازک بیانی چاہیے

○

بہار بن کے محبت نے جب پیام دیئے
نسیمِ صبح نے پھولوں کے ہونٹ چوم لئے

تمہیں خبر بھی نہیں ہے مری نگاہوں نے
حریمِ ناز کے پردے اٹھا کے چھوڑ دیئے

مجھے معاف کرے شانِ رحمتِ باری
گناہ میں نے کئے اور بے شمار کئے

زمانہ موت سے اب اس قدر نہیں ڈرتا
ارے یہ کس نے محبت کے راز کھول دیئے

بہار، اوس، ہوا، موجِ بو، سرودِ ہزار
کسی نے بھی نہ چمن میں گلوں کے چاک سیئے

خفا نہ ہوں تو میں ان کی نگاہ سے پوچھوں
مجھے خمار سا رہتا ہے کیوں بغیر پیئے

وہ خود بھی کہنے لگے دیکھ کر مری حالت
نہ اس طرح کوئی بیتاب ہو کسی کے لئے

کس اہتمام سے دیکھا مجھے جزاک اللہ!
کہ اک نگاہ میں نشتر ہزار توڑ دیئے

خزاں بھی آئی مرے سامنے بہار بدوش
ترے تصور رنگیں نے خوب کام کیئے
یہ کیا کہا کہ ہم آئیں گے صبح ہونے دو
مریضِ شامِ الم صبح تک جئے نہ جئے
مرا فسانہ بھی اک یادگار ہے ماہر
کہ میں نے موت کے اس زندگی سے کام لئے

○

وہ چشمِ ناز آپ ہی اپنا جواب ہے
ہر دل سمجھ رہا ہے مجھی سے خطاب ہے

اللہ وہ گھڑی نہ دکھائے کہ ہجر میں
کہنا پڑے کہ دردِ محبت عذاب ہے

طوفانِ آب و گل کا توازن تو دیکھئے
انساں کی زندگی کا طلسم حباب ہے

اس روئے تابناک کے جلوے بھی کیا کریں
خود میری چشمِ شوق و بلبل حجاب ہے

کوئی بھی بچ سکا نہ زمانے کے ہاتھ سے
شبنم نہیں ہے یہ عرقِ آفتاب ہے

یہ پائمالیاں ہیں کہ عشرت نوازیاں
رفتارِ یار، لرزشِ موجِ شراب ہے

شاید اسی کا نام ہے دنیائے رنگ و بو
میری نگاہِ شوق جہاں تک خراب ہے

اس جلوہ گاہِ ناز میں کس کو یہ امتیاز
دل کامیاب ہے کہ نظر کامیاب ہے

ماہر یہ ذوق و شوق مبارک تمہیں مگر
اتنا رہے خیال، زمانہ خراب ہے

ذرہ ذرہ میں محبت نظر آتی ہے مجھے
اب حقیقت ہی حقیقت نظر آتی ہے مجھے
دل میں غم سہنے کی طاقت نظر آتی ہے مجھے
زندگی حاصلِ عشرت نظر آتی ہے مجھے
تیری الفت کی صداقت نظر آتی ہے مجھے
زندگی غم کی امانت نظر آتی ہے مجھے

جب کبھی شوق کی وسعت نظر آتی ہے مجھے
ہر طرف دل کی حکومت نظر آتی ہے مجھے
عیش و راحت کے تصور سے خوشی ملتی ہے
اس میں کچھ غم کی سیاست نظر آتی ہے مجھے
مجھ سے ویرانئ الفت نہیں دیکھی جاتی
ہر جگہ تیری ضرورت نظر آتی ہے مجھے
اپنی ہستی سے بہت دور ہوا جاتا ہوں
جلوۂ یار سے قربت نظر آتی ہے مجھے
اللہ اللہ رخِ رنگیں کے تصور کی بہار
آنکھ ، اٹھاتا ہوں تو جنت نظر آتی ہے مجھے

دیکھئے شمع کی کس رنگ میں ہوتی ہے سحر
آج پروانوں کی کثرت نظر آتی ہے مجھے

اب ترے دردِ محبت کے بھی قابل نہ رہا
دو جہاں درد کی قیمت نظر آتی ہے مجھے

پھول بن بن کے اڑی جاتی ہے ساغر سے شراب
چشمِ ساقی کی لطافت نظر آتی ہے مجھے

کیا کوئی مائلِ ایجاد ستم ہے ماہر
آج کیوں اپنی ضرورت نظر آتی ہے مجھے

○

جگر میں درد پایا جا رہا ہے
مجھے شاید بلایا جا رہا ہے

نقابِ رخ اٹھایا جا رہا ہے
وہ نکلی دھوپ سایا جا رہا ہے

مریضِ غم کو آ کر دیکھ جاؤ
کہ تم پر حرف آیا جا رہا ہے

یہ روز و شب، یہ برق و ماہ و انجم!
تماشا سا دکھایا جا رہا ہے

الٰہی خیر! میری حسرتوں کی
نشیمن پھر بنایا جا رہا ہے

رواں اس غم میں ہیں شبنم کے آنسو
کلی کو کیوں ہنسایا جا رہا ہے

وہ آئے موت کا پیغام بن کر
کشاکش سے چھڑایا جا رہا ہے

نگاہیں بھی ہیں کچھ بہکی ہوئی سی
قدم بھی لڑکھڑایا جا رہا ہے

وہ خاکِ دل سے بچ کر چل رہے ہیں
ابھی تک آزمایا جا رہا ہے

شبِ وعدہ نہ آنا تھا نہ آئے
چراغوں کو بجھایا جا رہا ہے

اجل ہے زندگی کا دورِ ثانی
قدم آگے بڑھایا جا رہا ہے

ستارے سسکیاں سی لے رہے ہیں
کسی کا دل دکھایا جا رہا ہے

سناتے ہو کسے روداد ماہر
وہاں تو مسکرایا جا رہا ہے

○

کتنا سرور آفریں کیفِ مئے الست ہے
دل کا تو پوچھنا ہی کیا روح بھی میری مست ہے

رک گئی جنبشِ عمل، تھم گیا ولولوں کا جوش
عرصۂ کائنات کی فتح بھی اک شکست ہے

اے مرے سوزِ مضطرب پھونک دے دل کو پھونک دے
طعن سے کہہ رہے ہیں وہ "درد دوا پرست ہے"

حسن ہی فتحمند ہے عالمِ ہست و نیست میں
واں بھی مری شکست تھی، یاں بھی مری شکست ہے

مست نگہ کا واسطہ، ساقیا ایک جام دے
کب سے کرم کا منتظر ماہرِ مے پرست ہے

○

ہر ذرّہ دل بن جاتا ہے ' ہر چیز نظر ہو جاتی ہے
جس سمت وہ نظریں اٹھتی ہیں ' کونین ادھر ہو جاتی ہے

فرصت کا بھیانک سناٹا ہر سانس میں اک طوفاں غم کا
میں شکر کے سجدے کرتا ہوں جب رات بسر ہو جاتی ہے

او دیکھنے والے! اس درجہ گستاخ نہ بن بے باک نہ ہو
اس طرح لطافت جلووں کی مجروحِ نظر ہو جاتی ہے

مانا کہ تغافل کے ہاتھوں ' پامال بھی ہوں مایوس بھی ہوں
وہ میرے لئے زحمت نہ کریں یوں بھی تو گزر ہو جاتی ہے

تنہائی کے نازک لمحوں میں کچھ تم ہی ستارو! بات کرو!
تم نے تو وہ شب دیکھی ہو گی جس شب کی سحر ہو جاتی ہے

ہر سانس میں ہچکی کا آنا' ہر اشک میں ان کا افسانہ
کیا دل کے دھڑکنے کی ماہر ان کو بھی خبر ہو جاتی ہے

قطعات

○

پھولوں کی ہنسی، ہنسی نہیں ہے　　یہ موت ہے زندگی نہیں ہے
یہ رات، یہ غم کی رات توبہ!　　تاروں میں بھی روشنی نہیں ہے

○

ساغر میں شراب انڈیلتا ہوں　　میں آگ سے روز کھیلتا ہوں
سچ یہ ہے کہ درد و غم کو ماہر　　اک فرض سمجھ کے جھیلتا ہوں

○

لالہ کا جگر کہاں سے لاؤں　　نرگس کی نظر کہاں سے لاؤں
شاید کہ درِقبول ہے بند　　آہوں میں اثر کہاں سے لاؤں
بستر سے اٹھے وہ آنکھ ملتے
ماہر وہ سحر کہاں سے لاؤں

منتخب اشعار

○

کافی ہے ایک کیف میں ڈوبی ہوئی نظر
پابندِ جام و بادہ مری بے خودی نہیں

○

بزمِ عدم کے جاگنے والے! خبر بھی ہے
بیمارِ ہجر، نیند قیامت کی سو گیا

○

آج شبِ فراق کے غمزدے توڑتے ہیں دم
آؤ اور آ کے دیکھ جاؤ مٹتی ہوئی نشانیاں

○

اٹھ رہا ہے منتشر تنکوں سے ہلکا سا دھواں
بجلیوں کا بھی اشارہ، شورشِ صرصر میں ہے

○

بے نیازِ کیف تھا جب تک تو ماہر تھا سکوں
اب جو پی لی ہے تو بس سارا جہاں چکر میں ہے

یہ درس دے رہا ہے ہر انقلابِ عالم
سطحِ فنا پہ قائم ایوانِ زندگی ہے

○

جہانِ آرزو معمورِ شورِ لن ترانی ہے
یہ وہ دنیا ہے جس میں طالبِ دیدار رہتے ہیں

○

یوں کر رہے ہو وعدہ گویا وفا کرو گے
قرباں مری تمنا اس خوبیٔ بیاں کے

○

درحقیقت عالمِ لاہوت کے کچھ نقش تھے
جن کو جذبِ شوقِ خودبینی نے انساں کر دیا

○

کہیں ناکامیوں سے حوصلے بھی پست ہوتے ہیں
مجھے افسوس تجھ پر ہمتِ مردانہ آتا ہے

چشم خونبار! تجھے ناوکِ جاناں کی قسم
آج دامن کو مرے رشک گلستاں کر دے

○

مرے شاہد صنم خانوں کے بت، کعبہ کی محرابیں
کہ ہر منزل میں کی ہے میں نے اسکی جستجو برسوں
یہی بازو مرے خود میری بربادی کا باعث ہیں
انہی ہاتھوں سے توڑا ہے طلسمِ آرزو برسوں

○

پتلیاں آخری گردش میں ہیں اب بھی آ جاؤ
رسم کی رسم تماشہ کا تماشہ بھی ہے

○

رخ کے سب پردے اٹھا دے اور اٹھا کر چھوڑ دے
اک اضافہ اور کر دے میرے محسوسات میں

○

دل کو مرے تسکیں نہیں ہوتی، نہیں ہوتی
تیرا غمِ فرقت نہیں جاتا، نہیں جاتا

○

کتنے فریب کوش ہیں میرے تخیلات بھی
لا کے مجھے بٹھا دیا خلوت بزمِ یار میں

بجھ نہ جائے کہیں جھونکے سے ہوا کے، ماہر
دل، چراغ سرِ منزل نظر آتا ہے مجھے

○

حسن بن جاتا ہے خود آئینہ دارِ شانِ عشق
شمع کی لرزش میں عکسِ ہمتِ پروانہ تھا
دل مجھے بخشا گیا تھا، تیری الفت کیلئے
تیرا دیوانہ نہ بنتا، میں کوئی دیوانہ تھا

○

اب وقت ہے کہ تکملۂ جورِ حسن کر
محشر ہے یہ کسی کو کسی کی خبر نہیں

○

آ میں تجھے بتا دوں رازِ غمِ محبت
احساسِ آرزو ہی تکمیلِ آرزو ہے

○

ہم ڈوبنے والے، موجوں کی توہین گوارا کیا کرتے
کشتی کا سہارا کیوں لیتے، ساحل کی تمنا کیا کرتے
ہستی کا دھوکا کیوں کھاتے، ہم خواہشِ دنیا کیا کرتے
جلوے پہ نظر رکھنے والے، پردوں کا نظارہ کیا کرتے
الفت ہی نہیں خود حسن بھی ہے مشتاقِ نظر، پابندِ طلب
جو آپ ہی تھے محتاجِ سکوں وہ دل کا مداوا کیا کرتے
بجلی کی چمک، بادل کی گرج، پرزور ہوا، تاریک فضا
خود آگ نشیمن کو دے دی تنکوں پہ بھروسا کیا کرتے
الفت کی کشش سچ تو یہ ہے دونوں ہی طرف سے ہوتی ہے
شعلوں نے بہت کچھ ساتھ دیا پروانے تنہا کیا کرتے
ہونا تھا جو کچھ ہو ہی چکا، اب دل کا ذکر ہی کیا ماہر
جو چیز کسی کو دے دی تھی پھر اس کا تقاضا کیا کرتے

گیت

برکھا آ پہونچی بجنوا آ جاؤ
ٹھنڈی ٹھنڈی پون چلت ہے
ہر دے بھیتر ہوک اٹھت ہے
تڑپت ہوں دن رین
بجنوا آ جاؤ
من کا درپن ٹوٹ رہا ہے
آس کا دامن چھوٹ رہا ہے
تم بِن ہوں بے چین
بجنوا آ جاؤ

فردوس

نوائے جبریل

پیغام سناتے ہیں یہ اب تک لبِ جبریل
ہے ذاتِ محمدؐ ہی پہ ہر خیر کی تکمیل

وہ مدرسے بازارِ تجارت ہیں کہ جن میں
مذکورِ احادیث نہ قرآن کی ترتیل

بے سوز ہے، بے کیف ہے یہ گرمیٔ محفل
واعظ کے فسانوں میں ہے تخییل ہی تخییل

یہ واعظ و صوفی کی حکایات و کنایات
یہ حسنِ مراعات ہے وہ صنعتِ تعلیل

الواحِ زبور آج بھی اس غم میں ہیں خاموش
باقی نہ رہی عصمتِ اوراقِ اناجیل

اس قوم کے ایمان کا اللہ نگہباں
جس قوم میں ہوتی ہو مزارات کی تقبیل

ہے بدر کا میدان مسلمان کی فردوس
اتنی بھی بہت کچھ ہے اس اجمال کی تفصیل

یہ خانقہی سلسلۂ رشد و ہدایت
کچھ جدّتِ تشبیہ ہے کچھ ندرتِ تمثیل

ہو روس کی تہذیب کہ لندن کا تمدّن
یہ فتنۂ نمرود ہے وہ مکرِ عزازیل

منقبت

"اصحابی کالنّجوم".....(ارشاد نبوی)

احساسِ صداقت رکھتا ہوں، آئینِ عدالت رکھتا ہوں
آنکھوں میں حیا دل میں غیرت، توفیقِ شجاعت رکھتا ہوں
اسلام کی الفت دل میں ہے ایماں کی حلاوت رکھتا ہوں
ابوبکرؓ و عمرؓ عثمانؓ و علیؓ چاروں سے محبت رکھتا ہوں
ایمان چھپالینا میرا مسلک ہی نہیں مذہب ہی نہیں
چلتی ہوئی تلواروں میں بھی سچ کہنے کی عادت رکھتا ہوں
اغیار کی نازک چالوں سے ہر بار نہ دھوکا کھاؤں گا
فطرت ہے مری سادہ لیکن مومن کی فراست رکھتا ہوں
احساسِ شرافت قائم ہے بس حفظ مراتب کے دم تک
صد شکر کہ میں بھی تمیزِ ترتیبِ خلافت رکھتا ہوں
پیرانِ حرم میں اور مجھ میں کچھ فرق بھی ہے کچھ لاگ بھی ہے
وہ زہد پہ اپنے نازاں ہیں میں اشکِ ندامت رکھتا ہوں
اشعار میں ظاہر کر دینا مشکل ہی نہیں ناممکن ہے
اصحابِ محمدؐ سے ماہرؔ جتنی میں عقیدت رکھتا ہوں

سلام!

غمِ شبیرؓ میں آنکھوں میں آنسو آئے جاتے ہیں
یہ وہ موتی ہیں خونِ دل سے جو چمکائے جاتے ہیں
خدا کے واسطے اے شہپرِ جبریل ! سایہ کر
علی اصغر کے عارض دھوپ میں کملائے جاتے ہیں
امامت کے فریضہ کی بلندی کوئی کیا جانے
یہاں شاہوں کے تاج و تخت بھی ٹھکرائے جاتے ہیں
اِدھر بچوں کو بھی اک بوند پانی کی نہیں ملتی
اُدھر گھوڑے بھی آبِ نہر سے نہلائے جاتے ہیں
سرِ زینب کی چادر اور نامحرم کے ہاتھوں میں
فلک جنبش میں ہے، کروبیاں تھرآئے جاتے ہیں
حسینؓ ابنِ علیؓ نے جن کو روکا تھا کلیجہ پر
دلِ اسلام میں وہ تیر اب تک پائے جاتے ہیں
شہادت اک حقیقت زندہ و پائندہ ہے ماہر
فسانے کربلا کے آج تک دہرائے جاتے ہیں

خلافتِ الٰہی

شہر جلیلؔ کے قریب سے ایک وادی سے آواز آتی ہے

یہ آزمائشِ طاقت یہ شوقِ خود نگری
یہ ظلم و جہل کا طوفاں یہ زعمِ بے خبری
سیاسیات کے دھوکے یہ مصلحت کے فریب
خرد تراش رہی ہے مسائلِ نظری
ہوس کے ہاتھ میں اب بھی ہے تیغِ خوں آشام
لہو سے کھیل رہی ہے جنوں کی بے جگری
کہاں ہدایتِ درسِ خروجؔ و استثناءؔ
کہیں کہیں نظر آتے ہیں کتبۂ حجریؔ
مکاشفاتؔ کی گرمی نہ سوزِ یوحنا
کمالِ بے بصری و تمام بے اثری
مری نگاہ میں تھی صلح و آشتی کی بہار
مرے نفس نے کھلایا تھا غنچۂ سحری
نہ برگ و بار ہی باقی نہ وہ ہوائے نشاط
مرے نہالِ تمنا کی ہائے بے ثمری
مرے ضمیر پہ وہ راز ہو چکے ہیں فاش
نہیں ہوئی ہے زمانہ میں جن کی پردہ دار

(اس کے بعد فضا میں ارتعاش پیدا ہوتا ہے زمان و مکان کے پردے الٹتے چلے جاتے ہیں اور پھر عالمِ آب و گل اور عالمِ مثال (برزخ) کے درمیان اجسام و ارواح کا جھرمٹ نظر آتا ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ گردشِ کون و مکاں کو ٹھہرا دیا گیا اور ماضی و حال میں کوئی فرق باقی نہیں رہا۔ صلیب پر زیتون کے درخت کی شاخیں ہل رہی ہیں..... اتنے میں شخصیتیں نمودار ہونے لگتی ہیں۔)

نپولین:۔

سمندِ عزم مرا شوخ و تیز گام بھی تھا
کہ میرے قلب میں اک جوشِ انتقام بھی تھا
مرے خیال میں طوفاں تھے فتح مندی کے
مری نگاہ میں انساں کا احترام بھی تھا
نہ صرف تیغِ جہاں گیر میرے ہاتھ میں تھی
مری زبان پہ روح القدس کا نام بھی تھا
وہ نسل و رنگ کی کشتی وہ قومیت کا جہاز
اسی میں آپ کا یہ ناسزا غلام بھی تھا

پرنس بسمارک:۔

بہت زمانہ سے تھی انتہائے پستی میں
وہ قوم جس کو مجھے سر بلند کرنا تھا
مرے جنوں کی یہ شوخی معاف ہو جائے
کہ ایک کوزے میں طوفاں کو بند کرنا تھا

فریب و فتنہ کی اس کشمکش میں امن کہ جنگ
تمہیں بتاؤ مجھے کیا پسند کرتا تھا

زارِ روس:۔

خطا شعار بھی تھے اور گناہگار بھی تھے
بہت سے میرے جہاں میں شریکِ کار بھی تھے
ہے امتیازِ گل و خار عدل کی توہین
چمن میں سرو و صنوبر نہیں چنار بھی تھے
اس انقلاب سے دل تنگ ہیں جہاں والے
کہ جس کے واسطے کچھ لوگ بیقرار بھی تھے
وہ بھوک جو کہ ہے بنیاد فوضویت کی
تباہیوں کے اسی بھوک میں شرار بھی تھے

لینن:۔

عوام تختِ حکومت کو توڑ سکتے ہیں — یہ راز دھر پہ کرنا تھا آشکار مجھے
افق سے آتش و خوں کے طلوعِ مہر ہوا — خزاں نے آ کے دیا مژدۂ بہار مجھے
دیا تھا میں نے ہی شاہنشہی کو تسمپہ — ملا عوام سے جس وقت اختیار مجھے
مگر ابھی مرے دل میں خلش سی باقی ہے
جو بعد مرگ بھی رکھتی ہے بے قرار مجھے

راسپوٹین:۔

ارے او حامیٔ مزدور کر زبان کو بند
مری ہوس نے بھی کتنے اٹھائے ہیں طوفاں

رموزِ مملکت خویش خسرواں دانند
کہ جن کے سامنے ہے پست قلۂ الوند

گلیڈسٹون:۔

اٹھاؤ ہاتھ مرے ساتھ سب دعا کیلئے

کہ ہند وقف رہے ایسٹ انڈیا کیلئے

فرنگیوں کے سفینے کا ناخدا ہوں میں
جہاں کے عیش و طرب کا ہے مستحق یورپ

صلائے عام ہے موجِ گریزپا کے لئے
تباہیاں تو مقدر ہیں ایشیا کے لیے

(نہایت ہی خاموشی کے ساتھ نگاہ نیچی کئے ہوئے تختِ نورانی کے نیچے سے ایک شخصیت نمودار ہوتی ہے۔ جیسے یہ بن بلائے یہاں آگئی ہے۔)

سراج الدین شاہ ظفر:۔

لہو کا داغ چھپائے سے چھپ نہیں سکتا
وہ بدنصیب کہ جس کا ہو بیگناہی جرم
مری نگاہ نے دیکھے ہیں وہ مناظر بھی

دلیل شعلے کو شبنم بنا نہیں سکتی
اسے جہاں کی فضا راس آ نہیں سکتی
کہ جن کی چشمِ فلک تاب لا نہیں سکتی

سلام قصرِ معلّٰی کے شہ نشینوں کو
جہاں عروسِ سحر مسکرا نہیں سکتی

(ایک مضطرب الحال وجود ظاہر ہوتا ہے جس کے جسم پر کفن لپٹا ہوا ہے۔ کفن کے چاروں طرف "لوزان کانفرنس" لکھا ہوا ہے)

قیصر جرمنی:۔

عجیب فیصلہ مل کر سنا دیا تم نے
مجھے ہر ایک نظر سے گرا دیا تم نے
تمام مشرق و مغرب ہیں جس کے زیرِ اثر
وہ دامِ مکر و سیاست بچھا دیا تم نے
کسی کے تیر چبھویا کسی کے چٹکی لی
کسی کا ناز سے پہلو دبا دیا تم نے

یہ سخت سخت شرائط یہ جبرِ پابندی
کہ میری قوم کو قیدی بنا دیا تم نے

آئرلینڈ کا جانباز:۔

فریبِ مکر و تصنع کی آتشِ بے دود
طلسمِ فکر و تدبر یہ سیمیا کی نمود
یہ بزمِ فتح و مسرت یہ مجلسِ اقوام
سلگ رہے ہیں جنازے بجائے عنبر و عود
یہ غور و فکر یہ اندیشہ ہائے مستقبل
یہ طاقتوں کے توازن کی کوششِ بے سود

اُدھر سحاب کے چھینٹے، ترشحِ شبنم
اِدھر ہے گرم ابھی انقلاب کی بارود

(فضا میں غیر معمولی حرکت پیدا ہوتی ہے، پولینڈ سے لے کر اسٹالن گراڈ تک کی زمین نظر آتی ہے، لاشیں تڑپ رہی ہیں۔ انسانی خون کے چشمے ابل رہے ہیں۔ ٹینک اور آتشباز

جہاز حرکت میں ہیں۔ خبیث روح ان ہلاکت سامانیوں کو دیکھ کر مسکراتی ہے۔ اتنے میں ایک ستارہ ٹوٹ کر گرتا ہے اور اس سے ایک وجود ظاہر ہوتا ہے۔)

حافظ شیرازی:۔

زبانِ حال پہ نغمہ بھی بن گیا فریاد
کہاں گئی وہ مری سر زمینِ رکنا باد

ہے کس عذاب میں شیرازہ بندئ گلگشت
کسی روش پہ ہے گلچیں کسی طرف صیّاد

یہ اقتدار و سیادت کی وادئ پر پیچ
کہ دیکھنے میں ہے گویا غلام بھی آزاد

بہ چشمِ خود نگرم سطوت و شکوہِ عجم
زِاوجِ بامِ ثریّا بہ سطحِ خاک افتاد

کاؤنٹ چیانو:۔

کہیں پرستشِ سلطاں کوئی ہے فاشصطی
کہیں ہے عشوہ طرازئ لعبتِ جمہور

جنوں سوار کسی پر ہے آمریت کا
تراشتا ہے زمانہ نئے نئے دستور

کسی مقام پہ روٹی ہے زیست کا محور
چھڑی ہوئی ہے کہیں بحثِ افسر و مزدور

قیامِ امن و سکوں اب یہاں ہے ناممکن
کہ ہر نظام ہے انسانیت سے کوسوں دور

میں اپنے خون سے خاک بنا کے آیا ہوں
اک آئینہ سا جہاں کو دکھا کے آیا ہوں

روحِ خبیث:۔ یہ کوئی غیر ہے روکو اسے نہ آنے دو

آواز:۔ ہمارے پاس اگر آرہا ہے آنے دو

انور پاشا:۔

یہ خود فروش سیاست یہ خانہ ساز اصول
اسی کا نام ہے فکر و نظر کی گمراہی
درندگی کی ہیں خوگر مسیح کی بھیڑیں
نہ ذوقِ حق نگری ہے نہ وہ خود آگاہی
بغیر جذبِ یقیں ہر عمل ہے فتنہ ساز
ہزار توپ اور اک ضربتِ ید اللّٰہی
فرنگِ جلوہ دِگر داد رسمِ آذر را
حذر زِ اہلِ سیاست اگر خدا خواہی

ولسن سابق صدرِ جمہوریہ امریکہ:۔

یہی ہیں ڈھنگ زمانہ میں سربلندی کے
اڑاؤ پرچمِ رنگین فتحمندی کے
شکست خوردہ جو اقوام اور ممالک ہیں
بتاؤ ان کو طریقے نیاز مندی کے
مرے اصول کی تہ کوئی پا نہیں سکتا
بہت مہین سے خاکے ہیں خود پسندی کے

اتنے میں ایک سفینہ نظر آتا ہے جس کے بادبان پر "تہذیبِ حاضر" لکھا ہوا ہے۔ طوفانی موجیں اس سفینہ کو بری طرح ہچکولے دے رہی ہیں

روحِ خبیث:۔ ارے بچاؤ مرے ڈوبتے سفینے کو

آواز:۔ نکال دو مری محفل سے اس کمینے کو

(سفینہ ڈوب جاتا ہے اور سطحِ آب پر یہ عبارت نورانی حروف میں لکھی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔)

کوئی دماغ بھی اب کام کر نہیں سکتا
سفینہ ڈوب کے پھر سے ابھر نہیں سکتا
وہ دیکھ! حق و صداقت کا لشکر آ پہنچا
کہ جس کے سامنے باطل ٹھہر نہیں سکتا

(عالمِ برزخ کی جگہ عالم کون و فساد) جہان آب و گل نظر آتا ہے۔ جہاں عدل و انصاف کے چشمے ابل رہے ہیں، یقین و صداقت کا آفتاب طلوع ہو رہا ہے اور انسانوں کی بادشاہت کی جگہ خلافت الٰہی قائم ہے۔

آخری آواز:۔

یہ دین اور سیاست کا امتزاجِ لطیف
اسی کو آخری دستور بن کے رہنا تھا
خدا کا خوف بھی ہے پاسِ آدمیّت بھی
زمیں کو عدل سے معمور بن کے رہنا تھا
یقین و عدل و صداقت کا دور دورہ ہے
کہ ظلم و جہل کو مجبور بن کے رہنا تھا
یہی نظام ہے فطرت کا حاصل و مقصود
یہ روحِ پاکِ محمدؐ درودِ نامحدود

خلافتِ الٰہی

-1 گلی لی (Galili) جہاں حضرت مسیح نے وعظ فرمایا تھا۔

-2 مقدس تورات کی دوسری اور پانچویں کتابیں۔

-3 ایضاً

-4 آیاتِ توریت جو مختلف مقامات پر عبرانی میں لکھی ہوئی ہیں۔

-5 مکاشفاتِ یوحنا جن کو حضرت مسیح کے مواعظ کا خلاصہ سمجھا جاتا ہے۔

-6 انارکزم

-7 نواحِ ہمدان میں ایک بلند پہاڑ کا نام۔

-8 یہ نظم دوسری جنگ عظیم کے دوران میں کہی گئی تھی۔

9 **جانباز کا آئرلینڈ** (جس نے آزادیٔ وطن کے لئے غیر معمولی قربانیاں دیں)

10 **چیانو کاؤنٹ** (مسولینی کا داماد جسے غداری کے جرم میں گولی ماردی گئی)

پیام!

زندگی ہے سرفروشی اور قربانی کا نام
کاش! اس کو جان سکتے عیدگاہوں کے امام
دل میں ایماں کی حرارت ہے نہ ذوقِ بندگی
صرف لفظوں کے پجاری صرف رسموں کے غلام
کتنے بے گھر لوگ سایہ کے لئے محتاج ہیں
شکریہ! اے صاحبانِ اقتدار و انتظام
جن کے دن تاریک راتیں اور بھی تاریک تر
جن کی صبحوں کا یہ عالم جیسے ویرانہ کی شام
دل کے چھالے اتنے نازک بھی نہ ہونے چاہئیں
نوکِ نشتر جن کو بادِ صبح گاہی کا خرام
گرمیٔ تکبیر میں شامل ہو گر دِل کا خلوص
ایک ہی نعرے میں ہو سکتی ہیں تیغیں بے نیام
میں نے جن ذروں کو ٹھکرایا ستارے بن گئے
میں نے جن تاروں کو چاہا ہو گئے ماہِ تمام
زندگی کو ہر گھڑی درکار ہے آشفتگی
کون کہتا ہے کہ دل میں نالۂ خونین کو تھام
جا رہا ہوں جانبِ کشمیر جانے دو مجھے
چھوڑ دو تم راستہ اے رہبرانِ ست گام
ہر نظر یک آزمائش ہر نفس قربان گاہ
در زبانِ پورِ ابراہیم بشنوایں پیام

اسلامی دستور

اپنا مقصد اپنی منزل اسلامی دستور
اس کے علاوہ جو بھی ہو گا ہم کو نامنظور
ہم سب کا بس ایک خدا ہے، ایک ہے اپنا دین
مفلس ہوں یا دھن والے ہوں، افسر یا مزدور
اپنا مقصد اپنی منزل اسلامی دستور

مردِ مسلماں کی مت پوچھو قرآں کی تفسیر
گرمی میں شعلوں سے بڑھ کر، ٹھنڈک میں کافور
اپنا مقصد اپنی منزل اسلامی دستور

ظلم تو دیکھو پاکستان میں غلّہ کا ہے کال
چوری ہے اور سینہ زوری رشوت ہے بھرپور
اپنا مقصد اپنی منزل اسلامی دستور

بھوکے ننگے لوگ پھرے ہیں بے گھر ہے مخلوق
دل کے چھالے کھول رہے ہیں رِستے ہیں ناسور
اپنا مقصد اپنی منزل اسلامی دستور

جو بھی ہو گا کر گزریں گے جان رہے یا جائے
مانا وہ ہیں طاقت والے ہم بھی نہیں مجبور
اپنا مقصد اپنی منزل اسلامی دستور

نیکی پرچم کھول چکی ہے سچائی پر تول چکی ہے
ظلم بڑے اب بول نہ بولے پاپ نہ ہو مغرور
اپنا مقصد اپنی منزل اسلامی دستور

"ملّا ازم" پہ ہیں تنقیدیں در پردہ اسلام پہ چوٹیں
دل ہیں سوزِ یقین سے خالی آنکھیں ہیں بے نور

اپنا مقصد اپنی منزل اسلامی دستور
دین کی خاطر کام کریں گے تن من دھن کی نذر بھی دیں گے
جس کی جیسی ہمت ہوگی اور جتنا مقدور
اپنا مقصد اپنی منزل اسلامی دستور

میخانوں میں خاک اڑے گی باطل کی کچھ بھی نہ چلے گی
ظلم کے شیشے جَور کے ساغر ہوں گے چکنا چور
اپنا مقصد اپنی منزل اسلامی دستور
ماہر سا ناکارہ شاعر ملت کی آواز پہ حاضر

ایسے ایسے جب ہوں مسافر پھر منزل کیا دور
اپنا مقصد اپنی منزل اسلامی دستور

ساقی نامہ

پلا ساقیا! بادۂ تند و تیز
عطا کر مرے دل کو عزمِ ستیز

نگاہوں سے آتش فشانی کروں
غریبوں کی میں ترجمانی کروں

الٹ دوں امارت کی رنگیں بساط
زمانہ پہ کھل جائے رازِ نشاط

غریبوں کو جینے کا پیغام دوں
امیروں سے ذوقِ طرب چھین لوں

جوانوں کو دے کر خودی کا سبق
الٹ دوں کتابِ جہاں کا ورق

زمانہ کو تابندگی بخش دوں
عزائم کی شمعیں فروزاں کروں

ستاروں کی آنکھوں سے ٹپکے لہو
اجڑ جائے ہر محفلِ رنگ و بو

لگا کر میں اک نعرۂ انقلاب
سیاست کے رخ سے الٹ دوں نقاب

پلا ساقیا' بادۂ لالہ فام
بدل دوں خدائی کا سارا نظام

وہ پیمانہ دے جس کی اک اک لکیر
زمانہ کی فطرت کو کر لے اسیر

عطا کر مجھے بادۂ آتشیں
بھڑکنے لگے اور سوزِ یقیں

نظر دی ہے ذوقِ نظر بخش دے
مجاہد کا قلب و نظر بخش دے

امیری رہے اور نہ شاہی رہے
نہ یہ عظمتِ خانقاہی رہے

جہاں میں مساوات کا دور ہو
زمانہ کی آب و ہوا اور ہو

غلامی کے جنجال سے چھوٹ جائیں
بنائی ہوئی سب حدیں ٹوٹ جائیں

زمانہ کی ہر مشکل آسان ہو
خدا کی حکومت کا اعلان ہو

قرآن کی فریاد

طاقوں میں سجایا جاتا ہوں، آنکھوں سے لگایا جاتا ہوں
تعویذ بنایا جاتا ہوں ، دھو دھو کے پلایا جاتا ہوں

جزدان حریر و ریشم کے اور پھول ستارے چاندی کے
پھر عطر کی بارش ہوتی ہے خوشبو میں بسایا جاتا ہوں

جیسے کسی طوطے مینا کو کچھ بول سکھائے جاتے ہیں
اس طرح پڑھایا جاتا ہوں، اس طرح سکھایا جاتا ہوں

دل سوز سے خالی رہتے ہیں ،آنکھیں ہیں کہ نم ہوتی ہی نہیں
کہنے کو میں اک اک جلسہ میں پڑھ پڑھ کے سنایا جاتا ہوں

جب قول و قسم لینے کے لئے تکرار کی نوبت آتی ہے
پھر میری ضرورت پڑتی ہے ہاتھوں پہ اٹھایا جاتا ہوں

نیکی پہ بدی کا غلبہ ہے، سچائی سے بڑھ کر دھوکا ہے
اک بار ہنسایا جاتا ہوں،سو بار رلایا جاتا ہوں

یہ میری عقیدت کے دعوے قانون پہ راضی غیروں کے
یوں بھی مجھے رسوا کرتے ہیں ایسے بھی ستایا جاتا ہوں

کس بزم میں میرا ذکر نہیں، کس عرس میں میری دھوم نہیں
پھر بھی میں اکیلا رہتا ہوں مجھ سا بھی کوئی مظلوم نہیں

زعیمِ مصر حسن البناؒ..... شہیدِ ملّت

مراکش، الجزائر کی بہاریں یاد کرتی ہیں
ابھی تک قاہرہ کی رہگزاریں یاد کرتی ہیں
ترے اخوان اب تک منتظر ہیں تیری آمد کے
کہ تجھ کو تیری زندہ یادگاریں یاد کرتی ہیں
عراقی مرغزاروں کی فضائیں یاد کرتی ہیں
فلسطیں کے افق کی بھی گھٹائیں یاد کرتی ہیں
ترا سینہ کہ اک آتش کدہ تھا سوزِ ملت کا
تجھے لبنان کی ٹھنڈی ہوائیں یاد کرتی ہیں
کہیں خارا شگافی کی، کہیں آئینہ سازی کی
کہ تو میداں کا غازی بھی تھا مسجد کا نمازی بھی
ترے کردار میں تھا امتزاجِ شعلہ و شبنم
سراپا سعیٔ پیہم بھی، مجسم پاکبازی بھی
یقیں کی آتش خاموش کو بھڑکا دیا تو نے
کہ مصری نوجوانوں کا لہو گرما دیا تو نے
خرد کہتی رہی ٹھہرو، بہت نازک زمانہ ہے
سفینہ کو مگر طوفان سے ٹکرا دیا تو نے

اگر یہ واقعہ ہے مذہبِ اسلام زندہ ہے
تو پھر کیا ڈر ہے تو زندہ، ترا پیغام زندہ ہے

صبحِ آزادی

موج طوفاں کے مقابل نظر آتی ہے مجھے
ہر طرف عشرتِ ساحل نظر آتی ہے مجھے

کامیابی سرِ منزل نظر آتی ہے مجھے
صبحِ آزادیٔ کامل نظر آتی ہے مجھے

اب دھندلکے نہ اندھیرے ہیں نہ تنہائی ہے
مطلعِ نور ہے اور انجمن آرائی ہے

اب نہ خوابیدگیٔ شوق نہ افسردہ دلی
خس و خاشاک میں بھی روحِ عمل جاگ اٹھی

کس قدر شوخ ہے اندازِ نسیمِ سحری
پھول کچھ کہنے ہی والے تھے کلی بول پڑی

فکرِ گلچیں ہے نہ اندیشۂ صیاد ہمیں
وقت نے کی ہے عطا قسمتِ آزاد ہمیں

روش افلاک پہ ذرات نے ڈالی ہے کمند
پستیاں ہو گئیں بس ایک اشارے میں بلند

اللہ اللہ! یہ اسلام کے مخلص فرزند
جو اڑاتے لئے جاتے ہیں ارادوں کے سمند

کارواں اپنی ترقی کا نہیں رک سکتا
سبز پرچم کسی طاقت سے نہیں جھک سکتا

کتنے دشوار مقاموں سے گزر کر آئے
کس قدر چشم فسوں ساز کے دھوکے کھائے
مرکزِ دید رہے کتنے اچٹتے سائے
ہم مگر حرفِ شکایت نہ زباں پر لائے

جان اور مال ہی کیا عظمت و عزت دی ہے
ہم نے مٹی کے گھروندوں کی بھی قیمت دی ہے

ابھی پیغامِ محمدؐ کی ہے باقی تکمیل
فکر و دانش کی یہ اجمال ہے خود ہی تفصیل

ابھی ماحول کو ہونا ہے بہت کچھ تبدیل
ابھی کردار کے سانچے میں ڈھلے گی تخئیل

حسنِ اخلاق ہی آئینِ سیاست ہوگا
حکمِ قرآن ہی منشورِ حکومت ہوگا

مزدور سے!

تجھ کو کچھ لوگ ملیں گے جو کہیں گے تجھ سے
آ ادھر آ کہ ترے غم کا مداوا کر دیں
تیری قسمت کے ستاروں کو تجلی دے کر
تیری راتوں میں اجالا ہی اجالا کر دیں
تیری کشتی ہے بہت روز سے طوفانوں میں
اس کو ہم عشرتِ ساحل سے شناسا کر دیں
ہم کہ مستقبل عالم پہ نظر رکھتے ہیں
ہم اگر چاہیں تو امروز کو فردا کر دیں
روس سے بھوک کی ہم لے کے دوا آئے ہیں
اے مریضو! ادھر آؤ تمہیں اچھا کر دیں
ان کی باتوں میں نہ آنا کہ بہ نامِ تریاق
زہر کے جام مریضوں کو پلا دیتے ہیں
ان کی دنیا ہے فقط نفس کی خواہش کا ظہور
یہ تو انسان کو حیوان بنا دیتے ہیں
ڈال کر ذہن میں کچھ مبہم و دلچسپ شکوک
کفر و الحاد کے رستے پہ لگا دیتے ہیں
ان کی محفل میں نہ ایمان ملے گا نہ یقیں
ان چراغوں کو تو پہلے ہی بجھا دیتے ہیں

صرف روٹی کے مسائل کو نمایاں کر کے
چشمِ انساں سے حقیقت کو چھپا دیتے ہیں
ان کا وجدان ہے بیمار تو مدقوق ضمیر
خوب و نا خوب کی تمیز مٹا دیتے ہیں
قدرِ اخلاق بدلتے ہیں کبھی قدر جمال
زندگانی کو فقط کھیل بنا دیتے ہیں
یہی وہ لوگ ہیں جو سرخ سویرے کے لیے
خونِ مزدور شرابوں میں ملا دیتے ہیں

محکوم اور آزاد

محکوم کی ہر سانس ہے اک تازہ قیامت
آزاد کی دنیا میں مسرت ہی مسرت
پیشانیٔ محکوم پہ افلاس کا سایہ
آزاد کی ٹھوکر میں ہے گنجینۂ دولت
محکوم کے سینہ میں دہکتا ہے جہنم
آزاد کے پہلو میں مچلتی ہوئی جنت
محکوم کا انداز تبسم بھی ہے ماتم
آزاد کے آنسو میں جھلکتی ہوئی عشرت
محکوم زِ دل تا بہ نظر مرگِ تمنا
آزاد زِ سر تا بقدم زندہ حقیقت
محکوم کے ماتھے پہ ندامت کی سیاہی
آزاد کے چہرے پہ ہے جرأت کی صباحت
محکوم کو ہے صلح و خوشامد سے سروکار
آزاد کو ہر جور سے ٹکرانے کی عادت
محکوم ہے اغراض کا اک بندۂ خود کام
آزاد ہے اک پیکرِ ایثار و مروّت
محکوم کو جینے کا نہ مرنے کا سلیقہ
آزاد کو معلوم ہے ہر چیز کی غایت

ذرہ سے ہے محکوم کی آنکھوں میں چکا چوند
آزاد کو سورج سے الجھنے کی ضرورت

محکوم کو ہے جیت میں بھی ہار کا دھڑکا
آزاد کو دیتی ہیں شکستیں بھی بشارت

محکوم کو اک پھول کی پتی بھی ہے سب کچھ
آزاد کو ہے تنگیٔ داماں کی شکایت

محکوم کو محرومیٔ تقدیر کا شکوہ
آزاد کی کوشش سے بدل جاتی ہے قسمت

بلبل اور چکور

بلبل نے چکور سے کہا:۔

برقپاروں سے بھی آگے ہے جہانِ مہر و ماہ
مل نہیں سکتی کسی کو کہکشاں کی گردِ راہ
بلبلے تاحدِ طوفاں بھی ابھر سکتے نہیں
ہم زمیں والے فلک کی سیر کر سکتے نہیں
خاک کے ذرے کہاں اور زہرہ و پرویں کہاں
یہ ہے پستی کی زمیں، وہ رفعتوں کا آسماں
ماہ و انجم کی فضاؤں تک پہنچنا ہے محال
ہائے! کتنا دل شکن ہے تیری کوشش کا مآل
ہر ستارہ ایک آئینہ دکھاتا ہے مجھے
تیری سعیٔ نارسا پر رحم آتا ہے مجھے
گل مرے نزدیک ہے اور چاند تجھ سے دور ہے
آہ! تیری زندگی ناکام اور مجبور ہے

چکور نے جواب دیا:۔

اے اسیرِ رنگ و بو او طائرِ گلشن نژاد
تو بہ ایں قربت ہے کتنی نامراد و کم سواد
دیکھ ! میری نارسائی پر مجھے طعنے نہ دے
اک ذرا اپنے گریباں کی طرف بھی دیکھ لے
خون دل سے داستانِ حسن رنگیں ہو گئی
کتنے پھولوں کی جوانی نذرِ گلچیں ہو گئی
باغباں نے باغ میں پھولوں سے دامن بھر لیا
تیری غیرت نے یہ کس صورت گوارا کر لیا
پھر بھی تیرے چہچہوں سے بزمِ گلشن گرم ہے
تیری فطرت کس قدر کمزور اور بے شرم ہے
باغ کے خوش رنگ پھولوں سے تعلق چھوڑ دے
یا پھر اپنے بال و پر سے دستِ گلچیں توڑ دے

مغربی تہذیب

نمود و نمائش کی شہنائیاں حسین و دلآویز تنہایاں
بناوٹ کا بیوپار دھوکے کا مول کہ پیتل کے پتر پہ چاندی کا جھول
زبانوں پہ کچھ اور دلوں میں کچھ اور زمانہ کو احمق بنانے کے طَور
تبسم کے بہروپ میں زہرخند درندہ مگر صورتِ گو سفند
تصنع کی موجیں ابھرتی ہوئیں ریاکاریاں رقص کرتی ہوئیں
مروت سے نفرت حیا سے گریز ہوس ہر قدم پر محبت ستیز
شرافت کا معیار دولت کے ڈھیر تمدن کے دھوکے سیاست کے پھیر
پیانو کی لے، جامِ مے کی کھنک نہ آنکھوں میں غیرت نہ دل میں جھجک
کتابوں کی کثرَت مگر علم کم خوشی کی خبر اور نہ عرفانِ غم
خلوص عمل اور نہ سوزِ یقیں دروں تیرہ ساماں بظاہر حسیں

شرابیں ہیں اور ڈانسنگ لاج ہے
یہی بس فرنگی کی معراج ہے

باتیں کریں

اہلِ دنیا زلفِ عنبر فام کی باتیں کریں
اور ہم اللہ کے پیغام کی باتیں کریں
بوذرؓ و سلماںؓ کے جام شوق سے سرشار ہیں
کس لیے پھر حافظ و خیّام کی باتیں کریں
وقت کے دھارے کو مڑنا ہے ہمارے ساتھ ساتھ
اس طرح سے گردشِ ایام کی باتیں کریں
محفلوں میں چل کے ہر سازِ طرب کو توڑ دیں
میکدوں میں بھی شکستِ جام کی باتیں کریں
دوستو! آؤ کہ اب کچھ کام کی باتیں کریں
چھوڑ کر ہر ذکر صرف اسلام کی باتیں کریں

اشارے

بدر و حنین آج بھی دیتے ہیں یہ پیام
مکہ نہ ہو جو فتح تو ہجرت ہے ناتمام
یہ معرکہ عجیب قیامت سرشت تھا
زندوں پہ بھی درود، شہیدوں پہ بھی سلام

مسلمان عورت سے!

یہ شرحِ آیۂ عصمت سے جو ہے بیش نہ کم
دل و نظر کی تباہی ہے قربِ نا محرم
سدا رہا وہ اسیرِ شکایتِ تقدیر
کہ جس نے خود نہ بنائے عمل سے لوح و قلم
ہوس کا نام محبت رکھا ہے دنیا نے
ہوئی ہے مسخ یہاں تک تو فطرتِ آدم
ادب کی آڑ میں تزئین پا رہے ہیں گناہ
تَرش رہے ہیں حرم میں بھی شاعری کے صنم
زمانہ لذتِ سوزِ یقیں سے ہے محروم
کوئی خرابِ مسرت، کوئی تباہِ الم
حیا ہے آنکھ میں باقی نہ دل میں خوفِ خدا
بہت دنوں سے نظامِ حیات ہے برہم
یہ سینما یہ کلب گھر، یہ مدرسے یہ چمن
انہی کے بھیس میں شیطان نے لیا ہے جنم
یہ نیم باز سے بُرقعے یہ دیدہ زیب نقاب
جھلک رہا ہے جھلا جھل قمیص کا ریشم
تری حیات ہے کردارِ رابعۂ بصریؒ
ترے فسانہ کا موضوع عصمتِ مریمؑ

نہ دیکھ ! رشک سے تہذیب کی نمائش کو
کہ سارے پھول یہ کاغذ کے ہیں خدا کی قسم

وہی ہے راہ ترے عزمِ شوق کی منزل
جہاں ہیں عائشہؓ و فاطمہؓ کے نقشِ قدم

اندھی بھکارن

سلوٹیں ماتھے کی نم آلود رخساروں پہ گرد
خشک ہونٹوں کی لکیروں میں ہے لرزاں آہِ سرد
بال بیوہ کے مقدر کی طرح الجھے ہوئے
ضعف کی شدت سے پڑتے ہیں قدم بہکے ہوئے
نیم کے ٹوٹے ہوئے تنکے پڑے ہیں کان میں
جا رہی ہے چند باسی روٹیوں کے دھیان میں
پسلیوں کی ہڈیاں نکلی ہوئیں ابھری ہوئیں
سنگریزوں کی زمیں اور پنڈلیاں سوجی ہوئیں
چند امیدیں مگر مبہم اشارے کی طرح
زیست لیکن ڈوبنے والے ستارے کی طرح
ہیں بدن پر اوڑھنی کی دھجیاں لٹکی ہوئی
خانقاہوں میں ہوں جیسے نیکیاں بھٹکی ہوئیں
ملگجے کرتہ میں پیوندوں کی حالت کیا کہوں
جی میں آتا ہے کہ اس دنیا کا سینہ چیر دوں
پُتلیاں بے نور، زخمی پاؤں، منزل سخت و دور
زندگی کی تلخیوں سے شیشۂ دل چور چور
ہاتھ میں ٹوٹی سی لکڑی، رہبرِ راہِ وفا
چلچلاتی دھوپ، تپتی ریت، گرمی کی ہوا

مفلسی میں کور چشمی کی مصیبت ہائے ہائے
ہر قدم پر ہے اسے خطرہ کہ ٹکر ہو نہ جائے
تھوڑی تھوڑی دور پر اٹکل سے کتراتی ہوئی
جا رہی ہے راستہ میں ٹھوکریں کھاتی ہوئی
دے رہی ہے کس تمنا سے صدا ہر گام پر
دے خدا کے نام پر دلوا خدا کے نام پر
چلتے چلتے رک گئے مجروح دل، زخمی جگر
پیڑ کے نیچے دکاں کے پاس ہی فٹ پاتھ پر
بولا چلاّ کر سپاہی اس کو بیٹھا دیکھ کر
یہ سڑک ہے دیکھ او اندھی نہیں باوا کا گھر
اپنی لکڑی ٹیک کر اٹھی وہ یہ کہتی ہوئی
مانتی ہوں میں سپاہی جی! بڑی غلطی ہوئی
آپ کے اس راستہ پر اب نہ بیٹھوں گی کبھی
تھوکیے غصہ کو میں تو ہوں بھکارن آپ کی
اپنی لکڑی کے سہارے راہ میں چلنے لگی
اتفاقاً" خونچہ والے سے ٹکر ہو گئی
خونچے کے ساتھ ہی پکی زمیں پر گر پڑے
سونٹھ کا پانی، دہی، مرچیں، نمک، آلو، بڑے
لگ گئی اک بھیڑ سی چلتے مسافر رک گئے
اک تماشا تھا یہ منظر راہ گیروں کے لیے
دیکھ کر مجمع کو تھانہ کا سپاہی آ گیا
سارا قصہ خونچے والے نے رک رک کر کہا

واقعہ سن کر ہوا وہ سخت تند و خشمگیں
نطق کے سانچے میں پیہم گالیاں ڈھلنے لگیں

ہم پولس والے ہیں ہم کو سب خبر ہے حال چال
یہ بھکارن کاہے کو ہے یہ تو ہے پکی چھنال
مانگ کر پیسے پیا کرتی ہے چنڈو رات کو
جانتا ہوں ایک مدت سے میں اس بد ذات کو
گالیاں دیتے ہوئے ڈنڈے کو جنبش دی گئی
خوب اس اندھی بھکارن کی تواضع کی گئی

آج کرنا ہے مجھے اہل سیاست سے سوال
کیا اسی قانون کا منشا ہے حفظ جان و مال
کیا یہی دستور ہے انسانیت کے واسطے
کیا ضروری ہیں مظالم سلطنت کے واسطے
کیا اسی قانون سے قائم ہے نظم سلطنت
کیا "ڈسپلن" میں یہی ہوتی ہے مجبوروں کی گت
کیا ہوئی قانون کی روشن نگاہِ احتساب
کیا یہی عدل و توازن ہے؟ دیا جائے جواب
کیا بنی ہے اہلِ دولت کے لئے ہی یہ زمیں؟
مفلسوں کی زندگی کیا زندگی ہوتی نہیں؟

افسروں کے واسطے موٹر بھی ہیں پنکھے بھی ہیں
خوشنما دفتر بھی ہیں، جنت نشاں بنگلے بھی ہیں
چین ہے، آرام ہے، بھتے ہیں، تنخواہیں بھی ہیں
بہرِ جلبِ منفعت سو طرح کی راہیں بھی ہیں

اور غریبوں کے لیے پابندیاں مجبوریاں
طبعِ نازک پر ہے اک حرف شکایت بھی گراں

نیکیاں پھیلائیں اور اسلام کا چرچا کریں
آؤ اس دنیا میں اک دنیا نئی پیدا کریں۔
ان حدودِ افسری و سروری کو توڑ دیں
پھر نئے سر سے شکستہ آئینوں کو جوڑ دیں
صرف تقوے پر ہو انساں کی بڑائی کا مدار
گلشن ہستی میں پھر اگلی سی آ جائے بہار

ہم کو وہ قانون اور ایسی حکومت چاہیے
جس میں اک بڑھیا خلیفہ کا گریباں تھام لے

آج بھی!

فتنے اُسی طرح سے ہیں بیدار آج بھی
میں دیکھتا ہوں حشر کے آثار آج بھی
اقرار پر ہے سایۂ انکار آج بھی
تسبیح میں ہے رشتۂ زنّار آج بھی
سرمایہ خود پسند ہے افلاس خود فروش
باقی نہیں ہے عظمت کردار آج بھی
دل میں اُسی طرح سے ہیں تالے پڑے ہوئے
کھلتے نہیں ہیں ذہن پہ اسرار آج بھی
انسان ہی کی سعیٔ مسلسل کے باوجود
انساں ہے بندِ غم میں گرفتار آج بھی
اہلِ ہوس کی سازشیں برروئے کار ہیں
رسوا ہیں اہل دل سر بازار آج بھی
کچھ پاسِ احتیاط ہے کچھ خوف دارو گیر
ہیں بند بند سے لبِ اظہار آج بھی
صحن زمیں ہے تنگ غریبوں کے واسطے
ملتا نہیں ہے سایۂ دیوار آج بھی
اللہ! یہ تمدن و تہذیب کا فروغ
انسانیت ہے خستہ و بیمار آج بھی

زردار کے حضور جبینیں جھکی ہوئیں
دنیا ہے ظالموں کی طرفدار آج بھی
مٹ جائے گا جہاں سے وہ ہو فرد یا کہ قوم
اسلام سے ہے جو کوئی بیزار آج بھی

سید ابوالاعلیٰ مودودی

تری فکر رسانے خاک کے ذرّوں کو چمکایا
کہ تو سچ مچ فلک سے چاند تارے توڑ کر لایا
سبق تبلیغ دینِ حق کا اس خوبی سے دہرایا
غریبوں کو بھی دعوت دی، امیروں کو بھی سمجھایا
وہ شدت قیدِ تنہائی کی، وہ گرمی، وہ تاریکی
مگر اس پر بھی تیرا غنچۂ خاطر نہ مرجھایا
تری فطرت میں ہے سنجیدگی بھی، استقامت بھی
مسرّت میں نہ اترایا' مصائب میں نہ گھبرایا
جہاں جس کی ضرورت تھی وہی تدبیر کی تو نے
کبھی کشتی کو جنبش دی، کہیں موجوں کو ٹھہرایا
تری تحریر کا ہر لفظ خود روشن شہادت ہے
کہ تو نے کس قدر دشوار تر عقدوں کو سلجھایا
ترے انفاس میں خوشبو ہے گلہائے شریعت کی
کہ جس نے محفلیں کیا، قیدخانوں کو بھی مہکایا
بہ ہر عنوان نادانوں نے تجھ پر تہمتیں جوڑیں
تری تحریر کو الٹا' تری باتوں کو الجھایا
وہاں خود دعوتِ حق لے کے تیرے خوشہ چیں پہنچے
جہاں کچھ روشنی دیکھی جہاں سوز جگر پایا

ترے دل کا سفینہ کیا سکوں نا آشنا نکلا
کبھی طوفان سے الجھا ، کبھی ساحل سے ٹکرایا
تری تقریر پر اردو زباں صد آفریں بولی
نگارش پر تری حسنِ ادب نے ناز فرمایا
ترے سود و زیاں کا ہے رضائے دوست پیمانہ
کہ تو نے ہر قدم پر عشرتِ باطل کو ٹھکرایا
حماک اللہ! دماغوں کو عطا کی فکر قرآنی
جزاک اللہ! دلوں کو سوزِ ایمانی سے گرمایا
فسردہ ہو نہیں سکتے کسی سے دب نہیں سکتے
وہ شعلے جن کو تیری جنبش دامن نے بھڑکایا
ترے دل پر رہے پر تو فگن سیرت محمدؐ کی
ترے افکار پر ہر آن ہو قرآن کا سایا
یقیناً" اس تری جرأت کو دنیا یاد رکھے گی
سزائے موت سن کر بھی نہ پیشانی پہ بل آیا

آیاتِ عمل

خانقاہوں میں جو قالین سجا رکھے ہیں
دامِ ہمرنگِ زمیں ہیں کہ بچھا رکھے ہیں

شیخ خود بھی ہیں بہت وضع کے پابند مگر
کچھ مریدوں کو بھی آداب بتا رکھے ہیں

مدرسوں میں ہے وہی بحثِ کلام و منطق
اور قرآن کے اسرار چھپا رکھے ہیں

زہدِ خاموش سے ہنگامۂ رندی اچھا
میکدے والوں نے فتنے تو اٹھا رکھے ہیں

سجدہ و تکبیر

سجدۂ شکر بھی ہے، نعرۂ تکبیر بھی ہے
عید کا چاند کہ محراب بھی شمشیر بھی ہے

ظلمتِ شب ہی نہیں صبح کی تنویر بھی ہے
زندگی خواب بھی ہے خواب کی تعبیر بھی ہے

صرف تقدیر و مشیت پہ قناعت کیا خوب
تیرے ترکش میں کوئی ناوکِ تدبیر بھی ہے

پوچھ لیتا ہوں یہ رک رک کے حدی خوانوں سے
کارواں پر اثرِ نالۂ شب گیر بھی ہے

کس نے پھونکا ہے مرا دل کہ یہ خاکستر دل
خاک کی خاک ہے اکسیر کی اکسیر بھی ہے

اس نے فرما تو دیا جا تجھے آزاد کیا
یہ نوازش ہی مرے واسطے زنجیر بھی ہے

رہنما قوم کے سادہ بھی ہیں پُرکار بھی ہیں
سعیٔ تخریب بھی ہے، کوششِ تعمیر بھی ہے

یہ حقیقت ہے کہ انساں کی تباہی میں شریک
فتنۂ رخ ہی نہیں، فتنۂ تصویر بھی ہے

مشورے

ان میں تلوار کی تیزی بھی ہے　　آبگینوں کی نزاکت پہ نہ جا
قول اور فعل کے آہنگ کو دیکھ　　ظاہری جوشِ عقیدت پہ نہ جا
حسنِ کردار ہے معیارِ شرف　　خاندانوں کی شرافت پہ نہ جا
کتنے سینوں میں دہکتے ہیں شرار　　صرف چہروں کی بشاشت پہ نہ جا
حق و باطل کی کشاکش کو سمجھ　　جنگِ سرمایہ و محنت پہ نہ جا
جھوٹ پُرپیچ ہوا کرتے ہیں　　شوخیٔ رمز و اشارت پہ نہ جا
دیکھ اس زہر کا تریاق نہیں　　لبِ میگوں کی حلاوت پہ نہ جا
ہوں جو دنیا کی ہوا کے ساتھی　　ایسے لوگوں کی رفاقت پہ نہ جا
ڈھونڈ! اللہ کے قانون کی روح　　اہلِ ایماں کی حکومت پہ نہ جا
ایک دنیا ہے گناہوں کی مریض　　صرف اجسام کی صحت پہ نہ جا

حسنِ معنی پہ نگاہِ تنقید
میرے لفظوں کی لطافت پہ نہ جا

اپنے حاسدوں سے!

خواہ بوجہل کا ہو دور کہ عہدِ فرعون
حق و باطل کا ہمیشہ سے رہا ہے ٹکراؤ
منزلِ حق میں ہر اک جور گوارا ہے مجھے
چاہے دشنام کے ہوں زخم کہ تلوار کے گھاؤ
میرا سرمایۂ عزت ہے نثارِ اسلام
مجھ کو بد نام کرو شوق سے تہمت بھی لگاؤ
میں اِدھر عزمِ براہیم کو محکم کر لوں
تم اُدھر آتشِ نمرود کو پیہم بھڑکاؤ
خوردبینوں سے نہ دیکھو مرے دامن کو ابھی
پہلے تم اپنی جبینوں کی سیاہی تو مٹاؤ
آہ! وہ ذہن جو صورت گرِ افکار نہ ہو
ہائے! وہ فکر کہ جس فکر کا حاصل الجھاؤ
صرف نعروں سے نہ مرعوب کرو دنیا کو
تم اگر قول کے سچے ہو دلیلیں بھی تو لاؤ
میں کسی خوف سے خاموش نہیں رہ سکتا
ظلمتِ شام کو میں صبح نہیں کہہ سکتا

یہ دنیا.....!

کس قدر فتنہ ساز ہے دنیا
کتنی سفلہ نواز ہے دنیا

کتنے دوزخ ہیں بند سینوں میں
کتنے دشنے ہیں آستینوں میں

کھیتیاں نیکیوں کی جلتی ہیں
سازشیں پھولتی ہیں پھلتی ہیں

کینہ سازی ہنسی کے پردے میں
دشمنی دوستی کے پردے میں

میٹھی باتیں نہیں، اداکاری
سر سے پاتک فقط ریا کاری

جھوٹ لالچ غرض ہے، سازش ہے
زندگی کیا ہے اک نمائش ہے

عاجزی ہے کبھی، کبھی ہے غرور
ہر قدم پر منافقت کا ظہور

قہقہے زہر میں بجھے نشتر
دل ہے فولاد، نرم ہیں تیور

کوئی بھی آدمی ہو برسرِکار
کہہ دیا اس کو اپنا رشتہ دار

شیخیاں رعب ڈالنے کے لئے
پستیوں کو اچھالنے کے لئے

اس دورنگی کی بھی کوئی حد ہے
کبھی دھمکی، کبھی خوشامد ہے

زہر پیمانۂ شرافت میں
اژدہا آدمی کی صورت میں

ظلم کے جال، مکر کے پھندے
لوبھ کے اور کپٹ کے ہیں دھندے

دَور کالوں کا ہے، نہ گوروں کا
ہے زمانہ شریف چوروں کا

پست جذبات جب ابھرتے ہیں
لوگ محسن کشی بھی کرتے ہیں

اک طرف بے غرض مروت ہے
اک طرف چال ہے سیاست ہے

اِس طرف زہر اُدھر ہے آبِ حیات
خشک سالی وہاں، یہاں برسات

داغ دل کے چھپاؤں گا کب تک
غم میں بھی مسکراؤں گا کب تک

اے خدا! منتقم ہے تیری ذات!
اس کشاکش سے کب ملے گی نجات

ان کو پہچانئے!

رقص کے جلسوں کے یہ امام　　قوم کو دیں گے کیا پیغام
دل میں بت خانے پنہاں　　لب پہ ہے اسلام اسلام
ان کے گھر کیوں آئے گا　　یہ بے چارہ ماہِ صیام
کوئی مرے مر جانے دو　　ان کو اپنے عیش سے کام
ان کی بوتل قوسِ قزح　　ان کے ساغر ماہِ تمام
روح کہاں بس ڈھانچے ہیں　　تیغیں کیسی صرف نیام
بیوی شوہر کے آگے　　نامحرم سے گرمِ کلام
راج محل میں ناچ اور رنگ　　پرجا کے گھر میں کہرام
جام و سبو اور قوم کا غم　　پھول کی سیج اور فکرِ عوام

جشنِ آزادی کی قسم
فکر و نظر ہیں اب بھی غلام

جائزہ

یہ کیا ہو رہا ہے؟

قوم کی قوم ہی آسودہ غفلت سے ابھی
کیا کسی اور تباہی کی ضرورت ہے ابھی
سنگ و آہن کے بھی سینوں میں شرر جاگ اٹھے
چشمِ انسان ہے کہ محرومِ بصیرت ہے ابھی
قصر و ایواں کی بہاروں کا وہی عالم ہے
جھونپڑوں کی وہی اجڑی ہوئی حالت ہے ابھی
خواہ دفتر کے ہوں ایواں کہ تصوف گاہیں
وہی حلوے، وہی مانڈے، وہی رشوت ہے ابھی
یہ بھی اک مصلحتِ وقت کا ہے لطف و کرم
شیخ کے سر پہ جو دستارِ فضیلت ہے ابھی
وہی شاہانہ تجمل، وہی محلوں کا شکوہ
وہی جلوت، وہی خلوت، وہی نخوت ہے ابھی
لب پہ وہ مہرِ خموشی کہ الٰہی توبہ!
دل کا یہ حال کہ لبریزِ شکایت ہے ابھی
وہی قانونِ فرنگی، وہی دستورِ عمل
وہی خود ساختہ آئینِ سیاست ہے ابھی
ہم نے مانا کہ ہیں آزاد زمینوں کے حدود
نگہ و دل پہ تو غیروں کی حکومت ہے ابھی
آنکھ پھر منتظرِ صبحِ قیادت ہے ابھی
ایک فاروقؓ کی دنیا کو ضرورت ہے ابھی

علمائے کرام سے!

(احتفالِ علماء منعقدہ ۱۵ جنوری ۱۹۵۲ء کے پہلے اجلاس میں شاعر کی زبان سے!) پاکستان، ہند، مصر، شام، عراق، الجزائر، افغانستان، برما، انڈونیشیا اور آزاد کشمیر کے علماء کے علاوہ وزیر اعظم پاکستان اور حضرت مفتیٔ اعظم فلسطین اور دوسرے عمایدو اکابر بھی جلسہ میں تشریف فرما تھے۔

عالمانِ دینِ حق! اہلاً و سہلاً مرحبا
آپ کی تشریف فرمائی کا دل سے شکریہ
تھیں نگاہیں منتظر اس ربطِ باہم کے لئے
دل بچھے جاتے تھے سب کے خیر مقدم کے لئے
اہلِ حق کی یہ توجہ غم شناسوں کی طرف
یعنی موجیں خود چلی آئی ہیں پیاسوں کی طرف
یہ عمامے، یہ عبائیں، یہ جلالت یہ وقار
علم و فضل و مرتبت ہیں تیوروں سے آشکار
شعر کے خاکے میں دل کا خون بھرنا ہے مجھے
معذرت کرتے ہوئے کچھ عرض کرنا ہے مجھے
یہ حقیقت آپ کو اچھی طرح معلوم ہے
آج دینِ حق، جہاں میں ہر جگہ مظلوم ہے
دین سے بیزار دولت مند بھی، نادار بھی
نفس کی خواہش کے بندے شیخ بھی، میخوار بھی

قوم کی وہ بیٹیاں جن کو کہ بننا تھا بتولؓ
مدرسوں میں سیکھتی ہیں ناچ گانے کے اصول
جھلملاتے جا رہے ہیں شرم و غیرت کے چراغ
روز چکنا چور ہو جاتے ہیں عصمت کے ایاغ
مال و زر، جاہ و تعیش، منزلِ مقصود ہے
آدمی کا اس جہاں میں آدمی معبود ہے
جس کسی کو دیکھئے تن پروری کی فکر ہے
عشرتوں کے چہچہے ہیں، سر خوشی کا ذکر ہے
زندگی نان و شکم کے ماسوا کچھ بھی نہیں
دل میں سب کا خوف ہے، خوفِ خدا کچھ بھی نہیں
ہر طرف باطل کے پھندے ہر طرف بازیگری
روس کا فتنہ بھی ہے اور لعنتِ افرنگ بھی
ملک ہیں آزاد لیکن دل پہ غیروں کا ہے راج
دوسروں کے گھر سے آتے ہیں ابھی تک تخت و تاج
اپنی منزل سے ہیں اب تک ناشناس و بے خبر
مطمئن ہیں آج تک ہم کفر کے دستور پر
ہائے! وہ اسلام جو مسجد میں گھر کر رہ گیا
خانقاہوں کی بھی تنہائی کے صدمے سہہ گیا
جب یہ حالت ہو تو پھر جشنِ مسرت کیا منائیں
آؤ ہم اک دوسرے کو اپنے داغِ دل دکھائیں
صرف جلسے منعقد کرنا کوئی مشکل نہیں
یعنی رسمی اجتماعوں کا کوئی حاصل نہیں

جمع ہو جانا بہت اچھا مگر مقصد کے ساتھ
جوش و ہمت، عزم و جرأت، جذبۂ بے حد کے ساتھ
تم، کہ تم ہو وارثِ علمِ محمدؐ مصطفیٰ
ہے تمہاری زندگی دع ماکدر خُذ ما صفا
اپنے فرضِ منصبی کو بھی سمجھنا چاہیے
تم کو ہر باطل کی قوّت سے الجھنا چاہیے
خامہ و قرطاس کی منزل سے اور آگے بڑھو
قصر و ایواں کی بلندی پر کمندیں ڈال دو
احمدِ حنبلؒ کی حق گوئی کی بن جاؤ مثال
کانپ کانپ اٹھے امیروں، بادشاہوں کا جلال
مذہبِ اسلام ہے پورا نظامِ زندگی
حق نے فرمایا ہے اتممت علیکم نعمتی
جو غلط کاری پہ آمادہ ہو اس کو ٹوک دو
روک دو طاغوت کے طوفاں کو بڑھ کر روک دو
ہر مسلماں دینِ فطرت کا علم بردار ہو
علم اور تقویٰ کے ہاتھوں میں زمامِ کار ہو

جماعت اسلامی کے معترض

کچھ مصلحت شناس ہیں کچھ کشتۂ فرنگ
کچھ دیکھتے ہیں اپنے زمانہ کے رنگ ڈھنگ
ان میں بہت سے لوگ سیاست گزیدہ ہیں
جن کے تخیّلات ابھی نارسیدہ ہیں
کچھ ہیں فسونِ شاہی و پیری کے پھیر میں
کچھ اس خیال میں ہیں کہ چونکیں گے دیر میں
کتنوں کو ربط ہے فقہی رخصتوں کے ساتھ
وابستہ کتنے لوگ ہیں کچھ نسبتوں کے ساتھ
کچھ بے خبر بھی ان میں، کچھ اہلِ خبر بھی ہیں
کچھ سادہ لوح بھی ہیں، کچھ اہلِ نظر بھی ہیں
کچھ صاحبانِ جبہ و دستار و دلق ہیں
جو اپنے آستانوں پہ "معبودِ خلق" ہیں
کچھ اس غرور میں کہ ہمیں "اہلِ ذکر" ہیں
آگاہِ سرِّ دین ہیں، اربابِ فکر ہیں
کتنوں کے ایک لفظ پہ تیور بگڑ گئے!
کچھ اپنی شخصیت کے تصور پہ اڑ گئے
تہمت تراش ان میں ہیں اور کچھ ہیں بے یقیں
کچھ فطرتاً" شریر ہیں کچھ ہیں مذبذبین

کچھ چاہتے ہیں صرف دعاؤں سے انقلاب
کچھ کھا رہے ہیں آپ ہی بے وجہ پیچ و تاب
جو چاہتے ہیں راہ میں بکھرے ہوئے ہوں پھول
وہ آزمایشوں کے تصور سے ہیں ملول
مارے ہوئے ہیں ان میں بہت خانقاہ کے
سمجھے نہیں ہیں بھید ابھی "لاالہ" کے

۱۔ جماعت اسلامی کے نام پر بعض حضرات نے اعتراض وارد کیا۔

انقلاب زندہ باد

اٹھ گئے راحت و سکوں کے حجاب
اب کہاں دورِ اطلس و کمخواب
منتشر ہے بساطِ رنگ و بو
خار و خس میں الجھ رہے ہیں گلاب
رہ گئے ٹھوکروں میں پِس پِس کر
لعلِ شب تاب و گوہرِ نایاب
جام و مینا کے ہو گئے ٹکڑے
خاک برسر ہیں بادہ ہائے ناب
ہو گئیں راکھ چلمنیں خس کی
بن گئی آگ خنکیٔ برفاب
پرزے پرزے ہیں ساز ہائے نشاط
پارہ پارہ ہیں زخمہ و مضراب
ہو کے خاموش ٹوٹ ٹوٹ گئے
چنگ و بربط، نفیر و عود و رباب
قصر و ایواں کی ہل گئی بنیاد
زد میں طوفاں کی آ گئے ہیں حباب
کشتیٔ زر، سفینۂ دولت
آ کے ساحل پہ ہو گئے غرقاب

دستِ مزدور میں ہے دامنِ شاہ
جیسے سچ مچ ہے گرم روزِ حساب
کسمپرسی کی کشمکش میں ہیں
صاحبِ امتیاز و اہلِ خطاب
رہ گئی مٹ کے سطوتِ نمرود
تھی جو روزِ ازل سے نقش بر آب
جس میں رقصاں تھے مال و زر کے جہاز
وہ سمندر ہی ہو گیا پایاب
آنے والا ہے دورِ جمہوری[1]
اور شاہنشہی ہے پا برکاب
دیکھ کر یہ سماں بہت سے لوگ
کھا رہے ہیں ہزار پیچ و تاب
کھلتے جاتے ہیں رازِ آزادی
رخِ فطرت سے اٹھ رہی ہے نقاب
مٹ گیا فرقِ حاکم و محکوم
اب کوئی بھی نہیں حضور و جناب
کر دیا ہر غلام کو آزاد
زندہ باد انقلاب ، زندہ باد

۱۔ اسلامی جمہوریت

گزارش

اگلی باتوں کو بھول جا اے دوست
تھا وہ خوابِ گریز پا اے دوست

وہ ہوسناکیاں، خدا کی پناہ
جیسے طوفاں گزر گیا اے دوست

نرم لہجہ، دبی دبی آواز
وہ تبسم رکا رکا اے دوست

منزلِ ضبط و شوق سے آگے
میں بھی کوسوں نکل گیا اے دوست

حسن اور نعمتیں محبت کی
ہائے! تو نے یہ کیا کیا اے دوست

اب نہ زلفوں کی دے ہوا اے دوست
میں بہت کچھ بدل گیا اے دوست

اب نہ انگڑائیوں کی زحمت کر
وہ تصور نہیں رہا اے دوست

میری خاطر بوقتِ خواب نہ رکھ
اپنے چہرے کو ادھ کھلا اے دوست

میری دلچسپی و خوشی کے لیے
بھول کر بھی نہ مسکرا اے دوست

اپنی پرچھائیں سے بھی بچ کر چل
ہے زمانہ بہت بُرا اے دوست

رکھ نہ شعر و سخن سے دل چسپی
شاعری خود ہے اک بلا اے دوست

آدمی کے لئے ضروری ہے
عفت و عصمت و حیا اے دوست

جو محبت تھی دو دلوں کی امید
اس محبت کا واسطہ اے دوست

دیکھتے ہی نظر جھکا لینا
ہو جو میرا بھی سامنا اے دوست

مرد عیش و ہوس کے بھوکے ہیں
ان کی جانب نہ دیکھنا اے دوست

چاند تاروں کی بھی نگاہوں سے
حسنِ معصوم کو چھپا اے دوست

کتنی نازک ہیں چوریاں دل کی
کتنے ڈاکو ہیں پارسا اے دوست

پاپ سے ہے بھرا ہوا سنسار
میرے رنگین و خوش ادا اے دوست

مت کسی پر کبھی بھروسا کر
میری باتوں پہ بھی نہ جا اے دوست

ہو سکے تو معاف کر دینا
میرا سب کچھ کہا سنا اے دوست

نزہت کی کامیابی (امتحان) پر

کامیابی پہ جو شاداں ہے تو اے جانِ عزیزا
اور کیا چیز ہے اللہ کی رحمت کے سوا
دوستوں اور عزیزوں کے دلوں میں رقصاں
کوئی جذبہ ہی نہیں آج مسرت کے سوا
کوئی پیغام مرے پاس نہیں تیرے لئے
درس و تلقیں کے سوا وعظ و نصیحت کے سوا
علم اخلاق کے جوہر کو جِلا دیتا ہے
علم کچھ بھی نہیں توفیقِ سعادت کے سوا
علم ہر جہل کے پردے کو اٹھا دیتا ہے
علم کچھ بھی نہیں عرفانِ حقیقت کے سوا
ڈگریاں تو ہیں زمانہ کے دکھانے کے لئے
یہ نمائش نہیں کچھ زورِ طبیعت کے سوا
مقصدِ علم ہے پاکیزگیٔ فکر و خیال
علم کچھ بھی نہیں تقدیسِ فراست کے سوا
حسنِ معصوم! تجھے جذبۂ غیرت کی قسم
گھر سے باہر نہ قدم جائے ضرورت کے سوا
پھر بھی ہے غیرتِ صد نور جہاں ہر عورت
ایک زیور بھی نہ ہو گو سرِ عصمت کے سوا

دینِ فطرت ہے زمانہ میں فقط اِک اسلام
دوسری راہ نہیں راہِ شریعت کے سوا

دیکھ! تہذیبِ فرنگی سے نہ دھوکا کھانا
اس اجالے میں تو کچھ بھی نہیں ظلمت کے سوا

آج سے کر اسی پرچہ کے لئے تیاری
جو ملے گا نہ تجھے روزِ قیامت کے سوا

میرا تحفہ ہے یہی، میری محبت ہے یہی
کچھ نہیں پاس مرے شعر کی دولت کے سوا

ماتمِ شباب

(ایک حسین عورت جوانی سے بیدار ہو جانے کے بعد)

کششِ حسرتِ دیدار کہاں سے لاؤں
مستیٔ نرگسِ بیمار کہاں سے لاؤں
حسنِ رنگینیٔ افکار کہاں سے لاؤں
اب میں وہ نطقِ گہربار کہاں سے لاؤں
وقت نے چھین لیا ساقِ بلوریں سے گداز
اب میں وہ شوخیٔ رفتار کہاں سے لاؤں
اب نہ آنکھوں میں چمک اور نہ عارض میں دمک
آہ! وہ بارشِ انوار کہاں سے لاؤں
اب نہ باتیں مری دلچسپ نہ آواز میں لوچ
یعنی وہ نرمیٔ گفتار کہاں سے لاؤں
ہائے! وہ جوشِ جوانی، وہ امنگوں کی بہار
اب میں وہ دولتِ بیدار کہاں سے لاؤں
آہ! وہ موجِ ہوس جس نے مجھے لوٹ لیا
ہائے! وہ عصمتِ کردار کہاں سے لاؤں
دل میں گرمی نہ رہی، شوق میں تیزی نہ رہی
شعلۂ آتشِ رخسار کہاں سے لاؤں

جس نے کچھ روز زمانہ میں خدائی کی ہے
آج وہ حسن کا پندار کہاں سے لاؤں

وہ تبسم کی جھلک ہے نہ وہ ابرو کی لچک
اب میں چلتی ہوئی تلوار کہاں سے لاؤں

چشمِ میگوں ہے کہ ویران نظر آتی ہے
حاصلِ خانۂ خمار کہاں سے لاؤں

نہ وہ شوخی، نہ امنگیں، نہ وہ اندازِ خرام
اب میں پازیب کی جھنکار کہاں سے لاؤں

چلو!

بھٹکے ہوؤں کو راہ دکھاتے ہوئے چلو
ایقان کے چراغ جلاتے ہوئے چلو
جن کو مٹا سکے نہ کوئی دورِ انقلاب
کچھ ایسے نقش بھی تو بناتے ہوئے چلو
جاگے ہوؤں کو گرمیٔ رفتار بخش دو
سوتے مسافروں کو جگاتے ہوئے چلو
انکار نے دلوں کو بہت سرد کر دیا
سوزِ یقیں سے آگ لگاتے ہوئے چلو
ضامن ہے عافیت کی سلامت روی کی چال
کہتا ہے کون، حشر اٹھاتے ہوئے چلو
دل میں خدا کا خوف نہیں ہے تو کچھ نہیں
یہ بات ہر کسی کو بتاتے ہوئے چلو
شایانِ التفات فقط پھول ہی نہیں
کانٹوں کی تشنگی بھی بجھاتے ہوئے چلو
اب وقت ہے کہ شعر و ادب کی زبان سے
مفہومِ لا الٰہ بتاتے ہوئے چلو

گرلز کالج کی "لاری" دیکھ کر

یہ تاک جھانک یہ آرائش لب و رخسار
یہ جمپروں کی نمائش، یہ ساریوں کی بہار
یہ قہقہوں کے ترانے یہ چھیڑ چھاڑ کا رنگ
یہ شوخیوں کی ہر اک موڑ پر حیا سے جنگ
ہوا کی موج سے زلفوں کے پیچ ہیں رقصاں
یہ شوخ وشنگ نگاہوں میں تجربے غلطاں
یہ ڈالیوں کی لچک سی گدازباہوں میں
کہ جیسے رقص ہو پیرس کی جلوہ گاہوں میں
جبین و عارض و کاکل تمام زیبائی
زِفرق تابقدم عالمِ خود آرائی
خدا بچائے یہ کالج کی تربیت کا اثر
نگاہیں ڈالتی جاتی ہیں راہ گیروں پر
گلی کے موڑ پہ کاغذ گرے نشانی کے
عجیب مکر ہیں مغرب زدہ جوانی کے
ہنسی خوشی کی یہ باتیں ہیں دل لگی کے لئے
کہ خود کشی کے ارادے ہیں زندگی کے لئے
یہ دوڑتی ہوئی "لاری" نظر جو آتی ہے
وطن کی عزت و غیرت کی لاش جاتی ہے

..... نہیں رہے؟؟

اب جوشِ اضطراب کے ساماں نہیں رہے
ساحل کو ہے گلہ کہ وہ طوفاں نہیں رہے
خونِ جگر سے کھیلنے والے کہاں گئے
قطرے لہو کے زینتِ داماں نہیں رہے
جن کے جنوں پہ ناز تھا فصلِ بہار کو
وہ عاشقانِ چاک گریباں نہیں رہے
پھولوں میں ناز کی ہے، نہ کانٹوں میں سختیاں
صحرا نہیں رہے، وہ گلستاں نہیں رہے
جن کے حضور سطوتِ کسریٰ تھی سجدہ ریز
وہ بوریا نشین سلیماں نہیں رہے
تیغوں کے زخم دب گئے اچھا یوں ہی سہی
سجدوں کے داغ بھی تو نمایاں نہیں رہے
جن کی نشید نغمۂ بیدار بن گئی
وہ کاروانِ دل کے حدی خواں نہیں رہے
تھی جن کی فکر حاصلِ پروازِ جبرائیل
وہ حاملانِ معنیٔ قرآں نہیں رہے
جن کے لئے تھی "انتم الاعلون" کی نوید
اللہ! کیا ہوا وہ مسلماں نہیں رہے

گزر جا

یہ منظرِ دلچسپ دم صبح، سرِشام
افلاک کے زینے، یہ ستاروں کے در و بام
یہ موجۂ انوار، جہاں سیر، سبک گام
دل بھی ہے کشاکش میں نگاہیں بھی تہِ دام
ہر مرحلہ شمع و شبستاں سے گزر جا

یہ گردشِ ایّام، یہ تنظیمِ مہ و سال
رفتارِ زمانہ کبھی ماضی ہے کبھی حال
نیرنگیٔ عالم یہ بدلتے ہوئے احوال
ہر چیز پہ بس ایک اچٹتی سی نظر ڈال
اور ہر روشِ عالمِ امکاں سے گزر جا

شاخوں پہ دمکتے ہوئے شبنم کے یہ گوہر
فردوس کے آثار ہیں ایک ایک روش پر
یہ سرو و گل و لالہ و نسرین و صنوبر
گلشن کی ہوائیں ہیں معطر ہی معطر
اس انجمنِ سنبل و ریحاں سے گزر جا

یہ شوخ پری چہرہ گل اندام و خوش آواز
سر تابقدم شوخی و رنگینی و انداز
نوخیز، جواں سال، نظر باز، فسوں ساز
شوخی، کبھی غمزہ، کبھی نخوت ہے، کبھی ناز
جذبات کے اٹھتے ہوئے طوفاں سے گزر جا

ساغر کی کھنک، قلقلِ مینا کی صدائیں
برسات کی رُت، موسمِ گل، سرد ہوائیں
چھائی ہوئی افلاک پہ بدمست گھٹائیں
ساقی کی نوازش میں ادائیں ہی ادائیں
ٹھکرا کے مے و جام خمستاں سے گزر جا

یہ دشت و جبل، صحنِ چمن، وادی و صحرا
ساحل کی خموشی سے اُلجھتے ہوئے دریا
خشکی کہیں پانی، کہیں اونچا کہیں نیچا
مغرب تری منزل ہے نہ مشرق تری دنیا
یونان و سمرقند و بدخشاں سے گزر جا

یہ مدرسہ و خانقہ و کوچہ و بازار
کچھ اہلِ تجارت ہیں، بہت سے ہیں خریدار
تحریر گہر بیز ہے تقریر گہربار
الفاظ کے دھوکے، کہیں رنگینیٔ افکار
بازیچۂ تعلیم و دبستان سے گزر جا

طوفاں کی طرف دیکھ نہ ساحل کی طرف دیکھ
لیلیٰ پہ نظر ڈال نہ محمل کی طرف دیکھ
ہشیار سے رکھ کام نہ غافل کی طرف دیکھ
سب کچھ ہے ترے پاس ذرا دل کی طرف دیکھ
اور دل کے سوا ہر سروساماں سے گزر جا

ہے تیرا سفر سلسلۂ لامتناہی
ہے تیری نگہباں تری خوددار نگاہی
دے اپنی خودی پر بھی کسی روز گواہی
تو اپنی جگہ آپ ہے تقدیرِ الٰہی
صوفی کے بتائے ہوئے ایماں سے گزر جا

حسنِ معصوم

یہ کمسنی کا زمانہ یہ ابتدائے شباب
یہ شوخیوں کے افق سے طلوعِ مہرِ حجاب
جھکی جھکی سی نگاہیں کہ نیم وا غنچے
رکا رکا سا تبسم، کہ ناشگفتہ گلاب
زِفرق تابقدم سحر و نغمہ و مستی
نظر نظر میں فسانہ نفس نفس میں رباب
زہے جمال! یہ عالم ہے جامہ زیبی کا
کہ سادہ چھینٹ بدن پر ہے غیرتِ کمخواب
ادائے ناز سے شرمندہ بجلیوں کا فروغ
خرامِ ناز پہ قربان رقصِ موجِ شراب
جو دیکھئے تو ہر اک پر نظر توجہ کی
جو سوچئے تو کسی سے نہیں ہے کوئی خطاب
نہ فکر و غم نہ کوئی تجربہ زمانہ کا
ابھی ہے سادہ وبیرنگ زندگی کی کتاب
ارے! یہ حسن کی تقدیس جس کے جلووں سے
تمام میکدہ و خانقاہ و دیر خراب

سہیلیوں کا یہ جھرمٹ یہ بزم آرائی
کہ جیسے شب کو ستاروں کے بیچ میں مہتاب
یہ زلف و رخ کی پھبن اور یہ سادہ آویزے
بساطِ حسن پہ ہے رقصِ گوہرِ شب تاب
خدا کرے یہ نگاہِ جہاں سے دور رہے
کہ اس زمانہ میں ہے عصمتِ نظر نایاب

کیا جانئے کیا یاد آیا

ہر طرف کانٹے ہی کانٹے اب نہ کلیاں ہیں نہ پھول
گلستانوں میں بجائے سرو اگتے ہیں ببول
جس جگہ سبزہ ہی سبزہ تھا وہاں اب گرد ہے
ڈالیاں جھلسی ہوئی ہیں نبضِ خس بھی سرد ہے
طائروں کے زمزمے اور چہچہے جاتے رہے
تتلیوں کے رقص کرنے کے مزے جاتے رہے
ہر روش اک یادگارِ جبر بن کر رہ گئی
آہ! سارے گلستاں کی قبر بن کر رہ گئی
کتنے دوشیزہ شگوفے نذرِ گلچیں ہو گئے
کتنے بھونرے آندھیوں کے پیچ و خم میں کھو گئے
کونپلوں کی نازکی تلوار پر دیکھی گئی
پتیوں کو سرخ انگاروں کی قسمت دی گئی
یاسمین و لالہ و گل پاؤں سے روندے گئے
زلفِ سنبل کے خموں پر کوہِ غم توڑے گئے
جو اجالے تھے اندھیرے ہی اندھیرے بن گئے
گلستاں کے پاسباں ہی خود لٹیرے بن گئے
کتنے نالے، کتنی آہیں کر رہی ہیں انتظار
اے خدائے منتقم! برقِ غضب کے کچھ شرار

امیر اور ان کے خوشامدی

دوسروں کے منہ کی تعریفوں سے دل ہوتا ہے خوش
جب نہ ہو خود ذات پر اپنی کسی کو اعتماد
ہے امیروں کے یہاں ان کے ندیموں کا یہ حال
جیسے سازندے طوائف کو دیا کرتے ہیں داد

پاکستان کا مستقبل

مستقبلِ پاکستان کے نورانی افق سے شاعر سرزمینِ پاکستان کا نظارہ کرتا ہے۔ کارخانوں کی چمنیوں سے لے کر حکومت کے ایوانوں تک معیشت' معاشرت' سیاست اور عبادت و تقویٰ ہر منظر اسے نظر آتا ہے اور یہ مشاہدات شعر کے قالب میں بے اختیار ڈھلتے چلے جاتے ہیں۔

پاکستان کا آئین

زندہ ہوئیں اسلام کی پائندہ روایات
صد شکر پلٹ آئے ہیں گزرے ہوئے لمحات

قانون کی ہے روح محمدؐ کی ہدایت
دستور کی بنیاد ہیں قرآن کی آیات

پاکستان کی فوج

میدان کے غازی ہیں خدا ترس نمازی
ہاتھوں میں ہیں تیغیں تو لبوں پر ہے مناجات

عورت کے نگہبان تو بچوں کے محافظ
اور اس میں نہیں کافر و مسلم کی مراعات

بڑھتے نہیں اللہ کے قانون کی حد سے
گو جنگ میں کتنے ہی ہوں بدلے ہوئے حالات

پاکستان کی خواتین

ایک ایک نفس عظمتِ کردار کا شاہد
ہیں عفت و عصمت میں سموئے ہوئے دن رات

اخلاق ہی اخلاق شرافت ہی شرافت
ہیں پیشِ نظر مریمؑ و زہراؓ کی روایات

پاکستان کے فنون، ادب اور سائنس

ہے شعر و ادب میں بھی جھلک نورِ یقیں کی
سلجھے ہوئے افکار ہیں پاکیزہ خیالات

غرناطہ و بغداد ہیں لاہور و کراچی
سبزے کی طرح اگتے ہیں علمی نظریات

آئے ہیں نیا روپ نیا بھیس بدل کر
رومی کے مضامین، غزالی کے مقالات

مژدہ ہو کہ ہیں کاوشِ تحقیق کی زد میں
طبقاتِ زمیں ہوں کہ رموزِ فلکیات

ہے عام بہت علم مرایا و مناظر
ایجاد کی منزل میں ہیں سائنس کے آلات

ہر شعبۂ ہستی میں ترقی کے ہیں آثار
دنیائے نباتات ہو یا کانِ فلزات

دیہات بھی ہیں صنعت و تخلیق کا منظر
اللہ رے! یہ سلسلہ برق و بخارات

صد شکر کہ بیچارے ممولے کی نظر سے
پوشیدہ نہیں باز کے احوال و مقامات

پاکستان کے عوام اور عام معاشرت

انسان کہ اخلاق و مروت کے نمونے
اپنوں سے بھی کچھ بڑھ کے ہیں غیروں پہ عنایات

سجدوں کے نشانوں سے جبینیں ہیں منور
کس درجہ مبارک ہیں یہ آثار و علامات

اب زینتِ محفل ہے نہ مطرب نہ مغنّی
گونجے ہوئے ہر سمت ہیں قرآن کے نغمات

سرمایہ مسلمان، تجارت بھی مسلمان
مزدور کو شکوہ ہے نہ مالک کو شکایات

محمود و ایاز ایک ہی منزل کے ہیں راہی
ہے گرمِ سفر قافلۂ عدل و مساوات

ہے قول و عمل ایک جو دل میں وہ زباں پر
دھوکے کی سیاست ہے نہ پُر پیچ بیانات

گھوڑ دوڑ کی بازی نہ کلب گھر کی ہیں شرطیں
ویران ہے سنسان ہے دنیائے خرابات

انسان کو انسان سے بے لوث محبت
ہڑتال کی دھمکی ہے نہ اب خوفِ فسادات

پہنائے چمن ہی نہیں جنگل بھی ہیں شاداب
ہے جوش پہ اللہ کے افضال کی برسات

اخلاق و معیشت میں توازن ہے کچھ ایسا
ہر فرد خوش اعمال ہے ہر شخص خوش اوقات

جس سمت نظر ڈالئے جنت کی بہاریں
اے صل علیٰ مذہبِ اسلام کی برکات

قائدِ ملّت بہادر خاں!

حیدر آباد دکن کے افق پر ایک تابناک ستارہ طلوع ہوا تھا مگر
خوش درخشید و لے شعلۂ مستعجل بود

نواب بہادر یار جنگ مرحوم صحیح معنی میں "قائدِ ملت" تھے کہ ان کی فکر و نظر اسلامی تھی اور ان کا کردار بھی مسلمانوں کا کردار تھا! ملتِ اسلامیہ کو اتاترک جیسے لیڈر نہیں چاہیں، مسلمانوں کی قیادت ان مردانِ حق شناس کو زیب دیتی ہے جو اتباعِ سنت کو انسانیت کی معراج سمجھتے ہوں اور جن کی زندگی میں مسجد کی محرابوں سے لے کر سیاست کے ایوانوں اور معیشت و معاشرت کی رزم گاہوں تک "اسلام" کے سوا کوئی اور چیز نہ پائی جاتی ہو۔

قائدِ ملت! بہادر خاں ، بہادر یار جنگ
جوشِ مذہب اور اسلامی حمیت تجھ میں تھی
جسم پر تیرے قبائے رہبری ٹھیک آ گئی
حسنِ فطرت تجھ میں تھا، شانِ قیادت تجھ میں تھی
تیرا مسلک حق پرستی، تیری فطرت حق شناس
یعنی ہر باطل سے ٹکرانے کی ہمت تجھ میں تھی
زندگی تو نے گزاری تھی مجاہد کی طرح
کفر کی طاقت سے لڑ جانے کی طاقت تجھ میں تھی
قصر و ایواں میں بھی تو دیتا رہا حق کا پیام
اس قدر آزاد اور بے باک جرأت تجھ میں تھی

تجھ سے ڈرتے اور کتراتے رہے اہلِ نفاق
اس لئے کہ مردِ مومن کی فراست تجھ میں تھی

کتنے طوفانوں میں تو گھر کر رہا ثابت قدم
زخم کھا کر مسکرا دینے کی عادت تجھ میں تھی

تیرا اٹھنا تھا کہ اک کہرام برپا ہو گیا
اب ہوا ظاہر کہ پوشیدہ قیامت تجھ میں تھی

○ ○

اہلِ ساحل کو نہیں احساس کیا جاتا رہا
چھوڑ کر کشتی بھنور میں ناخدا جاتا رہا

لوگ کہتے ہیں کہ اک بیدار انساں چل بسا
ہم یہ کہتے ہیں ہمارا رہنما جاتا رہا

جس کے نغموں نے خزاں میں پھونک دی روحِ بہار
باغ سے وہ بلبلِ شیریں نوا جاتا رہا

نبضِ ملت پر رکھے گا کون اپنی انگلیاں
درد باقی رہ گیا درد آشنا جاتا رہا

کس کی باتیں اب ہماری محفلیں گرمائیں گی
وعظ و تقریر و خطابت کا مزا جاتا رہا

ہائے وہ رکعت کہ جو پوری نہ ہو کر رہ سکی
مقتدی سجدے میں تھے اور مقتدا جاتا رہا

کتنے بچے ہیں کہ جو محرومِ شفقت ہو گئے
کتنی بیوائیں ہیں جن کا آسرا جاتا رہا

اک مجاہد ، اک قلندر ، اک مسلماں اٹھ گیا
ایک شیدائے محمدؐ مصطفیٰؐ جاتا رہا

○ ○

شمع افسردہ ہے' پروانے بھی ہیں سہمے ہوئے
سوگ میں ہے انجمن کی انجمن تیرے لئے

یاد تیری اب کسی دل سے نکل سکتی نہیں
مدتوں روئیں گے اربابِ وطن تیرے لئے

تیرے غم میں بن گیا ایک ایک گھر ماتم کدہ
کس قدر غمگین ہیں اہلِ دکن تیرے لئے

قبر پر تیری سدا رحمت کا مینہ برسا کرے
کر رہے ہیں یہ دعا سب مرد و زن تیرے لئے

گنبدِ خضریٰؐ سے تیری سمت جب دیکھیں حضور
نور کی چادر ہی بن جائے کفن تیرے لئے

قرب حق کے لہلہاتے باغ میں کھلتے رہیں
لالہ و گل' یاسمین و نسترن تیرے لئے

جب تو پہنچے لیکے پیشانی میں سجدوں کے نشاں
کھول دے آغوش جنت کا چمن تیرے لئے

اور کریں حورانِ جنت عرض یہ تیرے حضور
تیرے ماہر کی بھی ہے نذرِ سخن تیرے لئے

ضرورت ہے!

(حلقۂ ادبِ اسلامی کراچی کے اجلاسِ عام منعقدہ ۷ ستمبر ۱۹۵۲ء میں پڑھی گئی)

امیروں کی ضرورت ہے نہ سلطاں کی ضرورت ہے
زمانہ کو فقط مردِ مسلماں کی ضرورت ہے
حنین و بدر کے افسانے پھر دہرائے جائیں گے
زمیں کو سرخیٔ خونِ شہیداں کی ضرورت ہے
ترقی لے گئی ہے بے یقینی کے اندھیروں تک
ادب کی محفلوں میں شمعِ ایماں کی ضرورت ہے
سکوں کیسا! کہاں کی عافیت کوشی ارے ناداں!
تری کشتی کو اک پُرشور طوفاں کی ضرورت ہے
بدلنا ہے خدا ناآشنا دورِ قیادت کو
علیؓ و خالدؓ و فاروقؓ و سلماںؓ کی ضرورت ہے
حسینی قافلہ میں آنے والے جلد آ جائیں
کہ پھر اسلام کو خونِ رگِ جاں کی ضرورت ہے
قبائیں قیصر و کسریٰ کی ثابت رہ نہیں سکتیں
مری وحشت کو بھی چاکِ گریباں کی ضرورت ہے
ادب کب تک رہے گا جاہلیت کے شکنجے میں
گرفتارِ قفس کو اب گلستاں کی ضرورت ہے
حدودِ لذت و پاکیزگی پہچاننے والے

اِدھر آئیں کہ ان کے علم و عرفاں کی ضرورت ہے
جہاں پر اتحادِ کفر و ایماں کی ضرورت تھی

وہاں اب امتیازِ کفر و ایماں کی ضرورت ہے
وہ مشرق ہو کہ مغرب ہر طرف ہے فتنہ سامانی
نظامِ زیست کو منشورِ قرآں کی ضرورت ہے
زمانہ منتظر ہے کس قدر ضربِ کلیمی کا
جہاں کو پھر کسی موسیٰؑ عمراں کی ضرورت ہے
دعا کے ساتھ تدبیریں، عمل کے ساتھ تکبیریں
خدا کی راہ میں بھی ساز و ساماں کی ضرورت ہے
زمانہ آ گیا جھوٹے خداؤں سے بغاوت کا
مکمل اتباعِ حکمِ یزداں کی ضرورت ہے
خدا کا دین کفر و جاہلیت کے ہے نرغے میں
غزل خواں کی نہیں ہے، اب رجز خواں کی ضرورت ہے

جھلکیاں

فیشن زدہ دوست سے:۔

یہ بار بار کی زحمت یہ شوق سگرٹ کا
دھوئیں کے پیچ ہی زنجیرِ پا نہ بن جائیں
جبین و زلف کی آرائشیں درست مگر
مجھے یہ ڈر ہے یہی بت خدا نہ بن جائیں

یہ ہو کر رہے گا:۔

شکستہ دل سے جو آہ نکلی تو فرش کیا عرش کانپ اٹھے گا
درِ قفس وا نہ ہو سکے گا تو ایک دن ٹوٹ کر رہے گا
کسی کے روکے سے حق کا پیغام کب رکا ہے جواب رکے گا
چراغِ ایماں تو آندھیوں میں جلا کیا ہے جلا کرے گا
وہ لاکھ بگڑیں ہزار روٹھیں غضب میں آئیں کہ تلملائیں
خدا کی اس پاک سر زمیں پر خدا کا قانون ہی چلے گا

ارادے:۔

کتنے غریب گھر ہیں اجالے سے دور دور
جتنی بھی روشنی ہے ستاروں سے چھین لوں
دہقاں کے کھیت فصل میں بھی ہیں خزاں نصیب
رعنائیاں تمام بہاروں سے چھین لوں
اتنی تو کم سے کم ہوں مری جرأتیں بلند
شاہوں کے تاج صرف اشاروں سے چھین لوں
سردی میں کتنے جسم ہیں بیگانۂ لباس
جتنی بھی چادریں ہیں مزاروں سے چھین لوں

دعوتِ نگاہ

ہر شے پہ نظر ڈال یہاں دیکھ وہاں دیکھ
ممکن ہو تو ہر مرحلۂ کون و مکاں دیکھ

یہ سرمئی بادل یہ ہوائیں یہ مناظر
کہسار پہ بدمست گھٹاؤں کا دھواں دیکھ

صحرا کے بگولے بھی ہیں نظارے کے قابل
گلشن میں لچکتی ہوئی شاخوں کا سماں دیکھ

غنچوں سے یہ خوش فعلیاں پھولوں سے یہ شوخی
تتلی کے لبوں پر ہیں تبسم کے نشاں دیکھ

پانی پہ حبابوں کے کھلونے ہی کھلونے
اے ناظرِ قدرت! طرفِ آبِ رواں دیکھ

یہ ارض و فلک دشت و جبل وادی و صحرا
قدرت کے مظاہر ہیں بہ ہر گام عیاں دیکھ

ہر منظرِ فطرت کو ضرورت ہے نظر کی
دنیا ہے مگر کارگہِ شیشہ گراں دیکھ

اے تو کہ ہے نقادِ معانی و مطالب!
فرصت ہو تو ماہر کا بھی اندازِ بیاں دیکھ

دہلی سے بمبئی جاتے ہوئے

(۱۲ فروری ۴۷ء)

کہرہ سا فضا میں چھا رہا ہے
انجن بھی دھوئیں اڑا رہا ہے

سبزے کا ہے رنگ ہلکا ہلکا
کچھ دھوپ ہے اور کچھ دھندلکا

پودوں کے بدن ہیں اوس کھلے سے
ہیں شام و سحر ملے جلے سے

لچکی ہوئی ڈالیوں کے پتے
کچھ بول رہے ہیں چپکے چپکے

پیڑوں کے تلے جو چھاؤں سی ہے
ذروں کو بھی نیند آ گئی ہے۔

پرچم سے کہیں پہ گڑ رہے ہیں
خیمے سے کہیں اکھڑ رہے ہیں

خم کھاتے ہوئے سے راہچے ہیں
دشوار گزار راستے ہیں

غاروں میں پہاڑیاں کھڑی ہیں
ہر موڑ پہ جھاڑیاں کھڑی ہیں

ہے کوئی درخت فیل پیکر
پودا کوئی غیرتِ صنم بر

پھولوں سے بھی دادلے رہے ہیں
کانٹے بھی بہار دے رہے ہیں

برگد کے قریب ہیں ببولیں
جس طرح سے ہاتھیوں کی جھولیں

باغوں کی سی یاں نہیں سجاوٹ
ترتیب میں خود ہے اک بناوٹ

لوگوں کی چہل پہل نہیں ہے
دنیا کا فریب چھل نہیں ہے

ٹیلے ہیں اِدھر، اُدھر ہے کھائی
خشکی ہے کہیں، کہیں ترائی

جنگل میں یہ کھوری چٹانیں
فطرت کی کھلی ہوئی ہیں رانیں

ہرنوں کی وہ ڈار جا رہی ہے
صحرا کی بہار جا رہی ہے

شاخوں پہ طیور گا رہے ہیں
پودے ہیں کہ لہلہا رہے ہیں

شہروں سے خوشی جو بچ رہی ہے
جنگل میں بھی دھوم مچ رہی ہے

دیکھو! وہ جھکی ہوئی ہیں شاخیں
پڑھتے ہیں درخت بھی نمازیں

کہتی ہے یہ راستہ کی جھاڑی
گزرے تھے ادھر سے کچھ شکاری

طوفان کی طرح نکل گئے تھے
پیروں سے مجھے کچل گئے تھے

نظارے جو رخ بدل رہے ہیں
پودے مرے ساتھ چل رہے ہیں

ہے دل میں خوشی بھی اور چبھن بھی
تنہائی بھی اور انجمن بھی

جہاں میں ہوں

تمنا بھی دوئی کی اک نشانی ہے جہاں میں ہوں
محبت خود حجابِ درمیانی ہے جہاں میں ہوں
یقیں کے آبشاروں کی روانی ہے جہاں میں ہوں
سکوتِ گل میں طوفانِ معانی ہے جہاں میں ہوں
خموشی حاصلِ نازک بیانی ہے جہاں میں ہوں
نگاہوں میں حدیثِ لن ترانی ہے جہاں میں ہوں
صفت خود ذات کو آئینہ دکھلاتی ہے رہ رہ کر
تجلی کو بھی شوقِ پرفشانی ہے جہاں میں ہوں
نفس کی موج بھی بے اذن جنبش کر نہیں سکتی
وہاں اک اک نظر کی پاسبانی ہے جہاں میں ہوں
ارادے ٹوٹتے ہیں، آ گہی مضبوط ہوتی ہے
شکستوں سے طلوعِ کامرانی ہے جہاں میں ہوں
مری ہستی کو قربت کی فضا راس آ نہیں سکتی
غمِ دوری ہی وجہِ زندگانی ہے جہاں میں ہوں
طلسمِ ہوش و مستی ہے نہ مجبوری نہ مختاری
خود اپنی ذات سے بھی بد گمانی ہے جہاں میں ہوں
لہو روتا ہے دل اس پر بھی ہونٹوں پر تبسم ہے
ہجومِ غم میں جبرِ شادمانی ہے جہاں میں ہوں
مرا ہر شعر ماہر شارحِ آیاتِ قدرت ہے
وہاں جذب و یقیں کی ترجمانی ہے جہاں میں ہوں

کیا کروں؟

تیرے بغیر کنجِ گلستان کو کیا کروں
اس اہتمامِ فصلِ بہاراں کو کیا کروں

نسرین و نسترن سے نظر مطمئن نہیں
لالہ کے اس چراغِ فروزاں کو کیا کروں

گلہائے رنگ رنگ نگاہوں پہ بار ہیں
میں یاسمین و سنبل و ریحاں کو کیا کروں

طوفانِ رنگ و بو میں بھی دل ہے اداس
رقصِ بہار و ابرِ خراماں کو کیا کروں

بجلی کی تاک جھانک مجھے ناگوار ہے
کالی گھٹا کی زلفِ پریشان کو کیا کروں

جب تو نہیں تو لطف و مسرت کا ذکر کیا
میں عیش و انبساط کے ساماں کو کیا کروں

میرے جنوں کی کون اڑائے گا اب ہنسی
اے دوست! اپنے چاک گریباں کو کیا کروں

تیرے عتابِ خاص کا مارا ہوا ہوں میں
اوروں کے التفاتِ فراواں کو کیا کروں

سالِ نو کا پیام

ہیں مرحلے درپیش بہت نازک و پُر پیچ
آغازِ مسرت ہی سے بے تاب نہ ہو جا
مانا کہ فلک سیر ہے رفتارِ زمانہ
شعلہ کی طرح گرم ہو، برفاب نہ ہو جا
بننا ہے تو بن غیرتِ خورشیدِ جہاں تاب
اے نورِ نظر! کرمکِ شب تاب نہ ہو جا
تہذیبِ فرنگی پہ اچٹتی سی نظر ڈال
تو قلزمِ اسرار ہے پایاب نہ ہو جا
تسلیم کہ نغموں سے فضا گونج رہی ہے
لیکن گردِ زخمہ و مضراب نہ ہو جا
آیا ہے نیا سال نئے جوش کو لے کر
فکر و عمل و آگہی و ہوش کو لے کر

برکھارت

وہ برکھارت وہ ساون کا مہینہ
روانی پر گھٹاؤں کا سفینہ

ہوا کے سرد جھونکے چل رہے تھے
ہرے پودے بھی پنکھا جھل رہے تھے

فضا میں تیرتے تھے ابر پارے
نم آلودہ ہواؤں کے سہارے

گھٹاؤں کا دھواں سا چھا رہا تھا
شفق کا رنگ اودا ہو گیا تھا

پپیہوں کی ملہاروں پر ملہاریں
کہیں بدمست موروں کی پکاریں

وہ پودوں کی بہت ہی نرم کونپل
ہوا میں اڑ رہے تھے سبز آنچل

ترشح سے ہر اک شے دھل رہی تھی
زمیں کی اور رنگت کھل رہی تھی

ہرن آپس میں چہلیں کر رہے تھے
کلیلوں پر کلیلیں کر رہے تھے

ہرے پتوں پہ بوندیں پڑ رہی تھیں
زمرد پر ستارے جڑ رہی تھیں

تاثرات

الفاظ نہیں ہیں چیخیں ہیں، اشعار نہیں ہیں نالے ہیں
کچھ گہری گہری چوٹیں ہیں، کچھ نازک نازک چھالے ہیں
قسمت کے اندھیرے میں آ کر تدبیر بھی رستہ بھول گئی
راتوں کی سیاہی کیا کہئے جب دن ہی کالے کالے ہیں
چہروں پہ سپیدی غربت کی ہونٹوں کی ہنسی مرجھائی سی
آنکھیں ہیں کہ سوکھی جھیلیں ہیں، دل ہیں کہ لہو کے تھالے ہیں
دلی کے وہ سقف و بام کہاں، وہ صبح کہاں، وہ شام کہاں
اب چین کہاں آرام کہاں، پردیس میں ڈیرے ڈالے ہیں

دو دو نسبتیں

شیخ کو حاصل ہیں دو دو نسبتیں
خانقاہی بھی ہے درباری بھی ہے
داد دے اے قوم اس تخئیل کی
لیگ قومی بھی ہے سرکاری بھی ہے

نوجوان مجاہد

زباں پہ نامِ خدا، رائفل اٹھائے ہوئے
وہ جا رہا ہے قدم تیز تر بڑھائے ہوئے
وہ تیغ جس کو ہے سوبار آزمائے ہوئے
کبھی کبھی اسے قوسِ قزح بنائے ہوئے
ہر ایک رہبر و قائد سے ہو کے بے پروا
محمدؐ عربی پر نظر جمائے ہوئے
سرِ بلند سے دیتا ہوا پیامِ خودی
خدا کے سامنے لیکن جبیں جھکائے ہوئے
بہ نامِ حق و صداقت، بہ فیضِ روحِ جہاد
شرابِ شوق کی سو بوتلیں چڑھائے ہوئے
فضا میں گونج رہا ہے جو نعرۂ تکبیر
رواں دواں ہے اسی لَے میں لَے ملائے ہوئے
قدم قدم پہ ہے کافر جوانیوں کا ہجوم
وہ جا رہا ہے نگاہیں، مگر جھکائے ہوئے

اقبال

کارواں خواب میں تھا بانگِ درا سے پہلے
ساز میں سوز نہ تھا تیری نوا سے پہلے
اللہ اللہ! ترا قافلۂ نطق و کلام
بالِ جبریل کے سایہ میں ہوا گرمِ خرام
صرف مشرق نہیں، مغرب کو بھی پیغام دیے
نگہ و فکر پہ اسرارِ خودی فاش کیے
تو کبھی شعلۂ رقصاں، کبھی رفتارِ نسیم
موجِ کوثر ترے اشعار، کہیں ضربِ کلیم
اک نئی طرز، نئے باب کا آغاز کیا
شکوہ اللہ تعالیٰ سے بصد ناز کیا
حسن و الفت کے فسانوں میں ہوس شامل تھی
تو نے تقدیس عطا کی، انہیں عصمت بخشی
چہرۂ فکر و معانی کو نکھارا تو نے
زلفِ دوشیزۂ اردو کو سنوارا تو نے
تیرے شعروں میں کہیں معرکۂ بدر و حنین
کہیں ایمانِ براہیمؑ، کہیں عزمِ حسینؓ
اس لئے ہے تری ایک ایک مجھے بات قبول
تیرا سرمایۂ دانش تھا فقط عشقِ رسولؐ

تو کہ لندن کی بھی راتوں میں سحر خیز رہا
قوم کے غم میں تیری آنکھ نے رویا ہے لہو
غیر ماحول میں خوددار و کم آمیز رہا
ہو سکے ضبط نہ اسپین میں تجھ سے آنسو
اس قدر خوفِ خدا سوزِ دروں، جذبۂ حق
بھیگ جاتے تھے ترے اشک سے قرآں کے ورق
محفلِ رومی و عطار تھی مدت سے خموش
تیرے نغموں نے بنایا اسے ہنگامۂ جوش
علم و حکمت کے مسائل کو دیا شعر کا رنگ
کس نزاکت سے ہم آغوش کیے شیشہ و سنگ
فکرِ افسردہ کو پرواز عطا کی تو نے
لبِ خاموش کو آواز عطا کی تو نے

فردوس

(غزلیات)

جن کی صبح و شام غرقِ جام ہیں
خیر سے وہ عاشقِ اسلام ہیں

زاغ و کرگس پر کوئی بندش نہیں
اور شاہیں ہیں کہ زیرِ دام ہیں

کتنے فرعونوں کو حاصل ہے عروج
کتنے چنگیز اب بھی خوں آشام ہیں

جاگ اے ایمانِ ابراہیم جاگ!
ہر طرف اصنام ہی اصنام ہیں

قصر و ایواں میں جو دفنائے گئے
آج وہ اسرار طشت ازبام ہیں

یا وہ بت سچ مچ کا پتھر بن گیا
یا ابھی تک میرے نالے خام ہیں

ناخدا سے کوئی کچھ کہتا نہیں
موج و کشتی ہی فقط بدنام ہیں

احتجاج! اے خوئے ہنگامہ پسند
میرے دل کی دھڑکنیں پیغام ہیں

○

ہیں ٹھوکریں بھی تجھے تلخیٔ کرم آمیز
اگر نہیں ہیں ترے حوصلے زمانہ ستیز

تمام تر ہیں یہ تاریخ کے سیاہ ورق
شکوہِ ہٹلر و چنگیز، عشرتِ پرویز

نسیمِ صبح یہ کہتی ہوئی گزر ہی گئی
سمندِ شوق کو موجِ نفس بھی ہے مہمیز

چلے ہیں غم کے مٹانے کو سوئے میخانہ
یہ خودکشی کے ارادے یہ زندگی سے گریز

بہت دنوں سے ہے ویران بزمِ وجد و سماع
نہ قونیہ کا وہ عالم نہ رونقِ تبریز

ابھی تو عمرِ رواں ساتھ دے رہی ہے ترا
قدم بڑھائے چلا جا ابھی کچھ اور بھی تیز

صدائیں آج بھی آتی ہیں طاقِ کسریٰ سے
ورق ورق ہے مری زندگی کا عبرت خیز

کوئی کرے نہ مری دل کی دھڑکنوں کا علاج
مرے لئے ہیں یہی نغمہ ہائے دل آویز
تری نگاہ نے کچھ سوز کر دیا پیدا
مرا فسانۂ الفت نہ تھا اثر انگیز
وہ قدس ہو کہ حرم، مصر ہو کہ پاکستان
کہاں نہیں ہے زمانہ میں فتنۂ انگریز
فقیر ہو کہ شہنشاہ، خانقاہ کہ قصر
مرو بہ پیش کسے، آبروئے خویش مریز

○

میں شکوہ سنج ہوں کیوں خارِ غم کی ہے جو کسک
کہ دردِ عشق ہے اب دل کا جزوِلاینفک
نگاہِ شوق یہی وقتِ آزمائش ہے
وہ سامنے ہے تجلّی پلک نہ جائے جھپک
ابھی نگاہ کو تسکیں نہیں ہوئی اے دوست
کرم کیا ہے جو اتنا ذرا سی اور جھلک
جہانِ لالہ و گل کیا سمجھ سکے گا مجھے!
کہ سجدہ ریز رہے ہیں مرے حضور ملک
نہ جانے اب کے برس ہو گیا بہار کو کیا
دبی دبی سی چٹک ہے گھٹی گھٹی سی مہک
نہ اٹھ سکے گا کسی اور سے یہ بارِ گراں!
خدا کے واسطے دامن سے گردِ غم نہ جھٹک
شباب و حسن کی توبہ! یہ رنگ آرائی
ابھی لبوں پہ شفق ہے ابھی جبیں پہ دھنک
زمین و زن کی مساوات و اشتراک کا درس
جہاں میں زندہ ہوا پھر سے فتنۂ مزدک

○

ہے دل میں جوش، طبیعت ہے کس قدر موزوں
میں آج مطلعِ رنگیں جگر کے خوں سے لکھوں
نہ آرزو نہ کشاکش نہ جذبِ سوزِ دروں
خدا کرے کہ میں اس حال میں کبھی نہ رہوں
نہ خانقاہ سلامت، نہ میکدوں کا وہ رنگ
میں اپنے گھر کے سوا اور پھر کہاں جاؤں
تری نگاہ تو ہے خیرۂ شعاعِ فرنگ
تری نگاہ سے میں زندگی کو کیوں دیکھوں
یقیں ہے حسن کی نیندیں حرام ہو جائیں
اگر میں نالۂ بیتابِ دل کو تھام نہ لوں
یہ حادثات کی دنیا ارے معاذ اللہ!
کہیں فسونِ تمنا کہیں فریبِ سکوں
جو خود بھی پی نہ سکیں اور کو پلا نہ سکیں
میں ان کے ہاتھ سے جامِ حیات چھین نہ لوں
نہ آگہی کا پتا ہے نہ مصلحت کا نشاں
جہاں جہاں سے بھی گزرا ہے کاروانِ جنوں
مرا مقام بہت کچھ ہے خسروی سے بلند
مرے لئے ہے قبائے حریرِ ناموزوں

○

نہ وہ خمارِ شبانہ، نہ وہ گراں خوابی
کہ دل کے ساتھ نظر ہے شریکِ بیتابی
مری نگاہ میں فاروقؓ و بوذرؓ و سلمانؓ
ترے خیال میں اب تک ہیں رشد وفارابی
کسے خبر کہ ترے دل میں درد ہے کہ نہیں
کہ تیری آنکھ ابھی تک نہیں ہے عنابی
کھڑی ہوئی ہیں رہِ زندگی میں دیواریں
یہ پردہ ہائے حریر و غلافِ سنجابی
طلوعِ مہر کو خوش آمدید کہتی ہے
سحر کے وقت ستاروں کی یہ خنک تابی

○

جو دل کا درد نمایاں نہیں تو کچھ بھی نہیں
گلوں کا چاک گریباں نہیں تو کچھ بھی نہیں
ضمیر صاحبِ ایماں نہیں تو کچھ بھی نہیں
جو اپنی ذات کا عرفاں نہیں تو کچھ بھی نہیں
ہوا میں جنبشِ پنہاں نہیں تو کچھ بھی نہیں
شمیمِ گل جو پریشاں نہیں تو کچھ بھی نہیں
قسم خدا کی غلامی سے موت اچھی ہے
تو اپنے وقت کا سلطاں نہیں تو کچھ بھی نہیں
یہ علم و حکمت و دانش کی جلوہ آرائی
یقیں کی شمع فروزاں نہیں تو کچھ بھی نہیں
خرد تراش رہی ہے نئے نئے دستور
جو اس میں حکمتِ قرآں نہیں تو کچھ بھی نہیں

○

سلطاں کے لئے ہے نہ تونگر کے لئے ہے
کونین کی ہر چیز قلندر کے لئے ہے
ہر بت کدۂ دہر میں آوازِ براہیمؑ
پیغامِ اجل صنعتِ آذر کے لئے ہے
کیا کامِ اسے معرکہ تیغ و سناں سے
واعظ تو فقط زینتِ منبر کے لئے ہے
مغرور امیروں سے کوئی کاش یہ کہہ دے
یہ شانِ امارت مری ٹھوکر کے لئے ہے
ڈر ہے کہیں زاہد کو پشیمان نہ کر دے
وہ سجدہ جو حور و مئے کوثر کے لئے ہے
ہیں قیصر و کسریٰ کے یہاں قندوۂ ناب
اور نانِ جویں فاتحِ خیبر کے لئے ہے
زر بفت کے پردے ہیں کنیزوں کے مکاں میں
اک کہنہ ردا بنتِؓ پیمبرؐ کے لئے ہے
صد شکر کہ محفوظ ہے ماہر کی جبیں میں
وہ آخری سجدہ جو ترے در کے لئے ہے

○

کانٹوں کی کھٹک دیکھ، نہ پھولوں کی مہک دیکھ
ہے تیز ہوا شاخِ نشیمن کی لچک دیکھ
یہ قمری و طاؤس کے نظّارے کہاں تک
رم خوردہ غزالوں کے بھی پلکوں کی جھپک دیکھ
تو جا تو رہا ہے طرفِ میکدہ اے دوست!
کر دے نہ تجھے مست پیالوں کی کھنک دیکھ
او چاندنی راتوں کے پرستار، ادھر آ
ڈوبے ہوئے قسمت کے ستاروں کی چمک دیکھ
تقدیر کے اسرار بتائے گا تجھے کون
آئینۂ امروز میں فردا کی جھلک دیکھ

○

ہیں مردِ مجاہد کے بھی انداز نرالے
رفتار قیامت کی ہے اور پاؤں میں چھالے
غازی نے چمکتی ہوئی تلوار اٹھا لی
دیتا ہی رہا شیخ "کتابوں کے حوالے"
پیرانِ کلیسا کے فریبوں میں نہ آنا
یہ لوگ تو لکھ دیتے ہیں جنت کے قبالے
بزمِ نگہ و دل میں کسی طرح بھی اے دوست
ہوتے نہیں بجلی کے چراغوں سے اجالے
تہذیبِ جہاں سوز کی زد سے نہ بچیں گے
مندر نہ کلیسا نہ مساجد نہ شوالے
او بلبلِ خوش رنگ و خوش آواز، مری سن!
نغمے جو ہوں بے کیف تو بن جاتے ہیں نالے
جلوے بھی، مناظر بھی، محبت بھی مگر کیا!
آنکھوں پہ حجابات، زبانوں پہ ہیں تالے
ماہرؔ میں محبت کے صحیفوں میں ملوں گا
ڈھونڈیں جو کبھی مجھ کو مرے ڈھونڈنے والے

○

تیغ کی جھنکار پر نغمے سنا سکتا ہوں میں
نزع میں بھی گیت آزادی کے گا سکتا ہوں میں
قصرِ استبداد کی بنیاد ڈھا سکتا ہوں میں
ظلم کے شعلوں کو پھونکوں سے بجھا سکتا ہوں میں
شبنمِ گل سے لگا سکتا ہوں کہساروں میں آگ
بجلیوں سے آشیانے کو بنا سکتا ہوں میں
کوئی وادی ہو مگر مجھ کو گزر جانے سے کام
کوئی منزل ہو قدم آگے بڑھا سکتا ہوں میں
موجِ طوفاں پہ بھی ہو سکتی ہے تعمیرِ حیات
آندھیوں کی گود میں شمعیں جلا سکتا ہوں میں
میری خوّداری کسی طاقت سے دب سکتی نہیں
قیصر و کسریٰ سے بھی آنکھیں ملا سکتا ہوں میں
چوٹ کھا کر بھی مرے تیور نہیں ہوتے ملول
انتہائی درد میں بھی مسکرا سکتا ہوں میں
برگِ گل سے کام لے سکتا ہوں میں تلوار کا
پتھروں سے لالہ و نرگس اگا سکتا ہوں میں
شاعرِ آزاد ہوں ماہر بہ فیضِ جذب و شوق
خونِ دل سے شعر کے خاکے بنا سکتا ہوں میں

○

حنین و بدر میں وہ غازیوں کی تکبیریں
نظر کے ساتھ بدلتی گئی ہیں تقدیریں

خموشیوں سے نمایاں ہے جذبِ سوزِ دروں
یہ سلوٹیں ہیں جبیں پر کہ دل کی تحریریں

یہ سجدہ ہائے ریائی کے داغ ارے توبہ!
کہ مسجدوں میں بنا دی گئی ہیں تصویریں

یہ کون پچھلے پہر رات کو ہے محوِ سجدوں میں
دعا کو ڈھونڈ رہی ہیں ابھی سے تاثیریں

حدیثِ عشق کی تشریح کوئی کھیل نہیں
جگر کے خون سے لکھی گئی ہیں تفسیریں

میں کیا کہوں مرے ظلمت کدے کا رنگ ہے کیا
گزر گئی تھیں ادھر سے بھی چند تنویریں

ہر احتیاط پہ ذوقِ طلب نے چٹکی لی
جنوں کو راس نہ آئیں خرد کی تدبیریں

مجاہدوں سے کہو اس قدر نہ ہوں دل تنگ
کہیں کہیں سے ذرا مڑ گئی ہیں شمشیریں

○

نظر نظر پہ ہے بندش نفس نفس ہے غلام
یہ زندگی ہے تو اس زندگی کو میرا سلام

مری نگاہ میں ہے حسنِ جوہرِ شمشیر
تری نگاہ میں آرائشِ غلافِ نیام

تغیراتِ خیال و نظر کے پردے میں
نہ ابتدائے سحر ہے نہ انتہائے شام

یقین مرکزِ توحید پر رہا لیکن
تصوارت کے سانچے میں ڈھل گئے اصنام

خرد کے ساتھ جنوں کا نباہ ہو نہ سکا
یہ مصلحت ہے سراپا وہ سوز و درد تمام

ہزار تاج محل اور ایک نقشِ خودی
بس ایک ذرۂ دل اور بے شمار اھرام

ٹھہر ٹھہر کہ زمانہ پکارتا ہے تجھے
سنبھل سنبھل کہ ہے پھر تیز گردشِ ایام

وہ زہد جو کہ رضامند ہو غلامی پر
ہے ایسے زہد پہ آب و ہوائے خلد حرام
وہ سر زمینِ حرم جو ہے اہلِ دل کی پناہ
فرنگیوں نے وہاں بھی بچھا دئے ہیں دام
تمام مشرق و مغرب خراب ہیں اے دوست!
سیاسیات کے فتنے فریبِ علمِ کلام
تراشِ حیلہ و رخصت، خیالِ وجد و سماع
یہ مفتیوں کی شریعت وہ صوفیوں کا مقام
جبیں پہ داغِ غلامی لبوں پہ موجِ درود
جنابِ شیخ پہ مشکل سے آئے گا الزام
سکون و عیش تو اہلِ ہوس کی قسمت ہے
ازل کے دن سے محبت رہی ہے بے آرام

○

معرفت ہے نہ محبت نہ پیمبر نہ کتاب
علم حاضر کا یہ عالم کہ حضوری نہ غیاب
دست بے باگ کی جرأت نہ ہو جب تک کہ شریک
صرف نظارے سے کھلتے ہیں کہیں بندِ نقاب
وہی انسان ہے اس دہر میں بیدار ضمیر
ہر نفس جس کے لئے آج بھی ہے روزِ حساب
عیش کی نیند مسلماں کو سلا دیتی ہے
نرمیٔ اطلس و زربفت و حریر و کمخواب
تو نے کانٹے کی جراحت بھی نہ دیکھی اے دوست
تیری دنیا میں ہے یہی راحتِ نسرین و گلاب
حکمِ رمضاں میں وہ تاویل کی لیتا ہے پناہ
جو کہ ہے خوگرِ خس خانہ و قند و برفاب
یہ فضا! ہائے یہ دنیا' یہ جہانِ تہذیب
عشق بے خواب ہے جس کا، نہ محبت بے تاب
ٹوٹ کر سطح کو بے چین تو کر جاتے ہیں
آبگینے یہ ہوا کے یہی کمزور حباب
کس مجاہد کی یہ پھونکوں کا اثر ہے ماہر
گل ہوئی جاتی ہے تہذیب کی روشن شبِ تاب

○

زمانہ آج بھی سوزِ یقیں سے ہے محروم
کھٹک رہے ہیں وہی راز ہائے نا معلوم
حقیقت اپنی جگہ خود ہے بے نیازِ کشود
جو شرح کی ہے تو کچھ اور الجھ گیا مفہوم
یہ بلبلے، یہ بگولے یہ رنگ و بو کے طلسم
یہ انقلاب کے دعوے، ترقیوں کی دھوم
مآلِ شدتِ احساس تیری عمر دراز
کبھی کبھی تو مری آہ ہو گئی منظوم

ہوس ہے مصلحت انگیز اور عشق غیور
جنوں کا ایک طریقہ، خرد کے لاکھ رسوم
دل و نگاہ کی پاکیزگی کو میرا سلام
یہ باغیوں کی روش پر جوانیوں کے ہجوم
ستارے کیا مری تقدیر کا پتا دیں گے
کریں نہ زائچے تیار اہلِ علمِ نجوم
نہ معرفت، نہ بصیرت نہ عصمتِ کردار
مسائل نظری کو سمجھ لیا ہے علوم
میں تجربہ کی بنا پر یہ بات کہتا ہوں
نہ عشق سادہ طبیعت نہ حسن ہے معصوم

○

یہ مصلحت کی زباں میں پیامِ بیداری
اسی کا نام ہے اے دل، خرد کی عیاری
وہ بوالہوس ستمِ حسن کیا اٹھائے گا
جو کر سکا نہ محبت کی نازبرداری
یہ خستگی ہے کہ برگِ زمیں فتادہ پر
کہاں کی دھوپ یہ پھولوں کی چھاؤں ہے بھاری
وہ زندگی کہ نہیں جس میں جذب و مستی و سوز
وہ زندگی تو حقیقت میں خود ہے بیماری
ہے تیرے واسطے اک کھیل سعی و طوفِ حرم
کہ تو ہے دل سے نظر تک تمام زنّاری
یہ چھیڑ چھاڑ یہ نغمے یہ شعر و افسانہ
یہ لڑکیاں ہیں کہ ہیں شاہدانِ بازاری
خدا کے واسطے اس روزِ احتساب سے ڈر
کہ جب ہوں دیدہ و دل مجرمانِ اقراری
نہ تاجِ قیصر و سنجر نہ دولتِ پرویز
مرے لئے ہے بہت کچھ متاعِ خوداری
کہاں کی محفلِ نغمہ، کہاں کے قصرِ چمن
ترا مقام تو ہے بوذریؓ و کراریؓ

○

مسلم کہ ہے من جملۂ آیاتِ الٰہی
مسجد میں فرشتہ ہے تو میداں میں سپاہی
سجدوں کا ہے یہ داغ کہ ہے مہرِ غلامی
ہے شیخ کے ماتھے پہ سپیدی کہ سیاہی
ہر سانس ہو تیرے لئے پیغامِ قیامت
کھل جائیں ترے دل پہ جو اسرارِ نواہی
یہ کفر کے سایہ میں نمازوں پہ نمازیں
اللہ رے! زہّاد کی ناکردہ گناہی
اشعار ہی اشعار، فسانے ہی فسانے
تلقینِ غزالیؒ ہے نہ تفسیرِ فراہیؒ
توحید کا اقرار زباں سے پہ کہاں تک
دے اپنے عمل سے بھی تو اے دوست! گواہی
قبروں پہ مسلمان خواتین کا جھرمٹ
اور اس پہ مجاور کی وہ دزدیدہ نگاہی
ہو روس کی تہذیب کہ آئینِ فرنگی
دونوں میں ہے اللہ کے بندوں کی تباہی

○

کہیں پیسہ کہیں روٹی خدا ہے
نہ جانے آدمی کیا ہو گیا ہے

کہیں تقویٰ مگر بے دست و پا ہے
کہیں رندی ہے اور محشر بپا ہے

کہیں تدبیر ہی تدبیر سب کچھ
کہیں مفلوج ہاتھوں کی دعا ہے

کہیں مسجد میں ویرانہ کا منظر
کہیں قبروں پہ میلہ لگ رہا ہے

کہیں فردوس کی رعنائیاں ہیں
کہیں دوزخ کا دروازہ کھلا ہے

کہیں ملتا ہے مکاری پہ انعام
کہیں حق بات کہنا بھی خطا ہے

الٰہی! دین اور ایمان کی خیر
بہت نازک زمانہ آ گیا ہے

○

دل کی دھڑکن سے پیالوں کی کھنک دب جائے گی
عیش کا افسانہ دنیا اب نہیں دہرائے گی
چنگ و بربط اب نہ بننے پائیں گے فردوسِ گوش
قلقلِ مینا بھی سرمہ در گلو ہو جائے گی
تیغ کی جھنکار پہ جھومے گی روحِ بادہ خوار
چشمِ ساقی اب کسی کو بھی نہیں بہکائے گی
لالۂ خونیں کفن دے گا پیامِ زندگی
جب کبھی گلشن پہ ساون کی گھٹا لہرائے گی
خاک کے ذرّے بھی ڈالیں گے ستاروں پر کمند
پھول کی پتی شفق کو آئنہ دکھلائے گی
کھل گیا اہلِ چمن پر نرمیٔ گل کا فریب
بلبلِ خوشرنگ اب کانٹوں سے جی بہلائے گی
کوئی بھی اس کو نہیں دے گا سہارا دیکھنا!
موجِ بوئے گل اگر چلتے میں ٹھوکر کھائے گی
منزلِ عیش و طرب سے اب میں کوسوں دور ہوں
اب ہوا کی موج کیوں تلوے مرے سہلائے گی

صرف اک "اللہ" پر ہو گا ہر اک کو اعتماد
فطرتِ انساں نہ خوفِ غیر سے گھبرائے گی
خیر مقدم کے لئے آغوش وا ہو جائے گا
زندگانی دل کی پہچل بھی اگر سن پائے گی
دیکھنا! اس وقت ماہر دینِ فطرت کی بہار
ساری دنیا ایک ہی مرکز پہ جب آ جائے گی

○

مرے ماتھے پہ ہلکی سی شکن بھی آ نہیں سکتی
ہجومِ غم میں بھی فطرت مری گھبرا نہیں سکتی

نہ جس میں سوزِ ایمانی نہ جس میں روحِ قرآنی
مسلمانوں کو ایسی زندگی راس آ نہیں سکتی

مری منزل بہت آگے ہے عیشِ لالہ و گل سے
نسیمِ صبح بھی تلوے مرے سہلا نہیں سکتی

ذرا ہشیار رہنا مردِ مومن کی فراست سے
کہ یہ بارِ دگر اے دوست! دھوکا کھا نہیں سکتی

وہ دل ہی کیا کہ جس دل میں نہ ہو طوفانِ بے تابی
اسے بجلی نہیں کہتے کہ جو لہرا نہیں سکتی

کسی صورت مرا ذوقِ طلب کم ہو نہیں سکتا
مجھے تلوار کی جھنکار بھی ٹھہرا نہیں سکتی

محبت اور ہوس میں کس قدر ہے فرق اے ماہر
مگر یہ بات دنیا کی سمجھ میں آ نہیں سکتی

○

خیال و فکر کی شیشہ گری میں کچھ بھی نہیں
یقیں نہ ہو تو فقط آگہی میں کچھ بھی نہیں
بغیر سوزِ دروں زندگی میں کچھ بھی نہیں
جو یہ نہیں ہے تو پھر آدمی میں کچھ بھی نہیں
نہ ولولے ، نہ تمنا ، نہ اضطراب ، نہ شوق
گل و سمن کی شگفتہ ہنسی میں کچھ بھی نہیں
خود اپنے سازِ دل و جاں سے نغمہ پیدا کر
کہ چنگ و عود کی نغمہ گری میں کچھ بھی نہیں
حیات، سعیِ مسلسل کا نام ہے اے دوست!
دل و نگاہ کی آسودگی میں کچھ بھی نہیں
گرہ میں باندھ لے ہم سے قلندروں کی بات
شکوہِ قیصری و سروری میں کچھ بھی نہیں
لبوں پہ حرفِ محبت دلوں میں بغض و نفاق
یہ دوستی ہے تو پھر دشمنی میں کچھ بھی نہیں
"بیار دستے و بردوشِ آفتاب انداز"
کہ جگنوؤں کی طرح روشنی میں کچھ بھی نہیں
متاعِ عیش و مسرت کے ڈھونڈنے والو!
سوائے درد مری شاعری میں کچھ بھی نہیں

انجمن

(غزلیں)

جس دل میں خدا کا خوف رہے باطل سے ہراساں کیا ہو گا
جو موت کو خود لبیک کہے وہ حق سے گریزاں کیا ہو گا

آئینِ چمن بندی بھی نہیں، دستورِ نو اسنجی بھی نہیں
اب اس سے زیادہ گلشن کا شیرازہ پریشاں کیا ہو گا

اربابِ محبت سے یہ کہو، شکوے نہ کریں، کچھ کام کریں
جو ظلم و ستم پر اترائے شکووں سے پشیماں کیا ہو گا

جو لوگ ہوا کے ساتھی ہیں وہ اپنے خدا کے باغی ہیں
اس جرمِ بغاوت سے بڑھ کر ایمان کا نقصاں کیا ہو گا

جس کشتی کی پتواروں کو خود ملاحوں نے توڑا ہو
اس کشتی کے ہمدردوں کو پھر شکوۂ طوفاں کیا ہو گا

مدت سے کشاکش جاری ہے صیاد میں اور گلچینوں میں
تنظیمِ گلستاں ہونے تک انجامِ گلستاں کیا ہو گا

جس چوٹ سے دل میں ہل چل ہے، آہوں میں وہ ظاہر کیا ہو گی
سینہ میں جو محشر برپا ہے اشکوں سے نمایاں کیا ہو گا

اس شامِ خزاں نے اب تک تو ہر طرح سے پردہ داری کی
جب صبحِ بہار آ جائے گی اے تنگئی داماں کیا ہو گا

خلوت ہو کہ جلوت ہو ماہر دل کھویا کھویا رہتا ہے
اس غم کی تلافی کب ہو گی، اس درد کا درماں کیا ہو گا

○

اس طرف بھی نظر اے دیدۂ صاحب نظراں
میں نے ذروں سے تراشے ہیں ستاروں کے جہاں
دل کی چوٹیں کہیں آواز میں ڈھل سکتی ہیں
اتنی پرسوز ہے اس پر بھی ادھوری ہے فغاں
آہ! وہ ذرہ نہ ہو جس پہ گمانِ خورشید
ہائے! وہ قطرہ کہ جس میں نہیں جذبِ طوفاں
ہاں! دعا دے مری اس خوش نگہی کو اے دوست!
اس سے پہلے ترے جلووں کا یہ عالم تھا کہاں
حسن تو حسن، محبت کو نہیں یہ معلوم،
نفسِ غنچہ بھی ہے دل کی نزاکت پہ گراں
مجھ کو خود اپنی خموشی پہ ترس آتا ہے
کون سمجھے گا زمانہ میں محبت کی زباں
ناوک انداز! ذرا دیکھ کے ناوک فگنی
تیر کے ساتھ ہی ہاتھوں سے نہ چھٹ جائے کماں
کتنے دل سجدہ گزاری کے لئے جاگ اٹھے
نالۂ نیم شبی ہے کہ محبت کی اذاں

آہِ شبگیر کی زد میں ہے نظامِ مہ و مہر
سینۂ زہرہ و پرویں سے نکلتا ہے دھواں
گرمیٔ نالۂ بلبل کا اثر کیا کہئے!
لالہ و گل کی جبینیں بھی ہیں شبنم افشاں
اپنے ماہر پہ جفا اور جفا اور جفا
"اے جفا ہائے تو خوش ترزِ وفائے دگراں"

○

صبر آزما تھے لمحے شبِ انتظار کے
پھر بھی الٹ دیئے ہیں ورق روز گار کے

کچھ اور ہی تھے اب کے تقاضے بہار کے
ہم رہ گئے ہیں پھر بھی طبیعت کو مار کے

جھونکے کچھ آ گئے تھے نسیمِ بہار کے
چلتے بنے دبی ہوئی چوٹیں ابھار کے

ان غمزدوں کی بیکسیٔ غم نہ پوچھئے
جو انتظار ہی میں رہے غمگسار کے

اے دوست! تیری وعدہ خلافی کی خیر ہو
اب ڈگمگا رہے ہیں قدم اعتبار کے

○

رضائے دوست جہاں لازمی نہیں ہوتی
کچھ اور چیز ہے وہ بندگی نہیں ہوتی

تسلیوں سے بھی غم میں کمی نہیں ہوتی
یہ بات وہ ہے کہ جو گفتنی نہیں ہوتی

لطافتِ نگہِ ملتفت کا کیا کہنا
کبھی کبھی تو یہ محسوس بھی نہیں ہوتی

دلوں کے واسطے نورِ یقیں ضروری ہے
فروغِ مہر سے تابندگی نہیں ہوتی

یہ بزمِ عیش و ہوس یہ جہانِ سود و زیاں
بڑے بڑوں سے یہاں عاشقی نہیں ہوتی

نگاہِ حسن کی یہ تہمتیں ارے توبہ!
اب ان کی شوق سے تردید بھی نہیں ہوتی

یہ لازمی ہے کہ دل بھی شریک ہو ماہر
دماغ ہی سے فقط شاعری نہیں ہوتی

○

شاخیں جھک جھک کے کریں جب گل و ریحاں کو سلام
میری جانب سے بھی یارانِ گلستاں کو سلام

کاروانِ دلِ بے تاب ہے منزل کے قریب
اب ہمیشہ کے لئے عمرِ گریزاں کو سلام

وحشتِ عشق پہ ہنستے ہوئے چہروں کی قسم!
صبح کرتی ہے مرے چاکِ گریباں کو سلام

کوچۂ عشق کے ہر خاک بسر کو سجدہ
منزلِ شوق کے ہر بے سروساماں کو سلام

اب مجھے خود ہی بدلنی ہے زمانہ کی فضا
آخری بار مرا گردشِ دوراں کو سلام

لالہ و گل مرا مقصود ہیں لیکن ماہر
پھر بھی کانٹوں میں الجھتے ہوئے داماں کو سلام

○

عہدِ غم ، دورِ مصیبت بھی گزر جائے گا
یہ بھی طوفاں کسی روز اتر جائے گا

اللہ اللہ! ترے گیسو کا مزاجِ برہم
آج شیرازۂ کونین بکھر جائے گا

صبحِ فردا ترے بیمار پہ ہو گی نہ طلوع
کاروانِ غمِ امروز کدھر جائے گا

پرسشِ غم سے کہیں ذوقِ خلش جاتا ہے
دلِ بے تاب، ٹھہرنے کو ٹھہر جائے گا

شکوہ ہجر پہ ہو جائیں گے عارض گلنار
اور بھی رنگِ رخِ یار نکھر جائے گا

شاید اس وقت وہ آئیں گے تسلی دینے
درد تسکین کی حد سے بھی گزر جائے گا

ان نگاہوں سے یونہی ربط رہا گر ماہر
میرا اندازِ غزل اور سنور جائے گا

○

طلسمِ ہوش و مستی ہے یہ دھوکا ہے کہ نظّارہ
نفس لرزیدہ لرزیدہ نظر آوارہ آوارہ
میں اس منزل سے گزرا کاروانِ آگہی لے کر
کہ جس منزل میں ٹھوکر کھا گیا منصور بیچارہ
مری فطرت کی یہ حالت نہ مجبوری نہ مختاری
مری ہستی کا یہ عالم نہ ثابت ہے نہ سیارّہ
مرے احباب کی طرزِ نوازش آہ کیا کہئے!
مجھے دینا پڑا شاید بھلائی کا بھی کفارّہ
محبت جس کو سمجھے تھے وہ اک پرتو ہوس کا تھا
بہت دن میں کھلا ماہر فریبِ نفسِ امّارہ

○

شگفتِ گل کو ہوا میّسر نہ لالۂ دلنواز میں ہے
نشاط و مستی کا وہ تبسم جو نرگسِ نیم باز میں ہے
کبھی ہے باطل پہ حق کا دھوکا کبھی حقیقت مجاز میں ہے
ابھی تری چشمِ خود تماشا کشاکشِ امتیاز میں ہے
یہی خوشی وجہِ زندگی ہے اسی بھروسہ پہ جی رہا ہوں
کہ میری دیوانگی کا منظر نگاہِ دیوانہ ساز میں ہے
زہے تصور ! خوشا تخیل ! تبارک اللہ! یاد تیری
نظر نظر محوِ بندگی ہے نفس نفس اب نماز میں ہے
ستارۂ صبح سو نہ جائے طلوعِ خورشید ہو نہ جائے
زمانہ کروٹ نہ لینے پائے کہ حسن ابھی خوابِ ناز میں ہے

○

وہ ہیں سر گرمِ کرم مجھ کو پریشاں دیکھ کر
دل بڑی مشکل میں ہے مشکل کو آساں دیکھ کر

اِس طرف گرداب حائل، اُس طرف موجوں کا زور
بڑھ رہا ہوں رفتہ رفتہ نبضِ طوفاں دیکھ کر

قصّہ غم چھیڑ کر میں خودپشیماں ہو گیا
ان کی آنکھوں کو ابھی سے شبنم افشاں دیکھ کر

حسن کے ہونٹوں پہ ہلکا سا تبسم آ گیا
عشق کو ناواقفِ آدابِ زنداں دیکھ کر

اے مرے جوشِ جنوں! "لے" اس قدر بڑھنے نہ پائے
دیکھ کر، آویزشِ دست و گریباں دیکھ کر

حضرتِ ماہر تمہارا ان دنوں کیا حال ہے
جیسے چونکا ہو کوئی خوابِ پریشاں دیکھ کر

○

کچھ ایسے درد سے گھبرا کے آہ کی میں نے
غمِ فراق میں اک روح پھونک دی میں نے

میں شرمسارِ محبت ہوں تیرے غم کی خیر
دعائے مرگ بھی کی ہے کبھی کبھی میں نے

وفا شناس نہیں ہم، وفا شعار بھی ہیں'
وہ کہہ رہے تھے، ہنسی روک روک لی میں نے

یہ دیکھ کر کہ ہے سازِ حیات بے آواز
خرد کے ہاتھ سے مضراب چھین لی میں نے

مری بساط کو دیکھ اور میرے دل کو دیکھ
اٹھا لیا ہے ترا بارِ عاشقی میں نے

تم آ گئے زہے قسمت! تمہاری عمر دراز
تمہارا نام لیا تھا ابھی ابھی میں نے

جہاں میں مہرِ وفا کا نشاں نہیں ماہر
کہ دوستوں کی محبت بھی دیکھ لی میں نے

○

مجھے فریب نہ دے اے نشاطِ میخانہ
میں سن رہا ہوں صدائے شکستِ پیمانہ

جہاں جنوں سے بھی ہے چشمکِ حریفانہ
گزر رہا ہے اب ان منزلوں سے دیوانہ

نہ آرزوئے بہاراں نہ خوفِ دورِ خزاں
نہ جانے کس نے رکھی تھی بنائے ویرانہ

صنم کدوں کے پجاری ہیں مسجدوں کے امام
حرم کے بھیس میں ہے پھر فروغِ بت خانہ

گدازِ شمع سے واقف، نہ سوزِ غم کی خبر
الجھ رہا ہے ابھی روشنی سے پروانہ

کوئی سنے نہ سنے میں سنائے جاتا ہوں
مرا کلام ہے ماہر سرودِ مستانہ

○

سازِ دل جب شبِ فرقت میں صدا دیتا ہے
کوئی آواز میں آواز ملا دیتا ہے
یہ ترا نازِ تغافل بھی مزا دیتا ہے
ہر نظر کو غلط انداز بنا دیتا ہے
آتشِ دل کو اجالے سے ملا دیتا ہے
گرمیٔ شمع کو پروانہ بڑھا دیتا ہے
جانتا ہوں ترے اندازِ کرم کو اے دوست!
نگہِ لطف سے دھوکا مجھے کیا دیتا ہے
شاید اب آخری تدبیر بھی ناکام ہوئی
چارہ گر بھی مجھے جینے کی دعا دیتا ہے
دوستو! زاہدِ خودبیں سے سنبھل کر رہنا
راہ چلتوں پہ یہ الزام لگا دیتا ہے
اس کی بیگانہ نگاہی پہ نہ جا اے ماہر
حسن انسان کو سنجیدہ بنا دیتا ہے

○

نگاہ و دل کو تجلّی بنا دیا جائے
جو تم کہو تو یہ پردہ اٹھا دیا جائے
غرورِ حسن کی آخر کوئی نہایت بھی
کبھی کبھی تو ذرا مسکرا دیا جائے
حریمِ دل میں کوئی بے نیاز آتا ہے
چراغِ شوق و تمنا بجھا دیا جائے

○

ترا یہ نازِ تغافل مرے سلام کے بعد
اب اور کیا ہے ارادہ اس انتقام کے بعد

منزلِ دوست نہیں رہگذرِ عام ابھی
سیر کرنے کو نہ آئیں سحر و شام ابھی
اسی رستہ سے گیا ہے بتِ خود کام ابھی
میں نے دیکھی تھی یہیں گردشِ ایام ابھی
لطفِ صیاد پہ اترائیں نہ اربابِ چمن
مجھ کو آتا ہے نظر سلسلۂ دام ابھی
عشق وارفتہ و بے تاب، زمانہ بے ذوق
حسن پر آ نہ سکے گا کوئی الزام ابھی
زینتِ منبر و محراب نظر آتے ہیں
فکرِ انساں کے تراشے ہوئے اصنام ابھی

شمع کا عالم ، صبح کا منظر
سخت گھڑی ہے پروانوں پر
یارانِ ساحل ہی نہیں جب
کیا ہو گا اب پار اتر کر
عشق کی نظریں اللہ اللہ
کھلنے لگے اب حسن کے جوہر
ہائے خوشی ، اے وائے مسرت
پھر غم آیا بھیس بدل کر

فغاں! کہ لذتِ ضبطِ فغاں نے لوٹ لیا
فریب دے کے مجھے رازداں نے لوٹ لیا

مری حیات کا ضامن وہی سفینہ تھا
کہ جس کو کشمکشِ درمیاں نے لوٹ لیا

کسی کو برق کے شعلوں نے کردیا برباد
کسی کو موجۂ آبِ رواں نے لوٹ لیا

مری جبینِ محبت کو ناز ہے اس پر
وہ سجدہ جس کو ترے آستاں نے لوٹ لیا

○

نہ فکر و غم نہ دل کی پاسداری
جنوں ہے اک طرح کی ہوشیاری
تبسم یا گلستاں کا سویرا
خرامِ ناز یا بادِ بہاری
گزر جا لالہ و گل سے گزر جا
جہانِ رنگ و بو ہے اعتباری
محبت ضبط و خاموشی ہے ماہر
فغاں کیا ہے! دلیلِ خامکاری

○

رازِ ہستی کی یہاں کس کو خبر ہوتی ہے
زیست اک سلسلۂ شام و سحر ہوتی ہے
میں تری یاد کو اے دوست! دعا دیتا ہوں
زندگی غم میں بھی راحت سے بسر ہوتی ہے
ٹھوکروں ہی سے تو ملتا ہے سراغِ منزل
ظلمتوں ہی سے نمودار سحر ہوتی ہے
وہ ابھی سامنے آئے تھے تصور بن کر
دل کی دھڑکن سے بھی تائیدِ نظر ہوتی ہے

○

کچھ بھی نگہِ دوست پہ الزام نہیں ہے
اب تک کوئی شائستۂ پیغام نہیں ہے
خطرے ہیں یہاں بھی کوئی آرام نہیں ہے
کہنے کو نشیمن کا قفس نام نہیں ہے
اگلا سا وہ رنگِ سحر و شام نہیں ہے
پہلے کی طرح گردشِ ایام نہیں ہے
رہرو ہے جو بیٹھا ہے تو اب اٹھ نہیں سکتا

منزل ہے کہ جز رحمتِ یک گام نہیں ہے
پھر بھی کوئی دامن نہ اچھوتا نظر آیا
ہر چند محبت ہوسِ خام نہیں ہے
کچھ اور ہے درکار مری تشنہ لبی کو
ساقی سے مرا واسطۂ جام نہیں ہے
دیتی ہے تجھے زیب یہ وعدہ شکنی بھی
اتنی سی بھی گنجائشِ الزام نہیں ہے
میں شکوہ گزارِ ستمِ دوست ہوں ماہر
اب مجھ سے خفا گردشِ ایام نہیں ہے

○

ان کے وعدوں سے دل بہل نہ سکے
دیر تک سلسلے یہ چل نہ سکے
یوں تو ہر قید توڑ دی ہم نے
دامِ امید سے نکل نہ سکے
تھے وفا ناشناس پروانے
شمع کے ساتھ ساتھ جل نہ سکے

○

دل میں اب آواز کہاں ہے
ٹوٹ گیا تو ساز کہاں ہے
آنکھ میں آنسو لب پہ خموشی
دل کی بات اب راز کہاں ہے
سرو و صنوبر سب کو دیکھا
ان کا سا انداز کہاں ہے
دل، خوابیدہ، روح افسردہ
وہ جوشِ آغاز کہاں ہے
پردہ بھی جلوہ بن جاتا
آنکھ تجلّی ساز کہاں ہے

○

احساسِ خوشی مٹ جاتا ہے افسردہ طبعیت ہوتی ہے
دل پہ وہ گھڑی بھی آتی ہے جب غم کی ضرورت ہوتی ہے
دو حرف بھی میرے سن نہ سکے تم اتنے کیوں بے زار ہوئے
میں نے تمہیں اپنا سمجھا تھا اپنوں سے شکایت ہوتی ہے
یہ سود و زیاں کے پیمانے یہ جھوٹے سچے افسانے
ان اہلِ ہوس کی باتوں سے بدنام محبت ہوتی ہے
ماہر کی سادہ باتوں سے اللہ بچاتا ہی رکھے
خود تو یہ بڑے ہی حضرت ہیں اوروں کو نصیحت ہوتی ہے

○

یہ تو مرے نصیب ہیں مجھ کو خوشی نہ مل سکی
آپ نے کچھ کمی نہ کی کوششِ التفات میں

بزمِ شہود سے بلند ایک جہان اور ہے
صَرف نہ کر نگاہ کو صِرف مشاہدات میں

اے دلِ خوگرِ صفات کچھ بھی نہیں تری بساط
وہم کا بھی گزر نہیں ان کے حریمِ ذات میں

مجھ کو بھی خود یقیں نہیں شوق نے کیسے طے کئے
غم کے ہزار مرحلے ہجر کی ایک رات میں

نگاہ دل کی طرح بے قرار کیا ہو گی
نظر سے دل کی خلش آشکار کیا ہو گی

جس آئنہ میں تخیل سے بال پڑ جائے
اس آئنہ کو نظر کی سہار کیا ہو گی

اسے امید تو ہے فصلِ گل کے آنے کی
مری طرح سے خزاں سوگوار کیا ہو گی

یہ سوچ کر ہی مصیبت کے دن گزارے ہیں
کہ زندگی میں یہ مدت شمار کیا ہو گی

○

مرا دل لائقِ رنج و محن ہے
مگر یہ بھی تمہارا حسنِ ظن ہے
اسے راس آئے گی کیا شامِ غربت
نظر پروردۂ صبحِ وطن ہے
زہے عظمت! مری خاکِ نشیمن
زیارت گاہِ اربابِ چمن ہے

○

دنیا کو کہیں مسکنِ راحت نہ سمجھنا
دوزخ ہے یہ دوزخ، اسے جنت نہ سمجھنا

تکبیر میں اخلاص نہ سجدوں میں صداقت
زاہد کی نمازوں کو عبادت نہ سمجھنا

اے دوست! تری زیست ہے اک جہدِ مسلسل
فرصت بھی میسر ہو تو فرصت نہ سمجھنا

وہ دور چلے جائیں تو دلگیر نہ ہونا
وہ پاس بھی آ جائیں تو قربت نہ سمجھنا

دل میں ہے وہی ساغر و مینا کا تصور
میخوار کی توبہ کو ندامت نہ سمجھنا

یہ چہرۂ بے رنگ یہ ویران نگاہیں
اے دوست! مرے غم کو شکایت نہ سمجھنا

○

وہ سفینہ جو کنارے سے گریزاں ہو گا
اس کو کیا شکوۂ بے تابیٔ طوفاں ہو گا

فصل گل آئے گی پھر عیش کا ساماں ہوگا
دور تک سلسلۂ ابرِ بہاراں ہو گا

مرحلہ غم کا ہے مشکل مگر آساں ہو گا
تم نہ چاہو گے تو کیوں حال پریشاں ہو گا

آندھیاں آئیں گی تنظیمِ گلستاں ہو گی
بجلیوں ہی سے نشیمن میں چراغاں ہو گا

پرسشِ غم کا وہ ہنس ہنس کے ارادہ نہ کریں
ایسی باتوں سے تو جی اور پریشاں ہو گا

میں نے کھائے ہیں بہت تیری نگاہوں کے فریب
مجھ پر اب کیا اثرِ گردشِ دوراں ہو گا

یہی قطرے ہیں جو مل جل کے بنیں گے طوفاں
انہی ذروں سے نمودار بیاباں ہو گا

آتے آتے ہی محبت میں قرار آئے گا
ہوتے ہوتے ہی علاجِ غمِ پنہاں ہو گا

رسم و آداب تو ہیں ہوش کی باتیں ماہر
وہ جنوں کیا ہے جو پابندِ گریباں ہو گا

○

اب نہیں ہے وہ نگاہِ شوق کی بے ماءگی
بند آنکھوں کو مبارک عشرتِ نظّارگی

زلفِ سنبل بے نیازِ زحمتِ مشّاطگی
حسنِ فطرت ہے سراپا سادگی ہی سادگی

گریۂ شبنم سے پھولوں کو سہارا مل گیا
آنسوؤں نے پھونک دی گلشن میں روحِ تازگی

یاد آتے ہی ترے دنیا کے غم یاد آ گئے
ظلمتوں میں گم ہوئی جاتی ہے پھر تابندگی

اہلِ کشتی کو غمِ طوفان و بیمِ موج موج
اہلِ ساحل مبتلائے فتنۂ آسودگی

لمحہ لمحہ اضطراب و لحظہ لحظہ انقلاب
ختم ہونے کو ہے شاید اقتدارِ خواجگی

ہر نظر لطفِ تجلّی، ہر نفس پیغامِ دوست
ایسے عالم میں ہے کس کو فرصتِ آوارگی

میری شانِ بندگی مختار ہے آزاد ہے
میرا یہ مسلک نہیں ہے "بندگی بیچارگی"

او نگاہِ فتنہ ساماں! اے خدنگِ کامیاب
تو نے کس کافر سے سیکھی ہے تغافل پیشگی

دیکھتے ہیں آپ ماہر کو عجیب انداز سے
کچھ توجہ، کچھ حیا، کچھ ناز، کچھ بیگانگی

○

فکرِ موجِ طوفاں سے واسطا نہیں رہتا
جب کبھی سفینہ میں ناخدا نہیں رہتا

وہ نہیں تو غم ان کا ساتھ ساتھ رہتا ہے
ان سے چھوٹ کر بھی دل کچھ برا نہیں رہتا

دل میں اور آنکھوں میں صرف انہی کے جلوے ہیں
اب ہماری دنیا میں دوسرا نہیں رہتا

منزلِ محبّت میں سوچ کر قدم رکھنا
پھر کہیں بھی جانے کا راستہ نہیں رہتا

دل لہو لہو ہے جب پھر ہنسی سے کیا حاصل
اس طرح چھپانے سے غم چھپا نہیں رہتا

داستانِ غم سن کر کچھ نہ کچھ تو کہہ دیجے
اتنی دیر تک کوئی سوچتا نہیں رہتا

مجھ پہ ایسے عالم بھی زندگی میں گزرے ہیں
آشنا بھی جب ماہر آشنا نہیں رہتا

○

کسی سے مل کے جہاں حسن چال چلتا ہے
اسی جگہ سے محبت کا رخ بدلتا ہے
خدا کے واسطے کر داغِ آرزو کی قدر
کہ مدتوں میں یہ سورج کہیں نکلتا ہے
فروغِ مہر بھی دیکھا، نمودِ گلشن بھی
تمہارے سامنے کس کا چراغ جلتا ہے
ابھی تو صرف ہے آغازِ انتقامِ وفا
ابھی تو حسن فقط کروٹیں بدلتا ہے

○

غم نہ ہوتا کوئی تسکیں کا نہ ساماں ہوتا
آدمی صرف پریشاں ہی پریشاں ہوتا
لالہ و گل نہ سمجھنا مرے دل کو اے دوست!
غم کوئی رنگ نہیں ہے جو نمایاں ہوتا
وہ جو آئے تھے تو اے ضبط! بہ عنوانِ خوشی
کم سے کم ایک ہی آنسو سرِ مژگاں ہوتا

○

عقل بایں یقین و عزم شرک میں مبتلا بھی ہے
فضلِ خدا پہ ہے نظر منتِ ناخدا بھی ہے

موت کی شکل دیکھ کر آدمی مطمئن نہ ہو
یعنی اس انتہا کے بعد اور اک ابتدا بھی ہے

آہ! وہ آنکھ جس میں ہیں یاس و امید ساتھ ساتھ
ہائے! وہ آہِ سرد جو شکر بھی ہے گلہ بھی ہے

آپ کے عہد میں کہیں حسن کو لوگ بے وفا
آپ کو کچھ خبر بھی ہے آپ نے کچھ سنا بھی ہے

میری نگاہِ شوق کو ان کی نگاہِ شوخ سے
پاس کی نسبتیں بھی ہیں دور کا واسطا بھی ہے

○

میں کیا کروں مرے دل کی عجیب حالت ہے
تری نوازشِ پیہم سے بھی شکایت ہے
کبھی گلہ تری بیگانگی سے تھا مجھ کو
جو اب ہوئی ہے توجہ تو اک قیامت ہے
میں اس کے ناز اٹھاؤں کہ دوں صلائے نیاز
وہ حسن جو مری تقدیر سے محبت ہے

مرے عزمِ سجدہ کی سادگی ہے تمام حاصلِ بندگی
کہ ابھی سے بابِ قبول کو کسی التجا کی تلاش ہے

○

زوالِ ابنِ آدم ہو رہا ہے
یہ کیا دنیا کا عالم ہو رہا ہے
قدم اٹھتے ہی بڑھ جاتی ہے منزل
بہ ظاہر فاصلہ کم ہو رہا ہے
کسے شعلوں کے افسانے سناؤں
یہاں تو ذکرِ شبنم ہو رہا ہے
تری پلکوں پہ لرزاں ہیں ستارے
یہ کس ظالم کا ماتم ہو رہا ہے

○

رہبر کو پا سکا نہ مجھے ہم سفر ملے
دھندلے سے کچھ نشان سرِ رہگذر ملے
وہ میرے عرضِ غم پہ اچٹتی ہوئی نگاہ
جتنے مجھے جواب ملے مختصر ملے
لینا ہے مجھ کو فطرتِ عالم سے انتقام
قسمت سے دو دلوں کے ستارے اگر ملے

جو چیز ہے سرگرمِ سفر ہو کے رہے گی
ہر راہ تری را بگزر ہو کے رہے گی
پھولوں پہ بھی راحت سے گزر جائے گا اک دن
کانٹوں پہ بھی اک رات بسر ہو کے رہے گی

تری منزل گلستاں ہے نہ تیری راہ ویرانہ
گزر جا ہر مقامِ این وآں سے بے نیازانہ
ابھی ہے اس حقیقت سے چراغِ صبح بیگانہ
کہ سوزِ عشق گردش میں ہے پروانہ بہ پروانہ
تجھے خواہش سکوں کی اور میں جویائے بیتابی
ترا مشرب رواداری مرا مسلک حریفانہ

جوشِ جنوں کو چاہیئے ساماں نئے نئے
لائے کوئی کہاں سے گریباں نئے نئے

○

دل کو پھر ٹوٹی امیدوں نے سہارا دے دیا
آج کچھ جگنو اندھیرے میں نظر آنے لگے
آپ مجھ کو مل گئے کیوں زندگی کے موڑ پر
اور وہ بھی اس طرح ملتے ہی کترانے لگے

تباہی دین و ایماں کی تباہی
ارے توبہ! تری سادہ نگاہی
سنی جائے گی کیا دل کی گواہی
محبت خود ہے جرمِ بے گناہی
جنوں کے راستے سونے پڑے ہیں
نہ ہنگامہ نہ رہبر ہے نہ راہی
وہی دل اور امیدوں کا طوفاں
وہی غم اور اس کی بے پناہی
یقیں کے ساتھ شانِ بے نیازی
وہ درویشی ہے رشکِ کجکلاہی
مری دنیا ہے بس قرآن و شمشیر
نہ دو مجھ کو فریبِ خانقاہی

○

صبح چمن ہے انجمن آرا قفس قفس
ہے موجزن شمیمِ تمنا نفس نفس
رہبر بھی خود پسند ہیں رہرو بھی ست گام
خود منزلیں ہیں گرمِ تقاضا جرس جرس
اب بھی وہی ہیں حسن کی دیوانہ سازیاں
جوشِ جنوں ہے بادیہ پیما فرس فرس
ہنگامۂ نشاط ہمارے ہی دم سے تھا
فصلِ بہار آئے گی تنہا برس برس

جلوے تمام صرفِ نظر ہو کے رہ گئے
جو گل نہ بن سکے وہ شرر ہو کے رہ گئے

کس جوش سے چلے تھے مسافر مگر یہ کیا
آسودۂ نشاطِ سفر ہو کے رہ گئے

راہِ وفا نہ ختم ہوئی ہے نہ ہو سکے
اچھے رہے جو خاک بسر ہو کے رہ گئے

ذرے ہوئے بلند ہوا ان کو لے اڑی
قطرے ہوئے جو پست گہر ہو کے رہ گئے

جوشِ نیاز و ناز نہ طوفانِ سوز و ساز
کیا حسن و عشق شیر و شکر ہو کے رہ گئے

ماہر یہ جدتیں یہ ترقی پسندیاں
جتنے بھی عیب تھے وہ ہنر ہو کے رہ گئے

○

آدمی واقفِ اسرار نہ ہونے پائے
زندگی خواب سے بیدار نہ ہونے پائے
دل نے آغازِ محبت میں دعا مانگی تھی
جیت ہی جیت رہے ہار نہ ہونے پائے
دیکھ او شکوہ گزارِ شبِ فرقت ہشیار!
تری فریاد دلِ آزار نہ ہونے پائے

ان کی رفتار کی ہم نے تو یہ صورت دیکھی
چال کی چال قیامت کی قیامت دیکھی،
غمِ فرقت کی جو بڑھتی ہوئی شدّت دیکھی
موت نے میرے نہ مرنے کی ضرورت دیکھی

○

دید کے قابل ہے اس گل رنگ ماتھے کی شکن
جیسے برگِ لالہ و گل پر ٹھہر جائے کرن
بے اثر ہیں سینکڑوں نغمے نہ ہو گر دل میں سوز
ایک نالہ سے بدل جاتا ہے رنگِ انجمن
اے کراچی! تیرے نظارے کا پیہم شکریہ!
اس کو کیا کیجئے کہ پھر بھی یاد آتا ہے وطن

○

نہ طولِ وقت نہ اب فاصلے ہیں منزل کے
نگاہ لوٹ رہی ہے، نگاہ سے مل کے
مصیبتوں کی شکایت نہ آرزو کی طلب
بڑھا دئے ہیں ترے غم نے حوصلے دل کے
الٰہی خیر مرے شوقِ جستجو کی خیر
قدم قدم پہ ہیں آثار قربِ منزل کے

○

نہ وہ خلوتوں میں لذّت نہ وہ لطفِ انجمن ہے
اسی غم کا نام شاید غمِ دورئ وطن ہے
نہ گلے نہ کچھ شکایت نہ فسانہ و حکایت
ابھی عشق بے زباں ہے ابھی حسن کم سخن ہے
تجھے اپنے غم سے مطلب مجھے غم ہے دوسروں کا
ترے سامنے نشیمن مرے سامنے چمن ہے

جو تو نے دیکھا ہے خوابِ الفت تو اس کی تعبیر بھی ملے گی
جنوں ملے گا تو ساتھ اس کے ذرا ذرا آگہی ملے گی
ہوئے تھے جس دن اسیر ہم سب چمن کے آثار کہہ رہے تھے
تم آؤ گے جب چمن سے چھٹ کر بہار جاتی ہوئی ملے گی

بزم میں احساسِ فرقت اور ہو جاتا ہے تیز
مار ڈالے گا یہ ربطِ شمع و پروانہ مجھے

○

وعدہ کر لینے سے تو وعدہ وفا ہوتا نہیں
اوس کی بوندوں سے پیاسے کا بھلا ہوتا نہیں
آنکھ اٹھانے کا بھی مجھ کو حوصلہ ہوتا نہیں
ان کی محفل میں بھی ان کا سامنا ہوتا نہیں
ہر کسی کا دل نزاکت آشنا ہوتا نہیں
حسن کا ہر جور، جورِ ناروا ہوتا نہیں
کاش! اتنا سوچتا حسنِ تغافل آشنا
عشق ہر در پر مقدّر آزما ہوتا نہیں
یہ تو سب کہنے کی باتیں ہیں کہ دنیا ہیچ ہے
مرتے دم تک آدمی بے آسرا ہوتا نہیں
اے نگاہِ شوق! نظارّے کی جرأت سوچ کر
زندگی بھر پھر یہ کفارّہ ادا ہوتا نہیں

○

اک اک ادا تری دمِ رخصت نظر میں ہے
اب تک وہ دل نشین قیامت نظر میں ہے

غم کی شکایتیں نہ مسرت نظر میں ہے
اب کچھ نہیں ہے صرف محبت نظر میں ہے

پھولوں پہ ڈالتا ہوں جھجکتی ہوئی نگاہ
شبنم کے آنسوؤں کی نزاکت نظر میں ہے

میں کیا بتاؤں کون سا عالم ہے سامنے
معنی پہ ہے نگاہ نہ صورت نظر میں ہے

نظارہ گر نصیب نہیں ہے نہیں سہی
یہ بھی بہت ہے دید کی حسرت نظر میں ہے

ماہر وہ صبح و شامِ سوادِ وطن کہاں
چھ سال سے تو وادیٔ غربت، نظر میں ہے

○

پلک جھپکتے ہی میں نے دیکھا گزر چکا ہے بہت زمانہ
سمندِ عمرِ رواں کو شاید نفس کی جنبش ہے تازیانہ
نہ تجھ میں اندازِ خسروی ہے نہ مجھ میں جذبِ قلندرانہ
وہ تیری حالت برونِ در ہے یہ میرا عالم درونِ خانہ
جنوں کے آثار ہیں نمایاں بہار کا آ گیا زمانہ
خرد سے تم مشورہ نہ کرنا تراش دے گی کوئی بہانہ
مری طبیعت مسرتوں سے ہمیشہ دامن کشاں رہی ہے
کہ غم کی فطرت میں سادگی ہے خوشی کی فطرت ہے مجرمانہ
روش روش تیری رہگذر ہے، چمن چمن تیرا منتظر ہے
زمیں زمیں تیرا آب و دانہ فلک فلک تیرا آشیانہ
وہ محشرِ اضطراب بھی ہیں وہ جانِ صبر و قرار بھی ہیں
جہاں جہاں وہ ٹھہر گئے ہیں وہیں وہیں رک گیا زمانہ
جہاں کی بدلی ہوئی ہوا ہے نہ جانے دنیا کو کیا ہوا ہے
جگہ جگہ ہے ہوس کی دولت، کہیں کہیں عشق کا خزانہ

ہے سر میں سودائے سجدہ ریزی، ارے! یہ شوق و طلب کی تیزی
ترا غمِ بندگی سلامت جبیں کی زد میں ہے آستانہ
میں ہر افق سے طلوع ہو کر جہاں میں ظاہر ہوا ہوں ماہر
کہیں مرا طرزِ ناصحانہ، کہیں مرا رنگِ عاشقانہ

○

محبت عرش و گردوں ساز بھی ہے
محبت فرش پاانداز بھی ہے
خموشی پردہ دارِ راز بھی ہے
یہی ظالم مگر غمّاز بھی ہے
ادب! اے جوشِ غم، جوشِ تمنّا
حریمِ دل، حریمِ ناز بھی ہے
سکوتِ لالہ و گل پر نہ جانا
اسی میں شعلۂ آواز بھی ہے
قفس کیا اور قفس کی تیلیاں کیا
کسی میں جرأت پرواز بھی ہے؟
یہی انجام کا مارا ہوا دل
ہلاکِ عشرتِ آغاز بھی ہے

○

اس جہاں میں ہر کوئی کرتا ہے منہ دیکھے کا پیار
شمع کے بجھتے ہی پروانے بھی رخصت ہو گئے
زندگی کا ماحصل غم کے سوا کچھ بھی نہ تھا
جتنے پہلو غم کے تھے صرف محت ہو گئے
اب مرے افسانۂ غم پر ہنسی آتی نہیں
بندہ پرور! آپ اتنے بے مروّت ہو گئے

○

اس طرح وہ خیال میں آئے
شاخ لچکی اچٹ گئے سائے
چاک دل پہلے ہو لئے غنچے
جب کہیں جا کے پھول کہلائے
کچھ غموں نے بھی فتنہ سازی کی
کچھ خموشی نے جال پھیلائے
وہ کہ دنیا بھی دین بھی ان کا
ہم کہ دونوں طرف کے ٹھکرائے

○

فطرتِ دل بدل نہیں سکتی
پھانس غم کی نکل نہیں سکتی
موت سے اس قدر نہ ڈر ناداں!
یہ قیامت تو ٹل نہیں سکتی

○

ہنسنے پہ مرے سب کو مسرت کا گماں ہے
دنیا ابھی ناواقفِ اسرارِ فغاں ہے
نظارہ تو دراصل ہے اک جرأتِ گستاخ
جلووں کی لطافت پہ تصور بھی گراں ہے

○

تجلّی بے حجابی کے لئے تیّار ہو جائے
نگاہِ شوق تھوڑی سی اگر خوددار ہو جائے
مصیبت کا بھی اک مقصد ہے دنیائے حوادث میں
کہ اک ٹھوکر لگے اور آدمی ہشیار ہو جائے
اسے کیا زندگی کا لطف جس کی یہ تمنا ہے
مجھی پر صرف سارا التفاتِ یار ہو جائے

○

جب غم کی لطافت بڑھتی ہے، جب درد گوارا ہوتا ہے
اشکوں میں تبسم ڈھلتا ہے، فریاد میں نغمہ ہوتا ہے
جب نام تمہارا آتا ہے، جب ذکر تمہارا ہوتا ہے
آنکھوں میں چمک آ جاتی ہے، دل ہے کہ دھڑکتا ہوتا ہے
فرقت کی بھیانک راتوں میں کیا طرفہ تماشا ہوتا ہے
شمعیں بھی فروزاں رہتی ہیں اور گھر میں اندھیرا ہوتا ہے
بیمار کی حالت کیا کہئے، درد آخری حد میں آ پہنچا
پرسش کا زمانہ بیت گیا، تسکین سے اب کیا ہوتا ہے
سورج کی شعاعیں افسردہ، آنکھیں پُرنم دل پژمردہ
اک جب بھی سویرا ہوتا تھا، اک اب بھی سویرا ہوتا ہے
وہ یاد سلامت ہے جب تک دنیا کے غموں کی کیا پروا
کانٹوں میں بھی رہ کر اے ہمدم! پھولوں میں بسیرا ہوتا ہے
یہ واعظ و صوفی کی باتیں ہر بات کی سو سو تاویلیں
معنی کی خبر دونوں کو نہیں، الفاظ پہ جھگڑا ہوتا ہے
سمجھو تو خموشی سب کچھ ہے، دیکھو تو خموشی کچھ بھی نہیں
آواز بھی ہے، الفاظ بھی ہیں، مفہوم بھی پیدا ہوتا ہے
ماہر مرے شعروں کے خاکے اس طرح مرتب ہوتے ہیں
کچھ دل بھی تقاضا کرتا ہے کچھ ان کا اشارا ہوتا ہے

غزل ـــــــ اور گیت بھی!

○

کیسی موجیں کیا منجدھار　　اب کے کشتی آر کہ پار
جتنے دیکھے دنیا دار　　تن چنگا اور من بیمار
عشق کہاں تک روکے گا　　حسن کے اوچھے اوچھے وار
ایک نہیں دوچار نہیں　　لاکھوں نظریں ان پہ ادھار
امیدوں کے تاج محل　　ارمانوں کے شالا مار
مورکھ ہے وہ پاپی ہے　　فرض کو جو سمجھے بیگار
یہ بھی زمانہ دیکھا لیا
چور بنے ہیں چوکیدار

میرے وہ اشعار جو غزل نہ بن سکے

○

کرم تو کیا وہ ستم کی نگاہ بھی نہ رہی
میں کیا کروں مری دنیا تباہ بھی نہ رہی

○

زندگی موت میں تبدیل ہوئی جاتی ہے
آخری حکم کی تعمیل ہوئی جاتی ہے

○

میری صورت سے بھی ظاہر ہوں نہ غم کے آثار
کوئی آئینہ مجھے روز دکھا دیتا ہے

○

مجھ کو کہنا تھا کچھ ستاروں سے
کام لینا پڑا اشاروں سے

○

ضبطِ غم، فکرِ وفا، پاسِ جنوں، وصل و فراق
کتنے طوفان محبت میں گزر جاتے ہیں

○

نہ جانے یہ کیا وقت آیا ہے دل پر
تمہیں بھول جانے کو جی چاہتا ہے

○

اب بھی اخلاص و محبت کا جہاں باقی ہے
آستاں پر، مرے سجدے کا نشاں باقی ہے

○

نقاب اٹھتے ہی بیگانہ ہو گئیں نظریں
مری نگاہ نے جلووں سے انتقام لیا

○

شکستِ شیشۂ دل غور سے سن
صدائے باز گشت آئے نہ آئے

○

کون دیتا ساتھ ان کی گرمیٔ رفتار کا
گردشِ ایام تھوڑی دور چل کر رہ گئی

○

عارض کی جو چھوٹ پڑ رہی ہے
ہے شام کے وقت دوپہر سی

○

ایک انگڑائی کا طوفاں تھا جسے روک دیا
مجھ سے خود بھول ہوئی میں نے تمہیں ٹوک دیا

○

خامشی حسنِ بیانے دارد
نگہِ شوق زبانے دارد

ایک ملحد انقلابی شاعر سے!

کانوں میں پیالوں کی کھنک آتی ہے
آنکھوں میں تری مے سے چمک آتی ہے
پیتا ہے جو تو آگ کو پانی کر کے
منہ سے ترے دوزخ کی بھبک آتی ہے

○

اخلاق سے اجتناب ' سبحان اللہ!
کانٹوں پہ رگِ گلاب سبحان اللہ!
انسان کو حیوان بنانے کی فکر
یہ دعوتِ انقلاب سبحان اللہ!

○

یہ جو مئے ناب کی فراوانی ہے
مزدور کے خون ہی کی ارزانی ہے
او بادہ کشی کا درس دینے والے
اس نغمہ کی لے میں صوتِ شیطانی ہے

خوشہ پرویں

(رباعیات)

احساس بلند و پست ہو جاتا ہے
عقبیٰ کا بھی بندوبست ہو جاتا ہے
خود نفس پہ اپنے غور کرتے کرتے
انسان خدا پرست ہو جاتا ہے

دل وہم و گماں کی نیند سو جاتا ہے
خود اپنی ہی جستجو میں کھو جاتا ہے
زنداں کی فضا میں سانس لیتے لیتے
شیروں کا مزاج سرد ہو جاتا ہے

برسات میں برگ و بار دھل جاتے ہیں
گلشن نہیں کوہسار دھل جاتے ہیں
ایسی بھی کوئی گھٹا برستی اے کاش!
جس سے دل کے غبار دھل جاتے ہیں

کوشش سے جہاں میں کیا نہیں ہو سکتا
انسان مگر خدا نہیں ہو سکتا
شکرِ نعمت تو کیا کرے گا کوئی
اک سانس کا حق ادا نہیں ہو سکتا

حق سے جو کبھی گریز ہو جاتا ہے
ہنگامۂ رستخیز ہو جاتا ہے
ٹکرا کے چٹان سے بصد خودداری
دریا کا بہاؤ تیز ہو جاتا ہے

طوفان کو بڑھ کے تھام لینا ہو گا
جرأت سے جہاں میں کام لینا ہو گا
مظلوم کی دل دہی بھی کرنی ہو گی
ظالم سے بھی انتقام لینا ہو گا

پھولوں کی مہک سے کام لینا ہو گا
کانٹوں کی کھٹک سے کام لینا ہو گا
ہاتھوں میں سنان و تیغ کے آنے تک
ڈالی کی لچک سے کام لینا ہو گا

انسان تمام عمر رو سکتا ہے
تقدیر کے داغ کون دھو سکتا ہے
امید کی جستجو میں جینے والے
سایہ بھی کہیں اسیر ہو سکتا ہے

جو سانس ہے رائگاں نظر آتا ہے
جو نقش ہے بے نشاں نظر آتا ہے
ہوں گے کہیں برقِ آرزو کے جلوے
مجھ کو تو فقط دھواں نظر آتا ہے

اکھڑے ہوئے فتح کے نشاں گڑتے ہیں
موجوں سے حبابوں کے پرے لڑتے ہیں
آتا ہے قلندروں کو جس وقت جلال
شاہوں کے سروں سے تاج گر پڑتے ہیں

اک آہ بھی کار گر نہیں ہو سکتی
اک سانس بھی معتبر نہیں ہو سکتی
پروردۂ برق ہے نظامِ ہستی
تسکینِ دل و نظر نہیں ہو سکتی

ہر حادثہ کامیاب بن سکتا ہے
جینا بھی یہاں عذاب بن سکتا ہے
کلفت میں خوشی کا رنگ بھرنے والے
کانٹا بھی کہیں گلاب بن سکتا ہے

سینہ مہ و کہکشاں کا شق ہو جائے
سورج کی جبیں عرق عرق ہو جائے
انسان کا غم اگر کہیں ظاہر ہو
تنظیمِ جہاں ورق ورق ہو جائے

جو چیز یہاں رواج پا جاتی ہے
انساں کے مزاج میں سما جاتی ہے
آنسو ہی نہیں دلیلِ سوزِ پنہاں
ہونٹوں پہ کبھی ہنسی بھی آ جاتی ہے

ہر ذرّہ حریفِ ماہ بن جاتا ہے
ہر نقش دلیلِ راہ بن جاتا ہے
دل ہو جو غنی تو ملک و دولت کے بغیر
درویش بھی کجکلاہ بن جاتا ہے

اے دوست! مصیبتوں سے گھبراتا ہے
اللہ کی نعمتوں کو ٹھکراتا ہے
معلوم ہے سوزِ غم کی گرمی پا کر
انساں کا ضمیر تک نکھر جاتا ہے

جمشید کا دورِ جام باقی نہ رہا
وہ عیش وہ اہتمام باقی نہ رہا
اللہ کی شانِ بے نیازی کی قسم
کتنوں کا جہاں میں نام باقی نہ رہا

جس نے اپنی خودی کو پہچانا ہے
اللہ کو جانا ہی نہیں مانا ہے
بے سوزِ یقیں یہ زندگی ہے لعنت
دنیا کو یہی سبق تو سمجھانا ہے

خالق کا گواہ خود ہے دنیا کا وجود
آیت ہے خدا کی عالم ہست و بود

سائنس کی سعی بے نہایت کی قسم
ایمان نہیں تو علم و دانش بے سود

جس نے اپنی خودی کو پہچانا ہے
اللہ کو جانا ہی نہیں مانا ہے
بے سوزِ یقیں یہ زندگی ہے لعنت
دنیا کو یہی سبق تو سمجھانا ہے

میرے کلام کے چار مجموعے محسوساتِ ماہر، نغماتِ ماہر، جذباتِ ماہر اور ذکرِ جمیل اب تک شائع ہو چکے ہیں۔ اس مجموعے (فردوس) میں 1945ء سے لے کر 1955ء کے وسط تک کا کلام شامل ہے، بعض رومانی نظمیں اور غیر محتاط رنگین اشعار میں نے قصداً "چھانٹ دیئے" یہ بڑا سخت مجاہدہ تھا مگر اللہ تعالیٰ نے اس دشوار مرحلہ میں میری مساعدت فرمائی!

مندرجہ ذیل اشعار تازہ ترین ہیں "فردوس" کے یہ آخری مناظر ہیں۔

(ماہر القادری)

کچھ اس طرح ستمِ روزگار ہوتا ہے — قفس کے سامنے ذکرِ بہار ہوتا ہے
خدا کے واسطے دامن کا چاک سینے دو — کبھی کبھی تو جنوں ہوشیار ہوتا ہے
وہ سامنے ہوں تو آنسو نکل ہی جاتے ہیں — یہ جرم وہ ہے جو بے اختیار ہوتا ہے
کسی کا ذکر ہی کیوں چھیڑتے ہیں اہلِ وفا — جب ان کی خاطرِ نازک پہ بار ہوتا ہے

میں مطمئن ہوں اگرچہ خراب ہے ماحول
خزاں کے بعد کا عالم بہار ہوتا ہے

○

جاتے ہو تو جاتے ہوئے اک تیرِ نظر اور
یہ غم مری طاقت سے زیادہ ہے مگر اور
اے اہل نظر! ایک توجہ کی نظر اور
اشکوں کے گہر اور ہیں شبنم کے گہر اور
ہم اٹھ کے تری بزم سے جائیں تو کہاں جائیں
ہے اس کے سوا بھی کوئی فردوسِ نظر اور
اے شوخیٔ رفتار! بس اک گام کی زحمت
باقی ہیں ابھی راہ میں کچھ خاک بسر اور
یہ اور قیامت ہے کہ بے رنگ ہیں آنسو
حالت ہے مری اور یہ دیتے ہیں خبر اور

○

وہ آئے ہر کسی کے سامنے اور بار بار آئے
بہ نامِ رنگ و بو آئے بہ عنوانِ بہار آئے
وہ آئے اور لے کر مژدۂ صبر و قرار آئے
یہی لمحے محبت میں مجھے ناساز گار آئے
یہ حالت ہو گئی ہے ان دنوں اپنے گلستاں کی
نہ جانے کب خزاں جائے نہ جانے کب بہار آئے
ہوا دار و رسن کا معرکہ جب گرم دنیا میں
تو ہنستے کھیلتے وابستگانِ زلفِ یار آئے
ادھر اک جمگھٹا ہے ناامیدانِ محبت کا
سنبھل کر اس طرف اب گردشِ لیل و نہار آئے

تغافل کا گلہ ان سے نہ کرنا تھا ابھی ماہر
یہ تم نے کیا کیا جیتی ہوئی بازی کو ہار آئے

○

شرم و غیرت ہے آبروئے جمال
اے مرے شاہدِ پری تمثال

سر سے آنچل ڈھلک گئے تو کیا
تو مگر دامنِ نظر کو سنبھال

ذرّے تاروں کو چھو کے لوٹ آئے
پستیوں کو ابھی کچھ اور اچھال

مُہر بَرلب غریب ہیں لیکن
ہر نظر میں ہزار دستِ سوال

کتنے عارض شراب سے گل رنگ
کتنے چہروں پہ صرف گردِ ملال

زندگی ہے فقط عمل ہی عمل
واعظِ خوش بیاں ہے قال ہی قال

کب کے دارورسن سے کھیل چکے
اس زمانہ کے صاحبانِ حال

میری دنیا میں ہے رمِ آہو
تیری دنیا ہے صرف چشمِ غزال

اس کی باتیں چٹک شگوفوں کی
اس کی رفتار یا نسیمِ شمال

رقص و نغمہ شراب و عیش و نشاط
ان دریچوں سے جھانکتا ہے زوال

جانِ شعر و ادب ہے اے ماہر
صرف پاکیزگیٔ فکر و خیال

غیر مدّون کلام

متفرق منظومات

غزلیات

حمد

نہاں بھی ہے تو اور عیاں بھی ہے تو
یہاں بھی ہے تو اور وہاں بھی ہے تو

نگہبانِ کون و مکان بھی ہے تو
خدائے زمین و زماں بھی ہے تو

کرم سے ترے حسن کی گرمیاں
محبت کی روحِ رواں بھی ہے تو

وہ دوری کہ ہر شے سے ہے ماورا
وہ قربت کہ نزدیکِ جاں بھی ہے تو

ترا نام تسکینِ بیچارگاں
قرارِ دلِ قدسیاں بھی ہے تو

توئی ہے علیٰ کلِ شئٍ قدیر
کہ خالق بھی تو، پاسباں بھی ہے تو

(فاران اگست، 61ء)

خالق بھی، کارساز بھی، پروردگار بھی
وہ جس کی ذات پردہ کشا، پردہ دار بھی

ذکرِ خدائے پاک جو ہے جل شانہ،
تسکینِ روح بھی ہے، دلوں کا قرار بھی

سب ہیں اسی کے حکم سے دن ہو کہ رات ہو
شامِ خزاں بھی اسی کی ہے، صبحِ بہار بھی

قدرت سے اس کی گرمِ سفر ہیں یہ مہر و ماہ
موجِ نسیم بھی ہے رواں، آبشار بھی

وابستہ سب ہیں نظمِ قضا و قدر کے ساتھ
لیل و نہار بھی، روشِ روزگار بھی

یادِ خدا میں نغمہ سرا، نغمہ سنج ہیں
طاؤس بھی، ہزار بھی، صلصل بھی، سار بھی

کرتے ہیں اپنے حال میں سب بندگی پہ ناز
اہلِ ہوس بھی، زاہدِ شب زندہ دار بھی

مجھ سے گناہگار کو بخشش کی ہے امید
اس سے کہ جو کریم ہے آمرزگار بھی

(فاران اگست 61ء)

حمدِ باری تعالیٰ

یہ مرا ایمان ہے، میرے خدا تیرے سوا
کوئی داتا ہے نہ کوئی دوسرا مشکل کشا

صرف تیری ذاتِ بے ہمتا ہے علّام الغیوب
تجھ سے پوشیدہ نہیں ہے وہ خلا ہو یا ملا

سب ترے بندے ہیں تو معبود اور مسجود ہے
سب ترے محتاج ہیں، کیا اولیاء کیا انبیاء

ذات تیری ماورائے فہم و ادراک و قیاس
سوچنا چاہے تو دم گھٹنے لگے جبریل کا

حکم سے تیرے زمین و آسماں گردش میں ہیں
تابعِ فرماں ہیں تیرے بحر و بر، آب و ہوا

ماہ و انجم، لالہ و گل تیری قدرت کا ظہور
ہر کمال و حسن و خوبی، ہر صفت تیری عطا

ذرہ ذرہ، پتہ پتہ، تیری صنعت کا گواہ
بلبل و قمری ہیں، تیری حمد میں نغمہ سرا

رازق و خلّاق، ربِ مشرقین و مغربین
مقتدر، قادر، قدیر و مالکِ روزِ جزا

تیری خلّاقی کا مظہر، تیری قدرت کی دلیل
عالمِ کون و فساد از ابتدا تا انتہا

نور و ظلمت، خیر و شر، رنج و خوشی، موت و حیات
عزت و ذلت، سرور و غم، زوال و ارتقاء

خندۂ گل، گریۂ شبنم، خزاں ہو یا بہار
آب و آتش، برق و باراں سب کا خالق ہے خدا

کون ہے تیرے سوا بندہ نواز و دستگیر
تو ہی سنتا ہے شکستِ شیشۂ دل کی صدا

تیری حکمت اور مشیّت کتنی رنگارنگ ہے
زہر بھی پیدا کیا، تریاق بھی پیدا کیا

زیب دیتی ہے تجھی کو سروری و برتری
تو سزا وارِ عبادت، تجھ کو سجدہ ہے روا

تو جو چاہے ریت کے تودوں سے ہوں چشمے رواں
تو نہ چاہے سانس لے سکتی نہیں موجِ صبا

کلُّ شئٍ ھالکٌ جز وجہِ ربُّ العلمین
ذاتِ حق باقی ہے اور سب کا مقدر ہے فنا

بزمِ ہستی کیا ہے تیرے حرفِ کن کی ہے نمود
اک اشارے میں ترے قائم ہوئے ارض و سما

ہر صفت ہے بے مثال و بے نظیر و لاشریک
ذات کی کیا ہو صفت لا ابتدا' لا انتہا

ربِ تشریعی بھی تو ہے ربِ تکوینی بھی تو
ہر جگہ' ہر سمت' ہر دم حکم چلتا ہے ترا

ذرہ ذرہ کہہ رہا ہے اشہدُ اَنْ لاَ اِلٰہ
پتہ پتہ کی زباں ہے اور حمدِ کبریا

عقل سکتے میں ہے' تخئیل و تفکّر دم بخود
دخل کیا تنزیہ ہے تشبیہ اور تمثیل کا

التفات ایسا کہ آتش بن گئی باغِ خلیل
بے نیازی وہ کہ مقتل ہے زمینِ کربلا

تو نے بخشی ہے زمیں کو قوتِ روئیدگی
حکم سے تیرے ہے برگ و شاخ کی نشو و نما

تو وہ قادر، تیری قدرت عرش و کرسی کو محیط
ہے تری فرمانروائی میں ظہورِ استوا

رہنمائی کیلئے مبعوث فرمائے رسول
مدتوں تک یہ مقدس سلسلہ چلتا رہا

ہوگیا اتمامِ نعمت، آنے والے آچکے
آخری نقطہ پہ یہ دورِ نبوت رک گیا

اور پھر تشریف لے آئے محمدؐ مصطفےٰ
حبّذا، صل علی، اھلاً و سہلاً مرحبا

مطلعِ صبحِ نبوت، مقطعِ دورِ رُسل
داعئِ حق، صاحبِ معراج، ختم الانبیاء

ذاتِ اقدس محترم، فخرِ عرب، نازِ عجم
رحمتہ اللعلمین، شمس الضحیٰ، بدرُ الدجیٰ

زیست لا حاصل محمدؐ کی اطاعت کے بغیر
یاالٰہی! ہم کو توفیقِ اطاعت ہو عطا

قلبِ خاشع، علمِ نافع، رزقِ واسع چاہیے
موت جب آئے تو پھر ایمان پر ہو خاتمہ[1]

[1] خاتمہ (فاران جولائی ۷۷ء)

نغمۂ حرم

میں حریمِ قدس میں، کعبہ نظر کے سامنے
موجزن ہے نور کا دریا نظر کے سامنے

یا خیالِ دوست ہے تنہا نظر کے سامنے
یا مجسّم ہو گیا سجدا نظر کے سامنے

کیا کروں، سجدہ ضروری ہے کہ نظارہ ہے فرض
دل میں شوقِ دید اور جلوا نظر کے سامنے

سنگِ اسود، ملتزم، رکنِ یمانی اور حطیم
ایک ہی چکر میں ہے کیا کیا نظر کے سامنے

اے غلافِ کعبہ! یہ شرکِ نظارہ ہو معاف
آ گیا تھا صبح کا تارا نظر کے سامنے

(فاران اکتوبر 69)

(۱۹۷۶ء کے رمضان المبارک میں)

طوفانِ تجلّی میں نظروں کا سفینہ ہے
کعبہ کی حسیں راتیں روزوں کا مہینہ ہے

اے ارضِ حرم! تیری مٹی میں دفینہ ہے
ذرے بھی جواہر ہیں، کنکر بھی نگینہ ہے

آنکھیں تو نہیں واقف دل کو ہو خبر شاید
یہ اشکِ ندامت ہیں یا غم کا پسینہ ہے

یہ کیف نمازوں میں، یہ سوز دعاؤں میں
سجدوں کی ترقی کا یہ آخری زینہ ہے

ماہر مجھے شعروں میں جدّت کا نہیں دعویٰ
باتیں ہیں وہی لیکن کہنے کا قرینہ ہے

(فاران مارچ ۷۷ء)

صبحِ سعادت

جب اندھیرا تھا

ایک ہی رنگ پہ دنیا تھی عرب ہو کہ عجم
کہیں تخیّل کے بت تھے، کہیں پتھر کے صنم
لات و عزّیٰ کی خدائی کی جو کھاتے تھے قسم
ان کا اک کھیل تھی پامالیٔ تقدیسِ حرم
شرک و بدعت کا اندھیرا تھا سیہ کاری تھی
ہر طرف ظلم و جہالت کی عملداری تھی

بربط و چنگ کے نغمے، وہ کھنکتے ہوئے جام
رقص خانوں میں ہوسناک نگاہوں کے پیام
شعر و افسانہ کی تھا روحِ رواں، فحش کلام
جیسے ابلیس کے لکھے ہوئے خط نام بہ نام
دل میں اوہام کی پھانسوں کو کھٹکتے دیکھا
ذہنِ انساں کو بہ ہر گام بھٹکتے دیکھا

ہوسِ زر جو ہے احسان و مروت کی رقیب
اس کی چالوں سے پریشان تھے بے چارے غریب
اہلِ سرمایہ و دولت کے مظالم تھے عجیب
سود خواری تھی کہ اک معرکۂ دار و صلیب
اہلِ تدبیر زبوں حال و تہی دامن تھے
خونِ مزدور سے محلوں میں کنول روشن تھے

خشت و سنگ و شجر و زر تھے بشر کے مسجود
خواہشِ نفس کے رنگین تقاضے معبود
کہیں ثابت نہ رہیں خلق و مروت کی حدود
جیسے انسان کو تھی اپنی تباہی مقصود
زندگی جنسِ معاصی کی خریدار ہوئی
آدمیت تھی کہ رسوا سرِبازار ہوئی

اِس طرف چور اچکے، تو اُدھر تھے بٹ مار
پاپ کی ناؤ سے چکر میں تھا سارا سنسار
سود در سود پہ ملتا تھا غریبوں کو ادھار
ہائے! جو لوگ سمجھتے تھے جوئے کو بیوپار
بات کا پاس نہ وعدے کی کوئی قیمت تھی
جھونپڑے ہوں کہ محل سب کی یہی حالت تھی

عقل آوارہ و سرگشتہ، نگاہیں بے نور
غیب کا لطف ہی حاصل، نہ میسر تھا حضور
بے یقینی کے اندھیرے میں بھٹکتا تھا شعور
ایک مدت سے حقیقت تھی نظر سے مستور
حال ابتر تھا بہت حکمتِ یونانی کا
فلسفہ ایک مرقع تھا پریشانی کا

صنفِ نازک کہ جو ہے گلشنِ ہستی کی بہار
اس کا حق تھا متعین، نہ گھرانے میں وقار
سبدِ لالہ و گل اور ہجومِ خس و خار
لعل و گوہر کے لئے معرکۂ گردوغبار
دیدۂ مہرِ جہانتاب لہو روتا تھا
آبگینوں کی نزاکت پہ ستم ہوتا تھا

کتنا تاریک تھا ماحول، مکدر تھی فضا
بھائی چارہ نہ کہیں امن و اماں کا تھا پتا
بستیاں تھیں کہ درندوں کے بھیانک صحرا
خون انسان کا پانی کی طرح ارزاں تھا
وہ تباہی کہ جو تھی لامتناہی توبہ!
قتل و غارت کا وہ عالم کہ الٰہی توبہ
ژند و پاژند و اوستا ہوکہ وید و انجیل
زندگی اتنے صحیفوں کے تھی باوصف ذلیل
حکمتِ دین کی باقی تھی بہت کچھ تفصیل
ابھی پیغامِ خدا کی نہ ہوئی تھی تکمیل
آخری بار حقیقت کو عیاں ہونا تھا
چشمۂ خیر و ہدایت کو رواں ہونا تھا

جب سحر ہوگئی

صبحِ کاذب کے دھندلکے میں اجالے کی نمود
بارکِ اللہ فرشتوں کی زبانوں پہ درود
صحنِ کعبہ میں وہ شکرانۂ نعمت کے سجود
کرمِ خاص کے انوار، وہ رحمت کا ورود
ورقِ دہر پہ "والنور" کی تحریریں تھیں
ہر طرف سورۂ "والفجر" کی تنویریں تھیں

مرحبا کہتے ہوئے نرم شگوفے چٹکے
خود بخود چھڑنے لگے ساز کے نازک پردے
بلبل و قمری و طاؤس کے شیریں لہجے
خیر مقدم کے ترانے، وہ خوشی کے نغمے
ناز فرماتی ہوئی بادِ بہاری آئی
حاملِ دورِ نبوت کی سواری آئی
کس قدر شوخ ہے رخشندہ و خوش تاب کرن

جگمگاتے ہوئے یہ دشت و چمن کوہ و دمن
مطلعِ فجر کا اللہ رے! بے ساختہ پن
دل بھی بیدار ہوئے، فکر و نظر بھی روشن
منتظر سب تھے اسی صبحِ سعادت کے لئے
آنکھیں بے خواب تھیں انوارِ رسالت کے لئے
ارضِ بے کشت و زراعت کی دلآویز پھبن
جس کے اونٹوں پر نچھاور ہوں غزالانِ ختن
جس کے ذروں پر ہوں قربان بدخشانِ وعدن
جس کے کانٹوں پہ فدا لالہ و گل، سرو و سمن
جلوۂ لوح و قلم غارِ حرا تک پہنچا
دفعتاً ذہنِ بشر وحیٔ خدا تک پہنچا
صبح کی طرح نمودار ہوا دینِ مبیں
بے یقینی کے اندھیرے کو ملا نورِ یقیں
شرک کے پاؤں کے نیچے نہ ٹھہرتی تھی زمیں
خاک میں مل کے رہا کفر کا ناز و تمکیں

بت پرستوں کے لئے ذلت و رسوائی تھی
لات و عزّیٰ پہ قیامت کی گھڑی آئی تھی
شرک حیران، خطا کفر کے اوسان ہوئے
دفترِ ظلم کے اوراق پریشان ہوئے
ناچ گھر ٹوٹ گئے، بت کدے ویران ہوئے
رنگ محلوں کی تباہی کے بھی سامان ہوئے
گل ہوئے عیش کے فانوس شبستانوں میں
خاک اڑتی ہوئی دیکھی گئی مے خانوں میں
کس قرینہ سے ہوئی محفلِ ہستی آباد
نہ کوئی نقش بدی کا، نہ کہیں شروفساد
خیروحکمت کے طریقوں کا وہ حسن ایجاد
عمل و قول کی سچائی پر رکھ دی بنیاد
علم و دانش کا ہر اک نقش ابھرتا دیکھا
رنگ تہذیب و تمدن کا نکھرتا دیکھا
صنفِ نازک کو اڑھائے گئے جلباب و خمار
عصمتِ زن کی حفاظت کے یہ پاکیزہ حصار
سود خواری کی تو بنیاد ہی کر دی مسمار
جرم ٹھیرائے گئے رقص و غنا، خمر و قمار
رنگِ تقدیس دیا باغ کے ہر خوشے کو
روشنی ملنے لگی زیست کے ہر گوشے کو
شاعری کو بھی عطا خلعتِ تطہیر ہوا
صنفِ نازک کو بھی منشور ہدایت کا ملا
عقل اور دل کے تقاضوں کو ہم آہنگ کیا
دین و دنیا میں ہوا حسنِ توازن پیدا

خوب و ناخوب کا معیار جو تقویٰ ٹھیرا
نخوتِ جاہ کا چڑھتا ہوا پارا ٹھیرا

ہر برائی کو دیا دیس نکالا جس نے
ڈگمگاتے ہوئے انساں کو سنبھالا جس نے
آدمیت کو نئے طرز پہ ڈھالا جس نے
کر دیا مشرق و مغرب میں اجالا جس نے
اسی انسان کو محبوبِ خدا کہتے ہیں
نام سنتے ہیں تو سب صلِی علیٰ کہتے ہیں

مدح خواں جس کے رہے حضرتِ داؤدؑ و کلیمؑ
جس کی آمد کی دعا اور لبِ ابراہیمؑ
نام قرآن میں جس کے ہیں رؤف اور رحیم
جس کی سیرت کو ملا معجزۂ خلقِ عظیم
کچھ نہیں دین و یقیں جس کی محبت کے بغیر
جرم ہیں قول و عمل جس کی اطاعت کے بغیر

غایتِ کون و مکاں، باعثِ تخلیقِ جہاں
زینتِ ارض و سما، رونقِ بزمِ امکاں
صاحبِ علم و خبر، مہبطِ وحیٔ یزداں
جس کا اخلاق ہے قرآن، عیاں راچہ بیاں
جس کی آمد کی رسولوں نے بشارت دی ہے
جس کو اللہ نے توفیقِ شفاعت دی ہے

خود عمل کرکے دکھایا کہ حکومت کیا ہے
اصل میں رابطۂ دین و سیاست کیا ہے
جس کو اللہ کی کہتے ہیں خلافت کیا ہے
آدمی چیز ہے کیا، بارِ امانت کیا ہے

دین کی راہ میں ساحل بھی ہے طوفان بھی ہے
صرف صفہ ہی نہیں بدر کا میدان بھی ہے

وہ نبیؐ جس کا ہر اک نقشِ قدم، نقشِ دوام
بادشاہوں کو سمجھتے ہیں گدا جس کے غلام
حامد و احمد و محمود رسولوں کا امام
حضرتِؐ رحمتِ عالم پہ صلوٰۃ اور سلام

دینِ کامل ہے زمانے کی ضرورت کے لئے
اب کوئی اور نہ آئے گا ہدایت کے لئے

کتنے ژولیدہ مسائل تھے جدید اور قدیم
جن کو سلجھا نہ سکا کوئی مفکر، نہ حکیم
اللہ اللہ ! نبیؐ عربی کی تعلیم
کھل گئے عقدۂ دشوار بہ فیضِ تفہیم

ہر ترقی میں جھلک عظمتِ اسلام کی ہے
آج دنیا کو ضرورت اسی پیغام کی ہے

(فاران ستمبر ۶۵ء)

صبحِ انسانیت

یہ جہانِ آب و گل مدت سے تاریکی میں تھا
تھی مسلط ہر طرف ظلم و جہالت کی گھٹا

کاروانِ زندگی بھکا ہوا' بھٹکا ہوا
سارا عالم ایک سکتہ' ساری دنیا اک خلا

اہلِ دانش بھی فریبِ جہل میں آئے ہوئے
بے یقینی کے اندھیرے ذہن پر چھائے ہوئے

خود ترا شیدہ بتوں کے سامنے جھکتے تھے سر
آدمی دنیا میں رہ کر اپنے رب سے بے خبر

لوگ اپنی خواہشوں پر صرف رکھتے تھے نظر
مٹ گیا تھا رفتہ رفتہ امتیازِ خیر و شر

راہبر بھی راستوں کے پیچ و خم میں کھو گئے
دیکھتے ہی دیکھتے انسان حیواں ہوگئے

ہر طرف برپا فساد و انتشار و اضطراب
ایسے عالم میں ضروری تھا کہ آئے انقلاب

یک بہ یک ابھرا حرا کے غار سے اک آفتاب
وہ محمد مصطفیٰؐ امیؐ لقب، رحمت مآب

اس کا آنا تھا کہ جنت کے دریچے کھل گئے
ابرِ رحمت اس قدر برسا کہ چہرے دھل گئے

قائدِ لشکر بھی ہے جو صاحبِ منبر بھی ہے
شافعِ محشر بھی ہے اور ساقیٔ کوثر بھی ہے

جن کی سیرت کا ورق طائف بھی ہے خیبر بھی ہے

جو ظہورِ حق بھی ہے، مظہر بھی ہے، مظہر بھی ہے

جس کا احساں اور کرم انسانیت پر قرض ہے
وہ بشر، خیرالبشر جس کی اطاعت فرض ہے

جس نے انساں کو طریقے زیست کے سمجھا دیئے
دین و دنیا میں توازن کیلئے کیا چاہیئے

جس نے بخشے زندگی کو حوصلے اور ولولے
وہ نظر صلی علیٰ، ٹوٹے ہوئے دل جڑ گئے

جس نے تہذب و تمدن کو مؤدّب کر دیا
وحشیوں، صحرا نشینوں کو مہذّب کر دیا

ذوق کو پاکیزگی، وجدان کو تقدیس دی
ذہن کو تابندگی فکر و نظر کو روشنی

خواجگی و سروری میں بھی وہ فقر و سادگی
جس کے آگے سر خمیدہ سطوتِ شاہنشی

دل کے دھندلے آئینوں کو بھی مجلّا کر دیا
جھونپڑوں کو روکشِ قصرِ معلّا کر دیا

صنفِ نازک کو بتائے شرم و غیرت کے حدود
عصمتِ زن کی حفاظت کو ضروری تھیں قیود

زندگی دلکش بنا دی ان حدوں کے باوجود
احمدؐ و حامد، محمد مصطفیٰؐ پر ہو درود

آپ کا قول و عمل تفسیر ہے قرآن کی
اتباعِ مصطفیٰ معراج ہے انسان کی

الصّلوٰۃ و والسّلام اے رحمتہ اللّعلمین
السّلام اے النّبیّ والرّسول والامین

السّلام اے پیشوائے اوّلین و آخرین
آپ ہی کا سب تصدّق ہے وہ دنیا ہو کہ دین

(۱۹۷۶ء کے رمضان المبارک میں مکہ سے مدینہ جاتے ہوئے)

حرم کی حاضری کے بعد طیبہ کا ارادہ ہے
ارادہ بالعمل ہے سامنے وہ نقشِ جادہ ہے

مدینہ میں پہونچکر عالمِ فیضان کیا ہوگا
ابھی تو راستہ کی جھاڑیوں سے استفادہ ہے

ضرورت اعتدالِ ہوش کی ہے اس دوراہہ پر
عقیدت کتنی رنگیں ہے، شریعت کتنی سادہ ہے

مدینہ کے سفر میں راحتیں ہمراہ چلتی ہیں
نہ کوئی شخص و اماندہ نہ کوئی پا پیادہ ہے

نشہ پاکیزہ تر ہے ساقیٔ کوثر کی محفل کا
یہاں لغزش کا امکاں ہے نہ ساغر ہے نہ بادہ ہے

مسلسل ہورہی ہیں بارشیں انوار کی ماہر
کرم ان کا مرے شوقِ طلب سے بھی زیادہ ہے

(فاران مارچ ۷۷ء)

معراج

بہت خاص جلوے دکھائے گئے ہیں
حبیبِؐ خدا ہیں بلائے گئے ہیں

وہ راز آج تک جو چھپائے گئے ہیں
ہمارے نبیؐ کو بتائے گئے ہیں

وہ لوح و قلم ہیں، یہ ہیں عرش و کرسی
بتدریج پردے اٹھائے گئے ہیں

درودوں کے ہدیئے، نمازوں کے تحفے
نبوّت کے دامن میں پائے گئے ہیں

ابھی عرش پر ہیں، ابھی فرش پر تھے
ذرا دیر میں آپ آئے گئے ہیں

وہ علم و یقیں ہوں کہ حسن و محبت
یہ سب ایک مرکز پہ لائے گئے ہیں

تجلی کی شدت، وہ جبروت و ہیبت
نظر اور دل آزمائے گئے ہیں

زمیں پر ہیں زیرِ قدم لالہ و گل
فلک پر ستارے بچھائے گئے ہیں

ہے معراجِ ارض و سما آج ماہر
سجائے گئے، جگمگائے گئے ہیں

(فاران فروری ۶۶ء)

ذکرِ جمیل

خاتم الانبیاء، رحمتِ دو جہاں، حامیٔ بیکساں، شافعِ عاصیاں
نورِ کون و مکاں، نازِ روحانیاں، غیرتِ قدسیاں، فخرِ پیغمبراں

جسکے اخلاق کی ہرطرف ہے مہک، جسکے جلووں کی ارض و سما میں چمک
جس کا انصاف محکم ہے اور بے لچک، جس کی تعلیم انسانیت کی زباں

جس نے صحرا نشینوں کی تہذیب کی، جس نے اوراقِ فطرت کی ترتیب کی
جس نے حق کے صحیفوں کی تصویب کی، جس نے علم و عمل کو کیا ہم عناں

جس کے وصفِ صباحت میں گرمِ سخن لالہ و گل، حنا، یاسمیں، نسترن
روئے اقدس سے کرتے ہیں کسبِ ضیا، انجم و ماہ، قوسِ قزح، کہکشاں

جہل کی ظلمتیں سب گریزاں ہوئیں، علم و حکمت کی شمعیں فروزاں ہوئیں
آدمیت کی قدریں نمایاں ہوئیں، جاہلوں کو کیا رشکِ اشراقیاں

ذات پر جس کی اتمامِ نعمت ہوا، ساتھ ہی ختم دورِ نبوت ہوا
ہر شرف آپ ہی کو ودیعت ہوا، قاسمِ کوثر و سلسبیل و جناں

جس کی چادر میں پیوند دیکھے گئے، جس نے دکھ بھی سہے، جس نے فاقے کئے
جس نے سب کچھ کیا آدمی کے لئے، جس کے دامن میں ملتی ہے امن و اماں

غزوۂ بدر و خیبر کے میرِ سپاہ! تیری ٹھوکر میں ہیں تاج و تخت و کلاہ
تیغ کے ساتھ ہی ضربتِ لا الہ، فتح و نصرت نے دی بت کدوں میں اذاں

کور چشموں کو اہلِ نظر کر دیا، راہزن تھے انہیں راہبر کر دیا
جس نے تاریکیوں کو سحر کر دیا، ہو گئے ریگ زاروں سے چشمے رواں

بحرِ جود و سخا، کانِ بذل و عطا، جس کا شیوہ رہا فیض و مہر و وفا
طاقتِ بیکساں، قوتِ بے نوا، جس کا دستِ کرم ابرِ گوہر فشاں

دین مربوط بھی ہے، مسلسل بھی ہے، دین کامل بھی ہے اور مکمل بھی ہے
حرفِ آخر بھی ہے، قولِ فیصل بھی ہے، دین ہی سے حقائق ہوئے ہیں عیاں

جس کا پیغام، پیغامِ توحید تھا، کوئی حاجت روا ہے نہ مشکل کشا
صرف تنہا خدا، صرف تنہا خدا، وہی کار ساز اور وہی غیب داں

اے نویدِ مسیحاؑ، دعائے خلیلؑ! آبروئے سخن تیرا ذکرِ جمیل
تو کہ خود ہے صداقت کی روشن دلیل، تیرا نقشِ قدم زندگی کا نشاں

(فاران مئی ۷۶ء)

گلہائے عقیدت

سرِ محشر خدا کی مغفرت نے کی پذیرائی
شفیع المذنبیں آئے گنہگاروں کی بن آئی

تفکّر بھی عبادت بھی، وہ استغراقِ تنہائی
حرا کے غار میں پہلے پہل وحیِ خدا آئی

نبوت کا خطابِ عام ہے سارے زمانے سے
وہ شرقی ہو کہ غربی ہو وہ شہری ہو کہ صحرائی

مرے سرکارؐ ہیں دونوں جہاں کے واسطے رحمت
شریعت آپؐ کی ہے دین اور دنیا کی یکجائی

محمدؐ مصطفیٰ کے مکتبِ عرفاں سے ملتی ہے
خردمندیٔ، فراست، حکمت و تدبیر و دانائی

نگاہوں کو بصیرت دی دلوں کو زندگی بخشی
کسی کو کب میسر ہے یہ اندازِ مسیحائی

ترےؐ کردار کا پرتو ہے، عصمت ہو کہ تقویٰ ہو
ترےؐ اخلاق کا صدقہ ہے نیکی ہو کہ سچائی

(فاران ستمبر 77ء)

○

نیکی ترےؐ بغیر نہ ایماں ترےؐ بغیر
اک وہم ہے نجات کا امکاں ترےؐ بغیر

دنیا ہے ایک مزرعۂ ویراں ترےؐ بغیر
عقبیٰ ہے صرف خوابِ پریشاں ترےؐ بغیر

ممکن نہیں کسی سے مفکر ہو یا حکیم
انسانیت کے درد کا درماں ترےؐ بغیر

دشوار ہی نہیں ہے، یہ امرِ محال ہے
اللہ کے وجود کا عرفاں ترےؐ بغیر

جانِ حیات ہے ترےؐ اخلاق کی جھلک
خود زندگی ہے موت کا ساماں ترےؐ بغیر

تجھ سے نہ ہو جو ربط وہ فکر و نظر ہی کیا
علم و خرد ہیں جہلِ نمایاں ترےؐ بغیر

حکمت تری کنیز، تفکر ترا غلام
سمجھے ہیں کس نے معنیٔ قرآں ترےؐ بغیر

(فاران فروری ۷۰ء)

○

وہ راستہ جو حقیقت سے جا کے ملتا ہے
مرے حضورؐ کے نقشِ قدم کا صدقا ہے

نبیؐ کا قول ہی ایمان کی بنا ٹھیرا
خدائے قادر و برتر کو کس نے دیکھا ہے

نہ چین ہی پہ نظر ہے نہ روس پر ہے نگاہ
ہمارے سامنے مکہ ہے اور مدینہ ہے

خدا کے قہر کو جوش آ گیا تو کیا ہو گا
زمانہ ان کے غلاموں سے کیوں الجھتا ہے

ندا یہ غیب سے آئی کہ صرف عشقِ رسول
میں سوچتا تھا کہ مقصودِ زندگی کیا ہے؟

محمدؐ عربی سے ہوں لو لگائے ہوئے
یہ وہ چراغ ہے جو آندھیوں میں جلتا ہے

خدا بچائے مسلماں کو شرک و بدعت سے
وہ دین ہی نہیں جو دین میں اضافا ہے

امیدوارِ شفاعت ہوں میں بھی اے ماہر
میں خود بُرا ہوں مگر یہ خیال اچھا ہے

(فاران جون ۷۴ء)

○

نبی کے ذکر سے دل کو سرور ملتا ہے
کہ دور رہ کے بھی کیفِ حضور ملتا ہے

یہ بزم وہ ہے کہ جس بزم کے جھروکوں سے
یقیں کو روشنی، ایماں کو نور ملتا ہے

گناہگاروں کو باغِ بہشت کا مژدہ
یہ نام شافعِ یوم النشور ملتا ہے

یہ رہگزر ہے مدینے کی، اس کا کیا کہنا
تجلیوں کا مسلسل ظہور ملتا ہے

نبی کے نام کی لذت پہ ہو درود و سلام
زباں کو لطفِ شرابِ طہور ملتا ہے

جہاں میں اور کہیں بھی سکوں ملے نہ ملے
مگر مدینے پہنچ کر ضرور ملتا ہے

یہ اپنی اپنی طلب ہے جہاں میں اے ماہر
کسی کو عجز کسی کو غرور ملتا ہے

(فاران دسمبر ۷۳ء)

نعتِ رسولِ مقبولؐ

شافعِ روزِ جزا اللہ اکبر آ گیا
ختم ہے جس پر نبوت، وہ پیمبر آ گیا

دل کی دھڑکن نے صدا دی مرحبا صلِ علیٰ
جب محمد مصطفیٰؐ کا نام لب پر آگیا

بادشاہوں کو ملی شاہی، مجھے عشقِ نبیؐ
اپنا اپنا ظرف، جس کو جو میسر آ گیا

جب تصور میں مدینہ کی طرف اٹھے قدم
عرش کا جلوہ دلیلِ راہ بن کر آگیا

اللہ اللہ! راہِ طیبہ میں ببولوں کی قطار
سامنے آنکھوں کے اک جنت کا منظر آگیا

(فاران اگست ۶۱ء)

نعتِ رسولِ مقبولؐ

تو مقصدِ تخلیق ہے، تو حاصلِ ایماں
جو تجھ سے گریزاں، وہ خدا سے ہے گریزاں

کردار کا یہ حال صداقت ہی صداقت
اخلاق کا یہ رنگ کہ قرآن ہی قرآں

کیا نام ہے، شامل ہے جو تکبیر و اذاں میں
اس نامؐ کی عظمت کے ہیں قرباں دل و جاں

اشکوں سے ترے، دین کی کھیتی ہوئی سیراب
فاقوں نے ترے، دہر کو بخشا سر و ساماں

انسان کو شائستہ و خوددار بنایا
تہذیب و تمدن ترے شرمندۂ احساں

رحمت کا یہ عالم ہے، مروت کا یہ انداز
ماہر سا گنہگار ہے وابستۂ داماں

(فاران دسمبر ۶۲ء)

نعتیہ اشعار

یہ بزمِ آب و گل جتنی کہ برہم ہوتی جاتی ہے
محمدؐ کی شریعت اور محکم ہوتی جاتی ہے

قیامت میں مری فردِ عمل پر ہے نظر ان کی
طلوعِ مہر سے خود جذب شبنم ہوتی جاتی ہے

☆☆☆☆☆

آپؐ کیا آئے کہ حق کا بول بالا ہوگیا
ساری دنیا میں اجالا ہی اجالا ہوگیا

(فاران فروری ۵۶ء)

ہیں فقرِ ابوذرؓ پہ سلاطیں کی نگاہیں
اللہ رے! اک بے سر و سامانِ محمدؐ

لایا ہوں بصد شوق پے نذر دل و جاں
نادم ہوں کہ یہ بھی نہیں شایانِ محمدؐ

(فاران فروری ۵۹ء)

حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ

ابوبکر صدیقؓ جانِ صداقت
وہ پُرنور صورت، وہ پاکیزہ سیرت

وہ خود ذات سے اپنی خیر و سعادت
اور اس پر رسولِؐ خدا کی رفاقت

وہ نیکی کی عادت وہ خلق و مروّت
وہ سادہ طبیعت وہ سنجیدہ فطرت

جبیں اتنی روشن کہ قرآں کی آیت
برستی گھٹائیں کہ دستِ سخاوت

وہ قرآن پڑھتے ہوئے اشکباری
وہ راتوں کی تنہایوں میں عبادت

مشیر ان کے فاروقؓ و عثمانؓ و حیدرؓ
وہ بارِ امامت، وہ دورِ خلافت

وہ ایماں سراپا، یقینِ مجسّم
نبیؐ کی رسالت کی پہلی شہادت

خدا ان سے راضی، وہ راضی خدا سے
نبیؐ نے بھی جنت کی دی تھی بشارت

سیاست مگر عینِ منشاءِ یزداں
دماغوں پہ قبضہ، دلوں پہ حکومت

(فاران فروری 66ء)

سیدنا فاروقِ اعظمؓ

عمر ابنِ خطّاب، فاروقِ اعظم
وہ خیرِ سراپا، وہ عدلِ مجسم

وہ نقّاشِ تہذیب و نبّاضِ فطرت
سیاست مقدس، حکومت منظّم

وہ رائے کہ وحیٔ خدا سے توارد
یہ عرفانِ حق، یہ فراست کا عالم

وہ طرزِ حکومت، عروجِ شریعت
کہ دین اور دنیا میں تھا ربطِ باہم

قضا و قدر نے کہا بارک اللہ
عمر جب چلے جانبِ دارِ ارقمؓ

وہ ایمان و اسلام لانے کا منظر
نبیؐ نے کیا ان کا خود خیرمقدم

حرم میں وہ پہلی نماز اللہ اللہ
یہ تاریخ کا واقعہ ہے مسلّم

وہ فاروقِ اعظمؓ کا دورِ خلافت
برستا رہا ابرِ رحمت چھما چھم

عمرؓ کی شہادت ہے کتنی مبارک
اسی سے ہے آغازِ ماہِ محرّم

مسلمان ذکرِ عمرؓ کررہے ہیں
نہ آہ و بکا ہے نہ فریاد و ماتم

مری منقبت کے یہ اشعار ماہر
کوئی موجِ کوثر، کوئی موجِ زمزم

(فاران فروری ۷۷ء)

منقبت

حضرت سیدنا علیِ مرتضیٰ کرم اللہ وجہ

اہلِ باطن ہیں علیؓ، صاحبِ تقویٰ ہیں علیؓ
ایسے اللہ کے بندے ہیں کہ مولاؑ ہیں علیؓ

میری دنیا ہیں علیؓ اور مری عقبیٰ ہیں علیؓ
غایت و مقصد و مقصود و تمنا ہیں علیؓ

ہاشمی، مطلبی، صہرِ نبیؐ، زوجِ بتولؓ
نسب و نام بتاتے ہیں کہ اعلیٰ ہیں علیؓ

مشورت حضرتِ فاروقؓ نے کی ہے ان سے[۲]
واقفِ دین، شریعت کے شناسا ہیں علیؓ

وہ عبادت ہو، شجاعت ہو، فصاحت ہو کہ علم
واقعہ یہ ہے کہ ہر وصف میں یکتا ہیں علیؓ

ذکر سے ان کے طبیعت کو سکوں ملتا ہے
آنکھ کا نور علیؓ، دل کا اجالا ہیں علیؓ

جبر اور قدر کے مابین توازن کے لئے
قدرتِ قادر و جبار کا منشا ہیں علیؓ

شبِ ہجرت میں علیؓ ، اور نبیؐ کا بستر
اپنے بیدار مقدر کا ستارا ہیں علیؓ

جن کے چہرے کا نظارا بھی عبادت ٹھہرا
جس سے عرفانِ[3] خدا ہو' وہ ارادا ہیں علیؓ

منزلِ ماضی و امروز کے ہیں راہ نما
اور پھر قائدِ مستقبل و فردا ہیں علیؓ

تیغ زن ایسے کہ مرحب فگن و قلعہ شکن
فتحِ خیبر کا وہ منظر ہے کہ تنہا ہیں علیؓ

ان کے اوصافِ حمیدہ کی نہیں حد ماہر
اشجع الناس علیؓ، افقہ و اقصیٰ ہیں علیؓ

1- من کنت مولاہ فعلی مولاہ (حدیث شریف)

2- لولا علی لہلک عمر (حضرت عمر فاروقؓ)

3- عرفت ربی بفسخ العزائم (میں نے اپنے ارادوں کے ٹوٹ جانے سے اپنے رب کو پہچانا ہے'
حضرت علیؓ

(فاران جون 75ء)

جنابِ بوترابؓ آئے!

کہا صلِ علیٰ سب نے، فلک سے بھی خطاب آئے
قدم بوسی کی خاطر آفتاب و ماہتاب آئے

جلو میں دین و ایماں، علم و دانش ہم رکاب آئے
زمیں کی جاگ اٹھی قسمت جنابِ بوترابؓ آئے

☆☆☆☆☆☆

بابِ مدینۃ العلوم، صاحبِ ذوالفقار بھی
شاملِ پنجتنؓ بھی ہیں، شاملِ چار یارؓ بھی

نانِ جویں غذا مگر فاتحِ خیبر و حنین
علم کے شہریار بھی، فقر کے تاجدار بھی

زوجِ بتولِ فاطمہؓ، صاحبِ تاجِ لافتیٰ
باعثِ فخرِ کائنات، نازشِ روزگار بھی

نامِ خدا حسنؓ حسینؓ، دونوں علیؓ کے نورِ عین
باغِ نبیؐ کے پھول ہیں، پھول نہیں ببار بھی

یادِ نجف میں آنکھ سے اشک رواں جو ہوگئے
آئینۂ خیال سے دھلنے لگا غبار بھی

قدرشناسِ مرتبت، زمزمہ سنجِ منقبت
قمری و صلصل و ہزار، موجۂ آبشار بھی

(فاران اپریل 56ء)

منقبت

درود تجھ پہ ہو، گل کرکے اپنے گھر کے چراغ
حسینؑ! دی ہے زمانے کو روشنی تو نے

غمِ حسینؑ تری تازگی کا کیا کہنا!
نفس نفس کو عطا کی ہے زندگی تو نے

اسی نماز کی ہیں جستجو میں دیدہ و دل
بنا دیا جسے معراجِ بندگی تو نے

سلام کوثر و تسنیم کی طرف سے تجھے
لبِ حسینؑ کو چوما ہے تشنگی! تو نے

ترا کرم، حق و باطل کے درمیان لکیر
خود اپنے خون کی سرخی سے کھینچ دی تو نے

(فاران اکتوبر 56ء)

ہجومِ غم میں بھی توفیق مسکرانے کی
حسینؓ ہی کی طرف تھی نظر زمانے کی

یہ منزلت ہے، یہ توقیر اس گھرانے کی
بنی ہے خاکِ شفا، خاک آستانے کی

خبر سنی جو شہِ کربلا کے آنے کی
درود پڑھنے لگیں گردشیں زمانے کی

ہر ایک کو علی اکبرؓ کی موت کا غم ہے
کہ جیسے ٹوٹ گئی شاخ آشیانے کی

لٹے ہوؤں کے ہیں سجادؒ قافلہ سالار
یہ عمر تھی کہیں بارِ الم اٹھانے کی

مرے حسینؓ! جہاں کے حسینؓ! سب کے حسینؓ!
"رضائے دوست" ہے سرخی ترے فسانے کی

(فاران نومبر 57ء)

شہادتِ معتبر

السّلام اے صداقت کے پیغامبر
السّلام اہلِ ذکر اور اہلِ خبر

السّلام اے سکونِ دلِ فاطمہؑ
السّلام اے محمدؐ کے نورِ نظر

ہے سعادت کی منزل ترا نقشِ پا
ہے ہدایت کا رستہ تری رہگذر

اک غریب و تہی دست کی نذر کیا
بس یہی اشک ہیں میرے لعل و گہر

اس طرف حق پسندی بہ ایں سادگی
اس طرف بادشاہی بصد کروفر

اے قتیلِ جفا، اے شہیدِ وفا
فتح مندی کا سہرا رہا تیرے سر

جان دی اور اس شان سے جان دی
خاک پر تھی جبیں، عرش پر تھی نظر

○○○

نقش کرب و بلا اور ابھر اور ابھر
بجھ نہ جائیں کہیں زندگی کے شرر

چھپ گئے خاک میں کتنے شمس و قمر
دیکھتے دیکھتے لٹ گیا گھر کا گھر

"العطش" بھی کہا اور "الحمد" بھی
غازیوں نے لبوں پر زباں پھیر کر

چند تیغیں تھیں اور جاں نثارانِ حق
زرہ و جوشن کہاں، کیسے خود و سپر

اور اس پر قیامت کی تھی تشنگی
کر دیا پھر بھی فوجوں کو زیر و زبر

یہ جوانانِ جنت کا سردار ہے
کربلا! اپنی قسمت پہ تو ناز کر

اس بہادر کی تو بے کسی پر نہ جا
اس کی ٹھوکر پہ قربان فتح و ظفر

اس کا غم ہے زمانہ کی آسودگی
اس کی مظلومیت دہر کی چارہ گر

ہم بھی تاریخ کو اک نظر دیکھ لیں
سامنے آئیں اربابِ نقد و نظر

ہر روایت غلط، ہر درایت غلط
یہ شہادت نہیں ہے اگر معتبر

(فاران اکتوبر 59ء)

منقبت

ہے ظلم کی شکست صداقتِ حسینؓ کی
انسانیت کی فتح عزیمت حسینؓ کی

اس بات پر گواہ خدا اور رسولؐ ہیں
ایماں کی ہے دلیل محبت حسینؓ کی

قرآن کے ورق کی طرح بے مثال ہیں
صورت حسینؓ کی ہو کہ سیرت حسینؓ کی

اس شانِ فقر پر تو نچھاور ہیں تخت و تاج
ہے آج تک دلوں پہ حکومت حسینؓ کی

شاعر بھی کیا کہے کوئی ذاکر بھی کیا بتائے
دوشِ نبیؐ سے پوچھئے عظمت حسینؑ کی

ایمان اور یقین کی دولت کے باوجود
ہر دور میں رہی ہے ضرورت حسینؓ کی

(فاران مئی 73ء)

حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ

ترے اوصاف کیا کہنا مجدد بھی، مجاہد بھی
امامِ وقت بھی اور جیشِ اسلامی کا قائد بھی

مفکر بھی، مبلغ بھی، خدا آگاہ زاہد بھی
کہ تو آمر بھی تھا، مامور بھی، مشہود و شاہد بھی

تو وہ مجموعۂ خوبی کہ تجھ کو زیب دیتے ہیں
محامد بھی، فضائل بھی، مناقب بھی، قصائد بھی

علامت اور مظاہر بن چکے تھے شرک و بدعت کے
خیال و فکر بھی، ذہن و طبیعت بھی، عقائد بھی

تو اٹھا اور مصلح بن کر اٹھا خاکِ دہلی سے
کہ شامل ہوگئے تھے دین میں حشو و زوائد بھی

یہ سازش تھی تری تحریک کو ناکام کرنے کی
مسلمانوں میں پیدا ہوگئے دشمن بھی حاسد بھی

ترا وہ عزمِ محکم جو چٹانوں کے مقابل تھا
عزیمت نے تری جھیلے مصائب بھی شدائد بھی

تری خدمت میں سب نذرِ عقیدت پیش کرتے ہیں،
مقالے بھی، مضامیں بھی، کتابیں بھی، جرائد بھی

کتابُ اللہ اور خلقِ پیمبرؐ کے مطابق تھے
ترا ذوق و طبیعت بھی، عزائم بھی، مقاصد بھی

جھلکتے ہیں نگارش میں تری آبِ گہر بنکر
روایت بھی، درایت بھی، دلائل بھی، شواہد بھی

تقاضا ہے عقیدت کا کہ تجھ کو محترم کہئے
شہیدِ راہِ حق اور صاحبِ سیف و قلم کہئے

(فاران نومبر 74ء)

اقبالؒ

کارواں خواب میں تھا بانگِ درا سے پہلے
ساز میں سوز نہ تھا تیری نوا سے پہلے

اللہ اللہ! تیرا قافلۂ نطق و کلام
بالِ جبریل کے سائے میں ہوا گرمِ خرام

تو کبھی شعلۂ رقصاں، کبھی رفتارِ نسیم
موجِ کوثر ترے اشعار کہیں ضربِ کلیم

اک نئی طرز، نئے باب کا آغاز کیا
شکوہ اللہ تعالیٰ سے بصد ناز کیا

حسن و الفت کے فسانوں میں ہوس شامل تھی
تو نے تقدیس عطا کی انہیں، عصمت بخشی

چہرۂ فکر و معانی کو نکھارا تو نے
زلفِ دوشیزۂ اردو کو سنوارا تو نے

نفسِ گرم سے غنچوں کی گرہ کھولی ہے
شبنمِ گل میں محبت کی شکر گھولی ہے

تیرے افکار کی گرمی سے ہے آہن بھی گداز
تیری حکمت، ترے پیغام کی ہو عمر دراز

تو نے ہر گام پہ کچھ نقشِ وفا چھوڑے ہیں
تونے تہذیبِ فرنگی کے صنم توڑے ہیں

می چکد کوثر و تسنیم زِ گویائی تو
شعر خود گشت طلب گار و تمنائی تو

تیرے شعروں میں کہیں معرکۂ بدر و حنین
کہیں ایمانِ براہیمؑ، کہیں عزمِ حسینؓ

اس لئے ہے تری اک اک مجھے بات قبول
تیرا سرمایۂ دانش تھا فقط عشقِ رسولؐ

تو کہ لندن کی بھی راتوں میں سحر خیز رہا
غیرماحول میں خوددار و کم آمیز رہا

اس قدر خوفِ خدا، سوزِ دروں، جذبۂ حق
بھیگ جاتے تھے ترے اشک سے قرآں کے ورق

علم و حکمت کے مسائل کو دیا شعر کا رنگ
کس نزاکت سے ہم آغوش کئے شیشہ و سنگ

فکرِ افسردہ کو پرواز عطا کی تونے
لبِ خاموش کو آواز عطا کی تونے

(فاران جون ۱۹۶۱ء)

شاہ فیصل شہیدؒ

پلا ساقیا! ساغرِ لاالہ
کہ دھل جائے دل سے غبارِ گناہ

نگاہوں کو میری بنا حق نگر
افق پر ہو دل کے طلوعِ سحر

یقیں کی تجلی ہو ایماں کا نور
عطا کر مجھے زندگی کا شعور

تصور کو پاکیزگی بخش دے
اندھیرے کو تابندگی بخش دے

شہادت کہ ہے لذتِ جاوداں
اسی کا مزہ لے رہی ہے زباں

وہ مردِ حق آگاہ، روحِ سعید
وہ ملت کا غم خوار، فیصلؒ شہید

وہ انساں جو خیر مسلسل بھی تھا
وہ فیصل بھی تھا، قولِ فیصل بھی تھا

وہ سلطاں کہ چشم و چراغِ سعود
وہ غازی کہ ڈرتے تھے جس سے یہود

وہ شعلہ بھی تھا اور شبنم بھی تھا
وہ اپنی جگہ عزمِ محکم بھی تھا

وہ بندہ خدا کا اطاعت گزار
وہ درویش باطن، مگر تاجدار

وہ خلد آشیاں اور جنت مقام
علیہ سکینت، علیہ سلام

(فاران اکتوبر ۷۷ء)

شہید عبدالمالک

حق کا شیدائی تھا، باطل کا پرستار نہ تھا
روس اور چین کا تو حاشیہ بردار نہ تھا

آئینہ تھا ترا کردار، پراسرار نہ تھا
پھول ہی پھول تھے دامن میں ترے خار نہ تھا

دورِ حاضر میں جوانی کے تقاضے توبہ!
ایسی باتوں سے تجھے کوئی سروکار نہ تھا

کوئی لالچ ترے کردار کو زَک کر نہ سکا
تو وہ خودار کہ منت کشِ اغیار نہ تھا

زندگی مردِ مجاہد کی طرح گرمِ سفر
صرف اہلِ قلم و صاحبِ گفتار نہ تھا

تو کہیں برق و شرر اور کبھی موجِ نسیم
برگِ افتادہ نہ تھا، نقشِ بدیوار نہ تھا

جوشِ حق دل میں، مگر منکسر و سادہ مزاج
تو خدا مست تھا، مستِ مئے پندار نہ تھا

حکمتِ دینِ خدا پر تھیں نگاہیں تیری
حلقۂ دامِ سیاست میں گرفتار نہ تھا

ملک کے، قوم کے، اسلام کے جو دشمن ہیں
ایسے لوگوں سے تجھے ربط نہ تھا، پیار نہ تھا

تجھ پہ اللہ کی رحمت ہو جواں سال شہیدؒ
"اس خطا پر تجھے مارا کہ خطا کار نہ تھا"

(فاران دسمبر ۶۹ء)

۱- خم نہ کر سکا، جھکا نہ سکا۔

ساقی نامہ!

(21 اپریل 62ء کو یومِ اقبال (کراچی) میں شاعر کی زبان سے سنا گیا)

پلا ساقیا! بادۂ لاالٰہ
کہ ہے بے یقینی سے دنیا تباہ

خرد گرچہ پہلے سے باریک ہے
مگر اس کا ماحول تاریک ہے

توانا بدن، روح جھلسی ہوئی
نظر خار و خس میں ہے الجھی ہوئی

پگھلتے ہیں شعلے، سلگتی ہے برف
ذہانت تباہی میں ہوتی ہے صرف

مہ و مہر پر ڈال دی ہے کمند
دلوں کے دریچے ابھی تک ہیں بند

کتابوں کے ہر سمت انبار ہیں
مگر علم کے سرد بازار ہیں

ادب بے ادب ہے زباں بے لگام
نہ لطفِ سخن ہے نہ ربطِ کلام

محبت ہوس، حسن ہے خودفروش
نوا سنج کرگس ہیں، بلبل خموش

نہ گرمی لہو میں، نہ سینوں میں دم
غزالوں سے رخصت ہوا ذوقِ رم

ممولوں کی مانند شہباز ہیں
جو تھے تیغ زن، صاحبِ ساز ہیں

تصور کا مرکز ہیں نان و شکم
اسی پھیر میں ہیں زبان و قلم

گناہوں سے یاری ہے، نیکی سے جنگ
کہ شاہ و گدا سب کا ہے ایک رنگ

سیاست ہے دھوکا، تمدن فریب
بلندی کے دعوے مگر یہ نشیب

یہ تہذیب جس کی بڑی دھوم ہے
حیا اور غیرت سے محروم ہے

گناہوں سے اٹھا ہے اس کا خمیر
یہ کم ظرف، بے آبرو، بے ضمیر

کہاں ہے تو اے شیخِ آتش بجاں
چراغِ حرم دے رہا ہے دھواں

زمانے کو پاکیزگی سے ہے بیر
ترے نوجوانوں کی عصمت کی خیر

مؤذن نے دیدی سحر کی اذاں
مگر خوابِ راحت میں ہے کارواں

مجاہد کا سوزِ نوا چاہئے!
اب ایسے میں بانگِ درا چاہئے

نئے ولولے ہوں، نئی زندگی
ضرورت ہے پھر بالِ جبریل کی

ہو جس کی نگاہوں میں ضربِ کلیم!
وہ شاعر ہے روح القدس کا ندیم

خدا کے لئے ساقیٔ دلنواز
عطا ہو مئے ارمغانِ حجاز

بدل جائے دنیا کی آب و ہوا
کہ نانِ جویں پھر ہو خیبر کشا

خدا کی رضا سب کا مقصود ہو
پھر انساں ملائک کا مسجود ہو

حبابوں کے سینوں سے موجیں اٹھیں
مولے بھی اب شاہ بازی کریں

بہت مرحلے قابلِ غور ہیں
ستاروں سے آگے جہاں اور ہیں

سفینے ہوں پھر سوئے اندلس رواں
میسر ہو طارق کا عزمِ جواں

گہے لطفِ شبنم، گہے جوشِ میغ
بہ یک دست قرآں، بہ یک دست تیغ

نجواں مطرب خوش نفس، تازہ دم
دو بیت از بیاضِ زبورِ عجم!

یہ ماضی ہے، مستقبل و حال ہے
زمانوں کا دل "یومِ اقبال" ہے

خوشا راز دانائے راز آمدہ
نسیم آمدہ، و ز حجاز آمدہ

(فاران جون 62ء)

مسجدِ قرطبہ

(یہ خبر پڑھ کر کہ مسجدِ قرطبہ صدیوں کے
بعد نماز کیلئے کھول دی گئی ہے)

اے قرطبہ کی مسجدِ جامع تجھے سلام
تکبیر اور اذاں کا مبارک ہو اہتمام

حی علی الصلوۃ کے کب سے تھے منتظر
یہ کنگرے، یہ منبر و محراب و سقف و بام

اب گونجتا ہے نعرۂ توحید ہر طرف
خاموش اور گنگ ہے تثلیث کا پیام

اللہ کے حضور جبینیں جھکی ہوئیں
تکبیر بھی، اذان بھی اور سجدہ و قیام

دستِ دعا دراز ہیں کس عاجزی کے ساتھ
آنکھوں میں اشک اور لبوں پر خدا کا نام

شاید یہ ابتداء ہے کسی انقلاب کی
کیا ہو جو لوٹ آئیں وہ اندلس کے صبح و شام

(فاران اکتوبر ۷۶ء)

تفہیم القرآن

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کی قرآنی فکر و بصیرت کا شاہکار

وہ فکر ہے کہ صبحِ تجلی کہیں جسے
وہ ذہن پرتوِ یدِ بیضا کہیں جسے
ایک ایک سطر عقدِ ثریا کہیں جسے
ایک ایک لفظ لو لوئے لالا کہیں جسے
علم و کمال و فضل کا دریا کہیں جسے
وہ ایک شخصیت ابوالاعلیٰ کہیں جسے
وہ ترجمہ زبان و ادب کو ہے جس پہ ناز
تمثیل بے مثال ہے تشبیہ دلنواز
دل کا وہ سوز جس سے عبارت میں ہے گداز
ہر رخ یقیں فروز حقیقت ہو یا مجاز
تحریر شستگی و روانی لئے ہوئے
ہر صفحہ اک کتابِ معانی لئے ہوئے
عقلی دلیل نقلِ روایت کے ساتھ ساتھ
ہر واقعہ کا ربط حکایت کے ساتھ ساتھ
شرح و بیاں بھی رمز و اشارت کے ساتھ ساتھ
نکتہ شناس فکر وضاحت کے ساتھ ساتھ
جس سے کھٹک ہو دل میں وہ اجمال رہ نہ جائے
قاری کے ذہن میں کوئی اشکال رہ نہ جائے

ایمان اور عمل میں ہے کیا ربطِ باہمی
ہے امتحان گاہ یہ دنیائے عارضی
عقبیٰ کا ہے وجود تقاضائے منصبی
جنت بھی لازمی ہے، جہنم بھی لازمی
وہ فکر جو شکوک کے کانٹے نکال دے
اوہام کو یقین کے سانچے میں ڈھال دے
زوجین کے حقوق ہوں یا حرمتِ ربا
عورت کے واسطے ہیں حجابِ حدود کیا
فطرت ہے ہر قدم پہ شریعت کی ہم نوا
کس شان سے کیا ہے مسائل کا تجزیہ
سلجھی ہوئی نگارش و ترقیم دیکھنا
اللہ کے کلام کی تفہیم دیکھنا
اظہار اور بیان کا اسلوبِ باوقار
وہ شرح جس سے دانش و حکمت ہیں آشکار
اپنی جگہ تدبرِ قرآں کا شاہکار
سب سے بڑا یہ وصف کہ توحیدِ بے غبار
الفاظ ہیں دلوں کی گرہ کھولتے ہوئے
اردو زباں میں لوح و قلم بولتے ہوئے
لکھی گئیں بہت سی تفاسیر کامیاب
تفہیم اپنے طرز کی ہے منفرد کتاب

الفاظ کے نجوم، معانی کے ماہتاب
وہ انفرادیت ہے کہ جس کا نہیں جواب
حکمت کے ساتھ نورِ بصیرت ملا ہوا
ایمان اور یقیں کا گلستاں کھلا ہوا

(فاران ستمبر ۷۲ء)

اجتماع گاہ

(جماعتِ اسلامی کے سالانہ اجلاس (کراچی) سے متاثر ہو کر!)

یہ خیمہ گاہ، یہ طغرے، یہ دفتروں کی قطار
اک انجمن ہے مگر کتنی سادہ و پُرکار
نہ شور ہے نہ کہیں برہمی، نہ گرد و غبار
مقامِ غور و توجہ ہے یا اولی الابصار!
یہ ضبط و نظم وسلیقہ، یہ فرض کا احساس
دل و نگاہ بھی روشن، ضمیر بھی بیدار
روش روش سے نمایاں فراستِ مومن
قدم قدم پہ ہے دینی شعور کا اظہار
طلوعِ صبح کا منظر نہ پوچھئے کیا ہے
غروبِ شام بھی ہے اس جگہ سحر آثار
ہوا کے دوش پہ جاتے ہوئے پیامِ عمل
فضا میں گونج رہی ہے خدا کے دیں کی پکار
مجاہدوں کے سے انداز، غازیوں کی سی چال
یہی تو حق و صداقت کے ہیں علمبردار
وہ دشمنوں کی ہو یورش کہ دوستوں کے ستم
ہر ایک حال میں اپنے خدا کے شکر گزار
خلوص جن کی ہے طینت وفا ہے جن کی سرشت
زِفرق تابقدم سوزو الفت و ایثار
لئے ہوئے ہیں مہ و کہکشاں جبینوں میں
یہ آفتاب چھپائے ہوئے ہیں سینوں میں

(فاران فروری ۵۶ء)

اے عظمتِ جمہور!

1

تو محفلِ ایجاد میں موضوعِ رسالت
تو عالمِ تکوین میں عنوانِ مشیت
نازل ہوا تیرے لئے اللہ کا منشور
اے فطرتِ..... جمہور!

2

وہ عہدِ نبوت' وہ خلافت کا زمانہ
انساں کے لئے خیر و سعادت کا زمانہ
پہلے کی طرح کیوں نہیں تابندہ و پُر نور
اے قسمتِ..... جمہور!

3

یہ رقصِ حیا سوز' یہ شعلِ مے و مینا
آ جائے جسے دیکھ کے شیطاں کو پسینہ
افرنگ کی تہذیب کا ہر وار ہے بھرپور
اے عظمتِ..... جمہور!

4

دھوے کے بھنور، اور سیاست کے بگولے
عشرت کے یہ باغ اور شہنشاہوں کے جھولے
حیرت ہے کہ اس دور میں ہوں قیصر و فغفور
اے عزتِ..... جمہور!

5

کھائی تھی قسم شعبہ بازوں نے خدا کی
جب وقتِ عمل آیا تو ملت سے دغا کی
چیخا ہی کیا صفحۂ قرطاس پہ دستور
اے غیرتِ..... جمہور!

6

جو کھیت کسانوں کو نہ محنت کا صلہ دے
اس کھیت کے ہر خوشہ گندم کو جلا دے
کب تک تہِ دامن ترے شعلے رہیں مستور
اے طاقتِ..... جمہور!

7

پھیلے ہوئے یہ جال سمٹنے کے لئے ہیں
یہ تخت، قیادت کے الٹنے کے لئے ہیں
یہ وقت بھی آ جائے گا، یہ دن بھی نہیں دور
اے جرأتِ..... جمہور!

8

اس پاک زمیں پر عجب افتاد پڑی ہے
جس سمت چلے جایئے اک لوٹ مچی ہے
قانون بھی خاموش ہے انصاف بھی مجبور
اے سطوتِ..... جمہور!

9

شاہوں کی یہ سج دھج، یہ بڑائی نہ رہے گی
یہ عیش یہ رشوت کی کمائی نہ رہے گی
ہو گا تیری ٹھوکر میں ہر اک جابر و مغرور
اے عظمتِ..... جمہور!

(فاران مئی ۵۸ء)

منشورِ ربانی

زہے! یہ محفلِ روحانیاں، یہ بزمِ قرآنی
خزف ریزوں سے کمتر ہیں جہاں لعلِ بد خشانی
ادھر یہ حکم آیا "رتل القرآن ترتیلا"
ادھر کچھ اور پاکیزہ ہوا شوقِ حدی خوانی
صدائے "جاہدوا" نے بجلیاں سینوں میں چمکا دیں
دلوں میں جاگ اٹھا جذبۂ ایثار و قربانی
"سمعنا" اور "اطعنا" ہی کمالِ آدمیت ہے
یہی تکمیلِ دانش ہے، یہی معراجِ انسانی
کتاب اللہ کے "نورِ مبیں" سے روشنی پا کر
شتر بانوں پہ روشن ہو گئے اسرارِ سلطانی
خدا کے پوجنے والے جو پہنچے بدر و خیبر میں
برائے خیر مقدم خود بڑھی تائیدِ یزدانی
عبادت نام ہے اس کا، شجاعت اس کو کہتے ہیں
ابھی ہاتھوں میں تلواریں، ابھی سجدے میں پیشانی
یہ ایجادات کی دھن، بے یقینی کی فراوانی
مبارک؟ اہلِ مغرب کو نگاہ و دل کی ویرانی
خشیت کی جھلک جن میں نہ ایماں کی چمک جن میں
تو ایسی کوششوں کا صرف حاصل ہے پشیمانی

یہ قزّاقی، یہ سفّاکی، یہ صیّادی، یہ جلّادی
اسی کا نام رکھ چھوڑا ہے آئینِ جہاں بانی

وہ شبنم، آہ! جس کے آگ کے شعلے نگہباں ہوں
وہ گلہ ہائے! جس کی بھیڑیئے کرتے ہوں چوپانی

تباہی نسلِ انسانی کی اب دیکھی نہیں جاتی
ضرورت ہے کہ پھر سے عام ہوں افکارِ قرآنی

اسی تہذیب کی شیشہ گری کو ختم کرنا ہے
کہ جس تہذیب میں ہو "آرٹ" کی معراج عریانی

بجھا دو ہاں! بجھا دو ہر چراغِ محفلِ عشرت
الٹ دو، ہاں الٹ دو ہر بساطِ عیشِ سامانی

جہاں کو پھر اسی انداز سے ترتیب دینا ہے
عمرؓ کا جوش ہو، بوذرؓ کا ایماں، فقرِ سلمانیؓ

عمل صالح، یقیں محکم، نظر پاکیزہ، دل روشن
کیا جائے گا نافذ دہر میں منشورِ ربّانی

(فاران اپریل ۵۹ء)

پیغامِ عمل

یوں چمکئے زینتِ کوہ و دمن بن جایئے
یوں ابھریئے صبح کی پہلی کرن بن جایئے

غیر ہوں تو بن کے رہیئے سنگِ خارا کی طرح
دوستوں کی بزم میں برگِ سمن بن جایئے

میکدوں نے چھین لی ہیں، مسجدوں کی رونقیں
بوتلوں کو توڑیئے، ساغر شکن بن جایئے

کس لئے، کس کے لئے، یہ انجمن کی ہے تلاش
آپ خود اپنی جگہ اک انجمن بن جایئے

صرف غنچوں کا تبسم ہی نہیں ہے زندگی
ہو سکے تو لالۂ خونیں کفن، بن جایئے

ظاہر و باطن کو ہم آہنگ ہونا چاہیے
اہلِ دل، اہلِ نظر کا حسنِ ظن بن جایئے

زندگانی ہے کم آمیزی و خود داری کا نام
کون کہتا ہے بہارِ ہر چمن بن جایئے

دوسروں پر حضرتِ ماہر یہ کیوں طعنہ زنی
آپ ہی شائستۂ دار و رسن بن جایئے

(فاران فروری ۶۰ء)

پیام و تمنا

یہ عالمِ اسلام کہ ہے ملتِ بیضا
مربوط و درخشاں، صفتِ عقدِ ثریا
اک باغ کے سب پھول ہیں اک ہار کے موتی
اللہ رے! کثرت میں یہ وحدت کا تماشا
رب ایک، نبی ایک، کتاب ایک، حرم ایک
اس واسطے ہے سود و زیاں ایک ہی سب کا
سب ایک ہی کشتی کے ہیں دراصل مسافر
ترکی ہو کہ ایران، یمن ہو کہ ملایا
ہے ایک ہی انداز، سکوں ہو کہ تموّج
وہ نیل کا ساحل ہو کہ راوی کا کنارا
خِطوں کی جدائی نہیں روحوں کی جدائی
اسلام ہے خود اپنی جگہ ربط سراپا
ہیں وحدتِ افکار و نظر کے یہ کرشمے
ہے نجد کے صحرا میں بھی گلگشتِ مصلا
ملت سے جدا ہو کے کوئی جی نہیں سکتا
ماہی کے لئے موت ہے چھٹ جائے جو دریا
ہے رشتۂ جاں سے بھی سوا دین کا رشتہ
اس راز کو مومن کی فراست نے ہے سمجھا

کچھ روز کے مہمان ہیں یہ سرخ بگولے
وجلہ کے تلاطم سے پریشان نہ ہونا

اس دور کی تہذیب تو اک شیشہ گری ہے
یہ صبح وہ ہے جس میں اندھیرا ہی اندھیرا

وہ دل جسے معراجِ محمدؐ پہ یقیں ہے
تسخیرِ مہ و مہر سے مرعوب نہ ہو گا

کہسار ہوں، گلشن ہو، زمیں ہو کہ فلک ہو
اللہ کی آیات ہیں ہر سو متجلّیٰ

اخلاق و یقیں کے لئے پیغامِ اجل ہیں
افرنگ کی وہ شام ہو یا سرخ سویرا

(فاران اپریل ۶۰ء)

رجزیہ غزل

(جہادِ ستمبر کے حوالے سے)

اس کی شادابی میں شامل ہے شہیدوں کا لہو
دیدنی ہے گلشنِ اسلام کا جوشِ نمو
زندگی اک موج ہے دجلہ بہ دجلہ جُو بہ جُو
آدمی کیا ہے سراپا اضطراب و جستجو
جرم ہے ایسے میں آرام و سکوں کی آرزو
اب تو زخمِ دل رہیں گے بے علاج و بے رفو
جنگ کا میدان ہے اور غازیوں کی ہے برات
موت کیا ہے؟ اک عروسِ خوش جمال و خوب رو
تیغ و خنجر سے بدل دو بربط و مضراب کو
اب رجز کا وقت ہے اے مطربانِ خوش گلو
ہم صفیرو! آج کل آدابِ گلشن اور ہیں
آب شبنم سے نہیں، خونِ رگِ گل سے وضو
قلقل و مینا نہیں ہے نغمۂ ابلیس ہے
بند کر دو میکدوں کو، توڑ دو جام و سبو
اے ہوائے سومنات؟ اے موجہ گنگ و جمن
ہم جو کہتے تھے کہ ہم ہیں آگ، تُو ہم کو نہ چھُو،

ہائے! کس بے ذوق، کس بے درد کے چنگل میں ہے
وادیٔ کشمیر یعنی وہ بہشتِ رنگ و بو
بزم ہو تو مردِ مومن، بوئے گل، موجِ نسیم
رزم کے میدان میں آتش مزاج و شعلہ خو
اپنے ہر فوجی کو، غازی کو، مجاہد کو سلام
جو ہے ملت کا محافظ اور وطن کی آبرو
زندگی کے واسطے اک نسخۂ اکسیر ہے
صرف یہ احساس جانا ہے خدا کے روبرو

(فاران اکتوبر ۶۵ء)

آج کا پیام

بیدار رہو، ہشیار رہو
دشمن ہے تمہاری سرحد پر
تیار رہو، تیار رہو
بجلی کی طرح رفتار رہے
موجوں کی طرح کردار رہے
پُر جوش رہے خود دار رہے
دل گرم، پئے پیکار رہے
بیدار رہو ہشیار رہو

تیار رہو

بھارت پر ہیبت طاری ہے
اس پر بھی شرارت جاری ہے
تم مومن، وہ زنّاری ہے
اب جان کسے یاں پیاری ہے
بیدار رہو، ہشیار رہو

تیار رہو

پھر گھات میں ہے وہ دشمنِ دیں
ناپاک نہ ہو، یہ پاک زمیں
تم صاحبِ ایماں، اہلِ یقیں
پھر نصرتِ حق، پھر فتحِ مبیں
بیدار رہو، ہشیار رہو

دشمن ہے تمہاری سرحد پر
تیار رہو، تیار رہو

(فاران نومبر ۶۵ء)

نعرۂ جہاد

خدا کے دامنِ رحمت کو تھام لیتا ہوں
پھر اس کے بعد شہیدوں کا نام لیتا ہوں
خدا کی راہ میں آتے ہیں جب بھی خیبر و بدر
میں زورِ بازوئے حیدرؓ سے کام لیتا ہوں

سب کی منزل ایک ہے مختار کیا مجبور کیا
چل پڑے راہِ شہادت میں تو دلی دور کیا

عبد اور معبود میں فرقِ مراتب چاہیے
نعرۂ توحید حق ہے، نعرہ منصور کیا؟

ہم خدا کے پوجنے والوں سے لڑنے کی مجال
اے پرستارِ صنم! تو کیا؟ ترا مقدور کیا؟

جب نہتے بے گناہوں پر ہی برسانی ہے آگ
اس میں پھر ملتان کی کیا قید لائل پور کیا

آ گئے میدان میں شانہ بہ شانہ صف بہ صف
جنگ ہو تو پھر تمیزِ افسر و مزدور کیا

جان کی بازی لگا دیں آؤ حق کی راہ میں
موت آنی ہے تو یاں گمنام کیا مشہور کیا

ہند میں اندھیر نگری اور چوپٹ راج ہے
ایسے مورکھ دیس میں قانون کیا دستور کیا

(فاران نومبر ۶۵ء) (فارز

رجزیہ غزل

لب پہ تکبیر ہاتھوں میں تیغ و سناں
اللہ اللہ! اپنے مجاہد جواں
رزم ہو تو مسلمان کوہِ گراں
بزم میں رنگ و بو، عود و گل، کہکشاں
گرم ہے، سرد ہے، نبضِ ہندوستان
مرتے دم جیسے بیمار لے ہچکیاں
ایسے بے غیرتوں کو کوئی کیا کہے
ہار کر جو بجاتے ہیں شہنائیاں
اپنی جانباز فوجوں کے ہمراہ ہے
لشکرِ قدسیاں، جیشِ روحانیاں
ایک حملہ میں زیر و زبر کر دیئے
اس طرف دوا رکا، اس طرف جوڑیاں
خطۂ پاک کے یہ جری تیغ زن
کوئی برقِ تپاں، کوئی سیلِ رواں
سر فروشوں کی تحسین کر اے زمیں!
شاہبازوں کو دے داد اے آسماں!
غازیو! فوجِ دشمن کو مہلت نہ دو
آخری بار اور ایک ضربِ گراں

عشق مرحب فگن ، عشق خیبر شکن
عقل کے پاس ہیں صرف باریکیاں
اس طرف شاستری قد آدم سے کم
اس طرف سر و قد صدر ایوب خاں
آج بھارت کے ویروں کا یہ حال ہے
جیسے بیوہ کی ٹوٹی ہوئی چوڑیاں
ہند میں جھوٹ کی فصل اگنے لگی
اس کا آکاش وانی ارے الاماں!
مندروں کے دیئے ٹمٹماتے ہوئے
مسجدوں کے چراغوں سے روشن جہاں
اِس طرف اعتماد ایک اللہ پر
اور اُدھر سینکڑوں دیوتا' دیویاں
ملک بیدار ہے' قوم تیار ہے
نذرِ اسلام میں مال و زر جسم و جاں
ہے رجز میں بھی ماہر سمویا ہوا
لہجۂ بُلبلاں ، نغمۂ قمریاں

(فاران دسمبر ۶۵ء)

مرحبا! ماہ صیام

مرحبا! اے ماہِ تسبیح و صلوٰت
مرحبا! اے دورِ غفران و نجات

مرحبا! شہرِ تراویح و سحور
دل کو حاصل ہے سرور آنکھوں کو نور

اے کہ تو ہے رحمتِ پروردگار
تیری آمد، آمدِ فصلِ بہار

رات دن سجدوں میں ہیں پیشانیاں
ہر نفس اک محفلِ روحانیاں

کیا بہارِ قرآت و تجوید ہے
اہلِ دل، اہلِ نظر کی عید ہے

تابعِ فرمانِ حق ہیں روزہ دار
احتسابِ نفس ہے جن کا شعار

زہد اور پاکیزگی کا دور ہے
ان دنوں دنیا کا عالم اور ہے

زرہ کیا ہے؟ نفسِ امّارہ شکن
امتزاجِ صحتِ روح و بدن

مسجدیں آباد ہیں، معمور ہیں
ہر قدم پر جلوہ ہائے طور ہیں

ہر مسلماں آج خوش اوقات ہے
یادِ حق، ذکرِ خدا دن رات ہے

یہ مبارک اور مقدس صبح و شام
اُنْزِلَ الْقرآنُ فِی شھرِ الصّیام

(فاران جنوری ۶۷ء)

مشہدِ اکبر

یہ قبلۂ اول پہ عجب وقت پڑا ہے
تکبیر کے نغمے، نہ مؤذّن کی صدا ہے
تجوید، نہ تسبیح، نہ منبر پہ وہ خطبے
خاموش در و بام ہیں سنسان فضا ہے
سب عالمِ حیرت میں ہیں ہیکل ہو کہ صحرا
زیتون کی وادی ہے کہ گنجِ شہداء ہے
ہیں سوگ میں ڈوبے ہوئے نابلس و اریحا
القدس کے اطراف میں اک حشر بپا ہے
محرابِ حرم نالہ و فریاد سراپا
یہ مسجدِ اقصیٰ ہے کہ اک بزمِ عزاء ہے
اردن ہے کہ ہے مشہدِ اکبر کا نمونہ
پانی کی طرح خون مسلماں کا بہا ہے
جس قوم پہ قرنوں سے ہے اللہ کی پھٹکار
اس قوم کو اب فتح کا اعزاز ملا ہے
ہیں ارضِ مقدس پہ یہودی متصرف
اے غیرتِ حق! حشر میں اب دیر ہی کیا ہے
یہ غم، وہ قیامت کہ بیاں ہو نہیں سکتا
سو چاہے تو الفاظ نے دم توڑ دیا ہے

فریاد ہے اے مصلحتِ کاتبِ تقدیر!
مسلم کا لہو دستِ یہودی کی حنا ہے
سب دشمنِ اسلام ہیں امریکہ و افرنگ
کافر نے مسلمان کا کب ساتھ دیا ہے
شیطان کی ایجنٹ نصاریٰ کی ہے ٹولی
اور روس بھی درپردہ شرارت پہ تلا ہے
فرعون کی اولاد سے امید یہی تھی
ناصر کی قیادت سے نہ شکوہ نہ گلہ ہے
ہم آج ہیں تاریخ کے خود رحم و کرم پر
ہم وہ تھے کہ تاریخ کا رخ موڑ دیا ہے
بے عیب ہے اللہ کا قانونِ مکافات
جو کچھ بھی ہوا اپنے گناہوں کی سزا ہے
کب آئیں گے اللہ کی نصرت کے فرشتے
ہر ٹوٹے ہوئے دل کی یہ غمناک صدا ہے

(چراغ راہ۔ اگست ۶۷ء)

رومتہ الکبریٰ میں شہنشاہوں کے قصر و ایواں دیکھ کر!

ستونوں کی بلندی اور بنیادوں کی گہرائی
یہ محرابوں کی گولائی یہ دیواری کی پہنائی
فصیلیں ہیں نمونہ امتزاجِ سنگ و آہن کا
ارے! یہ صنعتِ خارا تراشی کی توانائی
منڈیریں تیشہ زن ہاتھوں کی ہیں سنگین تصویریں
دریچوں کا تناسب فنِ معماری کی برنائی
یہاں ذوقِ پرستش ایسے عالم سے بھی گزرا ہے
تراشا تھا خدا' انسان کی صورت ابھر آئی
تمدن تھا بہاروں پر مگر اخلاق سے عاری
سیاست بے خدا اور مذہب و ملت کلیسائی
قدم شاہوں کے بھی فرطِ ادب سے ڈگمگاتے تھے
وہاں سیاح پھرتے ہیں بہ اندازِ تماشائی
یہ آثارِ قدیمہ ہیں کہ عبرت کے مرقعے ہیں
طلوعِ صبح کا یہ رنگ جیسے شامِ تنہائی
نہ چنگ و عود کے نغمے نہ شورِ قلقلِ مینا
کنیزوں کی چھما چھم ہے نہ غلمانوں کی رعنائی
جہاں پھولوں کی بارش تھی وہاں حسرت برستی ہے

وہاں ماتم کا عالم ہے جہاں بجتی تھی شہنائی
ابابیلوں کے مسکن ہیں شبستانوں میں شاہوں کے
چمن میں خارو خس کے ساتھ ویرانی بھی اُگ آئی
کھنڈر فریاد کرتے ہیں نہیں ہم صبح کے قابل
یہاں سورج کی جب پہلی کرن لیتی ہے انگڑائی
زمانہ! اف زمانے سے خدا محفوظ ہی رکھے
بنا دیتی ہیں جس کی ٹھوکریں پربت کو بھی رائی
یہ دنیا ہے یہاں ایسے تماشے ہوتے رہتے ہیں
مسرت کی کبھی پچھوا، کبھی ہے غم کی پروائی
شتر گربہ بھی ہے دنیا، شکستِ ناروا بھی ہے
یہاں ہر انتہ آخر میں بن جاتا ہے استائی
صدا دے اے شہنشاہوں کی عظمت، کس طرف گم ہے
پتا دے رومتہ الکبریٰ کی اے شانِ خود آرائی

(فاران اگست ۶۹ء)

رومتہ الکبریٰ کے میوزیم اور کلیساؤں کو دیکھ کر

عریاں مجسموں کی قطاریں کھڑی ہوئیں
گرجا کی برجیوں پہ صلیبیں گڑی ہوئیں
دیوار و در پہ رنگ کی چھینٹیں پڑی ہوئیں
سونے کے پتروں پہ ہیں کرنیں جڑی ہوئیں
الماریوں کے آئنے حیرت پسند ہیں
پریاں ہیں کوہ قاف کی شیشوں میں بند ہیں
اصنام آئنوں کو بھی حیراں کئے ہوئے
ماتھے کی سلوٹوں کو نمایاں کئے ہوئے
شمعیں ہتھیلیوں پہ فروزاں کئے ہوئے
نظارہ و نگاہ کا ساماں کئے ہوئے
جسموں کے پیچ و خم کی ادائیں تراش دیں
مرمر سے بت گروں نے قبائیں تراش دیں
پردوں پہ رزم گاہ کے نقشے بنے ہوئے
دنیا کی دھوپ چھاؤں کے منظر کھچے ہوئے
صبحوں کے نور، شب کے دھندلکے لئے ہوئے
جیسے افق پہ وقت ہوں دونوں رکے ہوئے
تاریخ اعتقاد کا دھارا لئے ہوئے
تثلیث مورتوں کا سہارا لئے ہوئے

وہ کثرت و ہجوم و نوادر کہ ہائے ہائے
کس کو نگاہ یاد رکھے کس کو بھول جائے
ایسے میں کوئی دوست جو ماہر کو دیکھ پائے
بیساختہ یہ شعر زباں اس کی گنگنائے
ذرہ کہاں سے اڑکے بیاباں میں آ گیا
قطرہ کدھر سے شورشِ طوفاں میں آ گیا
فریاد اے عقیدتِ گستاخ و بے حجاب
پردہ نشین مریمِ عذرا ہے بے حجاب
سب بے شعور لوگ ہیں کس سے کروں خطاب۔
روحانیت کی موت ہے یہ آرٹ کا شباب
عیسیٰ مسیحؑ کو جو دکھایا ہے دار پر
تہمت ہے یہ نبی پہ نبی کے وقار پر

(فاران ستمبر ۶۹ء)

رجزیہ غزل

(جب جہاد جاری تھا)

دین پیارا ہے ہمیں جان نہیں پیاری ہے
اپنا شیوہ تو شہادت ہے خدا کاری ہے
ایک ہی ضرب مسلماں کی بہت بھاری ہے
صفت اس کی اسد اللہی و ضرّاری ہے
حوصلہ مند ہے، بیدار ہے، تیار ہے قوم
غیر کا خوف نہیں، خوفِ خدا طاری ہے
بدر میں کثرتِ کفار نہ کچھ کام آئی
نصرتِ حق کا وہی فیض ابھی جاری ہے
کاش! ایسا ہو کہ دشمن کا مقدر بن جائے
اپنے اللہ کی وہ شان جو قہاری ہے
آزمائش تو کسوٹی ہے پرکھنے کے لئے
دل حقیقت میں موحّد ہے کہ زنّاری ہے
اپنی تاریخ کا ہر باب ہے کتنا روشن
فتح مندی ہے، شجاعت ہے، جہانداری ہے
بھارت اور روس کی سازش کا بھرم کھل ہی گیا
یہ خدا سے نہیں انساں سے بھی غداری ہے
تم بھی اب جنگ کے میداں کو چلو اے ماہر
اسی بازار میں جنت کی خریداری ہے

مشرقی پاکستان کے المیہ کے بعد

دل کا یہ حال کہ مصروفِ عزاداری ہے
اب مسرت کے تصور سے بھی بیزاری ہے
اپنے غازی سپر انداز نہیں ہو سکتے
یہ تو سازش ہے، سیاست کی فسوں کاری ہے
آج بھی جعفر و صادق کے ہیں وارث موجود
ملک و ملت سے وہی رسمِ دغا جاری ہے
اپنا یہ رنگ تبسم سے بھی لب ہیں محروم
اُس طرف ناز ہے، شوخی ہے، اداکاری ہے
آخرت کے لئے کچھ کر! کہ وہیں ہے سب کچھ
چمنِ دہر تو دو روز کی پھلواری ہے
ہم کسی قیصر و کسریٰ سے نہیں دب سکتے
صرف اللہ سے پیمانِ وفاداری ہے
اس دو رنگی کے تو سائے سے بھی اللہ بچائے
ربط اسلام سے ہے، کفر سے بھی یاری ہے
میرے معبود! دہائی ہے تیری رحمت کی
عرصۂ حشر ہے اور مجرمِ اقراری ہے

(فاران جنوری ۷۲ء)

غالب

(جو ریڈیو پاکستان سے شاعر کی زبان سے نشر ہوئی)

غزل کو نیا پیرہن دینے والے
تصور کو اک انجمن دینے والے

حسینوں کو ذوقِ سخن دینے والے
غزالوں کو مشکِ ختن دینے والے

رخِ شاعری کو پھبن دینے والے
زباں کو حسیں بانکپن دینے والے

تخیّل کی روندی ہوئی وادیوں کو
گل و لالہ و نسترن دینے والے

زمینِ سخن پر ہے احسان تیرا
بیاباں کو رنگِ چمن دینے والے

کبھی زلف کے پیچ و خم کو سنوارا
کہیں گیسوؤں میں شکن دینے والے

تو شاہنشہِ ملکِ شعر و ادب ہے
ہمیں دولتِ فکر و فن دینے والے

(فاران مارچ 66ء)

کراچی نامہ

پلا ساقیا! بادۂ لالہ فام
کہ پیشِ نظر ہے کلفٹن کی شام

ہوا میں ہے مستی فضا میں سرور
کہ ماحول اپنے نشے میں ہے چور

تماشائیوں کا ہے میلہ یہاں
یہ شوخی، یہ چہلیں، یہ خوش فعلیاں

کوئی ریت پر کوئی پانی میں ہے
برہلپا بھی دورِ جوانی میں ہے

سمندر کی موجوں کا یہ پیچ و تاب
جسے دیکھ کر زرد ہے آفتاب

یہ ہل پارک پر مہ وشوں کا ہجوم
یہ ہر گام یہ چلتے پھرتے نجوم

یہ پھلوار شاعر کی فکرِ جمیل
چٹانوں یہ سبزہ پہاڑی پہ جھیل

کراچی ہے سب بستیوں کی دلہن
یہاں ہر طرف ہے نرالی پھبن

یہاں باغ اور سیر گاہیں بھی ہیں
یہاں چوک ہیں، شاہراہیں بھی ہیں

ادھر کوٹھیاں ہیں، ادھر جھگیاں
کہیں روشنی ہے، کہیں ہے دھواں

بلندی بھی ہے، خاکساری بھی ہے
یہاں گولی مار اور لیاری بھی ہے

کہیں مسجدیں ہیں، کہیں میکدے
شبینے بھی ہیں اور ہیں رتجگے

بسیں چل رہی ہیں ہوا کی طرح
گدھے دوڑتے ہیں صبا کی طرح

یہ میووں کے ٹھیلے، مٹھائی کے قاب
بدایوں کے بیڑے، بہاری کباب

فقیروں سے دامن چھڑانا محال
یہ ہر موڑ پر اتنے دستِ سوال

خریدار کتنے طرحدار ہیں
نمائش لگی ہے کہ بازار ہیں

یہ قسمت، یہ تقدیر فٹ پاتھ کی
نجومی بھی بیٹھے ہیں، رمل بھی

کراچی میں آئی بصد حسنِ ناز
حقیقت، پہن کر لباسِ مجاز

ہے شہرِ کراچی عروس البلاد
درخشندہ باد اور پائندہ باد

(فاران مارچ ۷۳ء)

''حسنِ معصوم''

اک بتِ سیم بر، خوش ادا، خوش نظر
رشکِ سروِ سہی، غیرتِ نیلوفر

جس کی زلفوں پہ صدقے برستی گھٹا
جس کے چہرے پر قرباں طلوعِ سحر

چال سے جس کی شرمندہ کبک دری
چشمِ آہو پہ اک طنز جس کی نظر

شوخیاں سادگی میں سموئی ہوئیں
جیسے خوش تابیٔ موجِ آبِ گہر

مسکراہٹ لبوں پر مچلتی ہوئی
جیسے اک برق کی رو اِدھر سے اُدھر

جس کی پہچل سے بجنے لگیں چنگ و دف
جس کی رفتار اک موجۂ نغمہ گر

جس کے لہجہ سے چھڑ جائیں سازِ طرب
جس کے جلووں سے آرائشِ بام و در

جس کی ٹھوکر سے ہونے لگے روشنی
غازۂ کہکشاں جس کی گردِ سفر

شادمانی سے جس کی، فروغِ جہاں
جس کی افسردگی ظلمتِ بحر و بر

دلبری کے ہنر، دل ربائی کے فن
ایسی باتوں سے بیگانہ و بے خبر

عصمتِ پاکبازی سے روشن جبیں
حسن غیرت سے رخسار تابندہ تر

قابلِ اعتماد اک حسیں زندگی
تیوروں سے عیاں سیرتِ معتبر

ذرّے قدموں کو چھو کر حسیں ہوگئے
رُوکش آسماں بن گئی رہگذر
ضمیر نے چٹکی لی
ہائے وہ زندگی، آہ وہ شاعری
جاہلیت کے ہوں جس میں باقی شرر

(فاران جولائی 59ء)

غزلیات

غیر مدّون

مرا وجود ہے خود حاصلِ جبینِ نیاز
نفس نفس ہے عبادت، نظر نظر ہے نماز

فرد کی راہ میں آئے بہت نشیب و فراز
رواں دواں ہی رہا میں، یقیں کی عمر دراز

زہے کمالِ مشیت خوشا! ظہورِ جمال
حقیقتوں کو دیا جس نے آب و رنگِ مجاز

دل و نظر پہ ہوئی ہیں نوازشیں کیا کیا
بہ رنگِ ذوقِ تماشا، بہ نامِ سوز و گداز

اسی کے نام سے گرتے ہوئے سنبھلتے ہیں
کہ جس نے دی ہے پتنگے کو طاقتِ پرواز

نہ جانے کیوں غلط آہنگ ہو گئے نغمے
مدد کا وقت ہے سازِ الست کی آواز!

سوائے ذاتِ خدا جو ہے قادر و خلّاق
نہ کوئی عقدہ کشا ہے نہ کوئی بندہ نواز

(فاران اگست ۵۵ء)

○

نفس کی آمد و شد کا بھی کیا سہارا ہے
مریضِ ہجر ہے یا ڈوبتا ستارا ہے

وہ کہہ رہے ہیں زمانہ ہے بے وفاؤں کا
خطاب اور سے میری طرف اشارا ہے

سکوں کا نام نہ لے اس جہانِ فانی میں
کسی کو غم نے، کسی کو خوشی نے مارا ہے

دھڑکتے دل کو جو تھاما نکل گئی اک آہ
بغیر نام لئے بھی تجھے پکارا ہے

خدا کے واسطے اے دوست! عذر خواہ نہ ہو
مجھے خوشی سے شکستِ وفا گوارا ہے

نہ جانے کس کے قدم چُھو کے موج آئی تھی
جو تہہ نشین تھے سفینے، انہیں ابھارا ہے

کہاں وہ جائے کرم نے جسے کیا ہو تباہ
وہ کیا کرے کہ جسے زندگی نے مارا ہے

محبت اور ہوس میں ہے دشمنی ماہر
یہ راز وہ ہے کہ جو عالم آشکارا ہے

(فاران اگست ۵۵ء)

○

عورت پہ یہ تہذیب کے ڈالے ہوئے گھیرے
کرگس کے ہیں چنگل میں ممولوں کے بسیرے

اب فلم کے نغموں سے ابھرتی ہیں شعاعیں
ہوتے تھے کسی وقت نمازوں میں سویرے

خاتونِ حرم کے لئے گھر ہی میں اماں ہے
جس دیس میں ہر سمت ہوں عصمت کے لٹیرے

ان اہلِ سیاست کے فریبوں میں نہ آنا
سانپوں کو لئے پھرتے ہیں جیبوں میں سپیرے

باتوں سے بھی بدلی ہے کسی قوم کی تقدیر
جگنو کی چمک سے کہیں جاتے ہیں اندھیرے

تہذیبِ فرنگی کے یہ سفّاک شکنجے !!
زلفوں کے بھی سائے نہیں ہوتے ہیں گھنیرے

اربابِ حکومت کے نہ وعدوں پہ لگا آس
اے دوست! یہ سائے تو نہ میرے ہیں نہ تیرے

اس دورِ پُر آشوب میں باطل کے مقابل
کچھ بھی ہو مگر ڈال دیئے ہم نے بھی ڈیرے

(فاران اگست ۵۶ء)

○

منزلیں ہی منزلیں ہیں کارواں کے سامنے
گرد ہیں لیکن یہ سب عزمِ جواں کے سامنے

میرے شکوے اس بتِ نامہرباں کے سامنے
آبگینے جس طرح کوہِ گراں کے سامنے

اب نہیں ہے کچھ بھی سعیٔ رائیگاں کے سامنے
ایک نقشِ سجدہ پھر بھی آستاں کے سامنے

رکھ دیئے کس شوخ نے کچھ جھلملاتے سے چراغ
ماہ و انجم کے مقابل، کہکشاں کے سامنے

خندۂ گل، گریۂ شبنم، چمن کی دھوپ چھاؤں
کتنے نازک مسئلے ہیں باغباں کے سامنے

چوٹ کھانے کو ترستا ہے بڑی مدت سے دل
لے چلو مجھ کو کسی ابرو کماں کے سامنے

زمزمہ سنجانِ گلشن، خوشنوایانِ بہار
دم بخود ہیں سب مری طرزِ فغاں کے سامنے

(فاران نومبر ۵۶ء)

ستارے کروٹیں بدلا کئے سحر کے لئے
یہی اہتمامِ تجلی مری نظر کے لئے

جلا دیئے ہیں سرِ شام آنسوؤں کے چراغ
کہ شاید آج وہ زحمت کریں اِدھر کے لئے

ترا تبسمِ رنگیں ہو اور بھی شاداب
یہی بس ایک سہارا ہے چشمِ تر کے لئے

ذرا چمن کی ہوا دیکھ، طائرِ نو خیز !
دعائیں مانگ ابھی سے نہ بال و پر کے لئے

کسی کو طُور میسر، کسی کو عرش نصیب !
جدا جدا ہے تجلی، نظر نظر کے لئے

متاعِ درد بھی غارت گروں کی نذر ہوئی
رکھا ہی کیا ہے یہاں سعیٔ چارہ گر کے لئے

نیازِ عشق کی یہ آزمائشیں کب تک
کہ سجدے درد نہ بن جائیں میرے سر کے لئے

چلی چمن سے یہ کہتی ہوئی نسیمِ سحر
کہ زادِ راہ ضروری نہیں سفر کر کے لئے

(فاران جولائی ۵۷ء)

اگر ہے جرأتِ ایماں تو اس سے کام لینا ہے
بتوں کی انجمن میں بھی خدا کا نام لینا ہے

طلوعِ صبح کی خاطر ہمیں تو جاگنا ہو گا
وہ جائے میکدے میں جس کو لطفِ شام لینا ہے

زمانہ کر چکا ہے تجربہ ایک ایک رہبر کا
ہمیں سے مشرق و مغرب کو اب پیغام لینا ہے

کہاں تک مصلحت اندیشیوں کا سلسلہ اے دل
کسی دن میر و سلطاں کا گریباں تھام لینا ہے

(فاران نومبر ۵۷ء)

دل امیدوں سے پھر شادماں ہے
اے غمِ بیکسی! تو کہاں ہے

ہجر میں کوئی کیوں بدگماں ہے
یہ تو اک منزلِ درمیاں ہے

اس جبیں پہ پسینہ کے قطرے
جیسے بھیگی ہوئی کہکشاں ہے

تم جفاؤں پہ نادم نہ ہونا
یہ حسابِ دل دوستاں ہے

آتشِ گل کو اب کے ہوا کیا
گلستاں میں دھواں ہی دھواں ہے

چوٹ کھائے ہوئے دل کی "لے" میں
نغمہ کم ہے، زیادہ فغاں ہے

قربِ منزل کا دھوکا نہ کھانا
زندگی منزلِ بے نشاں ہے

ہر قدم ایک تازہ قیامت!
ہر زمیں پر نیا آسماں ہے

عاشقی اک مصیبت ہے ماہر
دل نگاہوں سے بھی بدگماں ہے

(فاران اپریل ۵۸ء)

ان کی چین جبیں بن گیا ہے
عرضِ غم کیا حسیں بن گیا ہے ☆

اس ہجومِ ہوا و ہوس میں
عشق تنہا نشین بن گیا ہے

وہ جو تھا ایک وہم و تصور
رفتہ رفتہ یقیں بن گیا ہے

میرے حسنِ نظر کی بدولت
کوئی زہرہ جبیں بن گیا ہے

شکریہ زحمتِ چارہ گر کا
غم مگر دل نشین بن گیا ہے

ان کا چہرہ مرا نام سن کر
اور بھی کچھ حسیں بن گیا ہے

حسن خلوت سے محفل میں آ کر
کس قدر شرمگیں بن گیا ہے

آپ اور یہ کرم، یہ تواضع،
آسماں کیوں زمیں بن گیا ہے

عشق پاکیزگی و ہوس میں
اصل دنیا و دیں بن گیا ہے

آپ ماہر کو جو چاہیں کہہ لیں
غیر کیوں نکتہ چیں بن گیا ہے

☆ عرضِ غم کو جو حضرات "مونث" سمجھتے ہیں وہ اس مصرعہ کو یوں پڑھیں
حالِ دل کیا حسیں بن گیا ہے

(فاران جون ۵۸ء)

متفرقات

دل ہے اور فکرِ شاد کامی ہے،
یہ بھی اک طرح کی غلامی ہے
خود ہی کرسی نشین بن بیٹھے
یہ بھی کوئی بلند بامی ہے

نظرِ بد سے رہے دور تو اے شاہسوار
مہر و انجم تو تری راہ کے ہیں گرد و غبار

اپنی حالت پہ میں خود اشک بہا کر ہنس لوں
آج میں ان کے تصور کو بھی زحمت کیوں دوں

○

یارانِ ہوس وقت کے دھارے پہ رواں ہیں
اے حسن! ترے عاشقِ جاں باز کہاں ہیں

دشمن ہیں بہاروں کے، پرستارِ خزاں ہیں
تقدیر سے جو لوگ چمن کے نگراں ہیں

گونجے گا یہاں نعرۂ تکبیر کسی روز
یہ قصر یہ ایوان جو محرومِ اذاں ہیں

مظلوم نہ دیں عدل و مروت کی دہائی
شاہوں کی طبیعت پہ یہ الفاظ گراں ہیں

دوزخ سے بھی بدتر ہیں غریبوں کے ٹھکانے
جنت ہے زمیں پر کہ امیروں کے مکاں ہیں

اے صاحبِ سجادۂ و تسبیح ادھر دیکھ!
ہم بھی تو نظر کردۂ صاحبِ نظراں ہیں

اس زہد پہ افسوس نہ ہو جس میں عزیمت
وہ دستِ دعا ہائے ! جو بے تیر و کماں ہیں

اس دور میں کچھ خاک نشینوں کی بدولت
باقی ابھی اسلام کی عظمت کے نشاں ہیں

اے چارہ گرو! دکھتے ہوئے دل کو نہ چھیڑو
رہنے دو مرے دل کے وہیں زخم جہاں ہیں

کل تک تھے بصد شوق حرم کے جو نگہباں
سنتے ہیں کہ اب معتکفِ کوئے بتاں ہیں

ہیں فکر و نظر، علم و عمل سب گروِ غیر
کیا خوب یہ آزادیٔ کامل کے نشاں ہیں

دیکھو تو ہر ایک سمت دھندلکا ہی دھندلکا
اور دھوم یہ ہے صبح کے آثار عیاں ہیں

ہو روس کی تہذیب کہ یورپ کا تمدن
یہ کچھ بھی نہیں کارگہِ شیشہ گراں ہیں

ماہر تری باتیں ہیں کہ بجلی کے شرارے
پھر بھی ترے اشعار حقیقت کی زباں ہیں

(فاران ستمبر ۵۸ء)

○

فضا نشاط کی پھر دل کو راس آئی ہے
سکوں نے لوٹ لیا درد کی دھائی ہے

یہ تیوروں پر جو وارفتگی سی چھائی ہے !
تری نظر بھی کہیں چوٹ کھا کے آئی ہے !

یہ کون جانبِ عرش بریں ہے گرمِ خرام
فلک نے زیرِ قدم کہکشاں بچھائی ہے

نہ التفات جسے کہہ سکیں، نہ بیزاری !
اس اہتمام سے اس نے نظر چرائی ہے

جبین و رخ کو ذرا دیکھنا ! توجہ سے
مری نگاہ بھی کچھ نقش چھوڑ آئی ہے

میں ان کی بزم میں شایانِ یک نظر بھی نہیں
اسی کا نام مقدر کی نارسائی ہے

جنابِ شیخ کی توبہ کو کیا کہوں ماہر
میں جانتا ہوں بڑھاپے کی پارسائی ہے

(چراغ راہ نومبر ۵۸ء)

طاقتِ پرواز میں جذبِ یقین سے کام لے
ماہ وانجم سے گذر عرشِ بریں کو تھام لے
ہم نشیں آ مل کے گائیں نغمہ دل کے ساز پر
میں کروں ذکرِ محمدؐ تو خدا کا نام لے

(فاران نومبر ۵۸ء)

○

شاید اسی طرف کی ہو آواز دی ہوئی
دھڑکا جو دل تو روح کو تسکین سی ہوئی

اے شمع! تیرے سوزِ نمایاں کی خیر ہو
میرے بھی دل میں آگ ہے لیکن دبی ہوئی

گرمِ خرام بادِ صبا ہے روش روش
غنچوں کے دل کی بند گرہ کھولتی ہوئی

اے دوست ! میرے ظرفِ محبت کی داد دے
ہے دل کی چوٹ لب پہ تبسم بنی ہوئی

میرے سکوت پر بھی جو ابرو ہیں پُرشکن
یہ تو حضور ! بے سبب آرزدگی ہوئی

یہ ہے سوادِ منزلِ جاناں سنبھل کے چل
شاید یہیں کہیں ہو قیامت چھپی ہوئی

ماہر اسی کا نام ہے دنیا کی دھوپ چھاؤں
مجھ کو ہوا ملال، کسی کو خوشی ہوئی

(فاران جنوری ۵۹ء)

○

سوزِ غم ہر کسی سے چھپانا پڑا
دل لہو تھا مگر مسکرانا پڑا

نالے کرنے پڑے، حشر اٹھانا پڑا
سو رہا تھا زمانہ، جگانا پڑا

شعلۂ گل کی وہ تاب کیا لائیں گے
جن کو شبنم سے دامن بچانا پڑا

اتنی شاید کشش دردِ دل میں نہ تھی
جس قدر ان کو نزدیک آنا پڑا

مسکراہٹ لبوں پر، جبیں بے شکن
کوہِ غم اس طرح بھی اٹھانا پڑا

بجلیوں کا تو رخ تھا قفس کی طرف
راستے میں مرا آشیانہ پڑا

کھوئی کھوئی اچٹتی اچٹتی نظر
کس قدر ٹھیک دل پر نشانہ پڑا

شعر سننے کو چاہا کبھی ان کا دل
ماہر القادری کو بلانا پڑا

(فاران مئی ۵۹ء)

○

کس منہ سے کہوں دولتِ دیدار ملی ہے
نظارے کا حاصل تو پریشاں نظری ہے

دنیا میں کیوں سوزِ محبت کی کمی ہے
شاید مری فریاد کی لے ٹوٹ گئی ہے

وہ سامنے ہیں اور پھر آنکھوں میں نمی ہے
اے دیدۂ مشتاق! یہ کیا بے ادبی ہے

ماہر! میری فریاد جو شعروں میں ڈھلی ہے
جبریلؑ سے حاصل مجھے اب ہم نفسی ہے

آنکھوں میں ہے دم اور جبیں در پہ جھکی ہے
اس موت پہ قربان، حیاتِ ابدی ہے

پروانہ ہے خود اپنی جگہ شعلۂ بے تاب
اور شمع کا یہ حال جلایا تو جلی ہے !

پیمانے تو خود گرد مرے گھوم رہے ہیں
میں وہ ہوں کہ ساقی سے مری آنکھ ملی ہے

دنیا ہے کہ گرتی ہوئی دیوار کا سایہ
انسان کو پھر بھی غمِ دنیا طلبی ہے

نکھرا ہوا ماحول، یہ گل رنگ اجالا
شاید ترے عارض کی کہیں چھوٹ پڑی ہے

سرو و گل و لالہ کا تو کیا ذکر ہے ماہر
ہر خار کو یاں نازِ گلستاں نسبی ہے

(فاران جون ۵۹ء)

○

یہ ساقی چھیڑ اور مجھ تشنہ لب سے
نہ بڑھ جاؤں کہیں حدِ ادب سے

ہنسے تم دیکھ کر چشمِ غضب سے
یہ اندازِ کرم سیکھا ہے کب سے

اٹھا ہوں غم زدہ بزمِ طرب سے
مری توبہ اُدھر جاؤں جو اب سے

ترے کوچے میں اے جانِ بہاراں
نسیمِ صبح چلتی ہے ادب سے

وہ کوئی رند ہو یا پارسا ہو
فقیروں کا تو یارانہ ہے سب سے

اسے ماہر نہیں کہتے بھٹکنا
میں خود کترا گیا راہِ طلب سے

(فاران نومبر ۵۹ء)

○

دیوانہ کہیں ایسی باتوں سے بہلتا ہے
وہ سامنے ہوتے ہیں دل اور مچلتا ہے

پہلے دلِ شاعر میں چشمہ سا ابلتا ہے
پھر شعر کے سانچے میں طوفان یہ ڈھلتا ہے

اللہ رے! شبِ غم میں یہ میری خوش اندیشی
جیسے کوئی پہلو میں کروٹ سی بدلتا ہے

رخساروں کے شعلوں کی زلفوں کو نہیں پروا
بجلی کے شراروں سے بادل کہیں جلتا ہے

اس بزم میں دیکھے تو کوئی مری حیرانی
کیا سوچ کے آیا تھا کیا منہ سے نکلتا ہے

وہ شوخ ہے اے ماہر، پُرکار بھی، سادہ بھی
شرما کے بھی چلتا ہے، اٹھلا کے بھی چلتا ہے

(فاران مارچ ۶۰)

○

خانقاہوں میں جو قالین سجا رکھے ہیں
دامِ ہم رنگِ زمیں ہیں کہ بچھا رکھے ہیں

شیخ خود بھی ہیں بہت وضع کے پابند مگر
کچھ مریدوں کو بھی آداب بتا رکھے ہیں

زہدِ خاموش سے ہنگامۂ رندی اچھا
میکدے والوں نے فتنے تو اٹھا رکھے ہیں

مدرسوں میں ہے وہی بحثِ کلام و منطق
اور قرآن کے اسرار چھپا رکھے ہیں

(فاران مئی ۶۰ء)

○

ہنسی ہنسی میں جو چرکے لگائے جاتے ہیں
نہ جانے کب کے یہ بدلے چکائے جاتے ہیں

خموش ہیں وہ مگر مسکرائے جاتے ہیں
یہ نغمے کیا اسی دھن میں سنائے جاتے ہیں

یہی چلن ہے، یہی ہے روش زمانے کی
گلوں کی راہ میں کانٹے بچھائے جاتے ہیں

جوابِ خط پہ عجب کش مکش کا عالم ہے
بنا بنا کے لکیریں مٹائے جاتے ہیں

سنبھال اے نگہِ فتنہ گر! سنبھال مجھے
میں کیا کروں کہ قدم ڈگمگائے جاتے ہیں

تری خوشی کو، تری دوستی کو کیا کہئے
کہ دشمنوں کے بھی اب ناز اٹھائے جاتے ہیں

وہ لاکھ وعدہ شکن ہوں مجھے ملال نہیں
یہی بہت ہے تصور میں آئے جاتے ہیں

یہی فلک پہ ستارے، یہی زمین کے پھول
تری نظر کے جو کچھ نقش پائے جاتے ہیں

(فاران ستمبر ۶۰ء)

○

دیکھتے ہی چشمِ ساقی کے بدل جانے کو ہم
روک لیتے ہیں لبوں تک لا کے پیمانے کو ہم

پارسائی میں وہی آوارگی کا رنگ ہے
سہل سمجھے تھے مزاجِ دل بدل جانے کو ہم

○

حسن اور عشق میں واسطا بن گیا
ٹوٹ کر دل بڑے کام کا بن گیا

خوش نفس، خوش نظر، خوش ادا بن گیا
کیا خبر عشق میں کون کیا بن گیا

ان کے کوچہ سے اک شام گزرا تھا مَیں
پھر یہی روز کا مشغلہ بن گیا

ہر حسیں اول اول وفادار تھا
رفتہ رفتہ مگر بے وفا بن گیا

لوگ چلتے رہے، نقش ابھرتے رہے
بس اسی طرح اک راستہ بن گیا

حسن والوں کے لطف و کرم دیکھ کر
سوچتا ہوں میں کیوں پارسا بن گیا

تیغ ابرو کا ہر وار اوچھا پڑا
زخم پھر بھی بہت دل کشا بن گیا

وہ شبِ غم تصوّر میں جب آ گئے
دور تک نور کا دائرا بن گیا

میں تو گمراہ تھا میرا نقش قدم
دوسروں کے لئے رہنما بن گیا

بے یقینی کے اس دورِ تاریک میں
آدمی آدمی کا خدا بن گیا

اے مرے مہرباں دوست! فریاد ہے
قرب تو اور بھی فاصلہ بن گیا

اس تعلق پہ ماہر مجھے ناز ہے
ان کا انکار بھی آسرا بن گیا

(فاران، اگست ۶۰ء)

○

دل تو جاگے کسی عنواں ہی سہی
عبرتِ شہرِ خموشاں ہی سہی

خانقاہوں میں تو سناٹا ہے
صحبتِ بادہ گساراں ہی سہی

اب میں ہر شے کی طلب چھوڑ چکا
تیرے ملنے کا وہ امکاں ہی سہی

عشق کو پست نہ ہونے دیں گے
وصل اس درد کا درماں ہی سہی

دلِ وحشی کے بہلنے کے لئے
منظرِ چاکِ گریباں ہی سہی

اک عجب طرح کی بے چینی ہے
نام اس کا غمِ جاناں ہی سہی

کہیں دوری کی خلش جاتی ہے
چاہے وہ قربِ رگِ جاں ہی سہی

عشق کو لوگ ہوس کہتے ہیں
زہد پہ تہمتِ عصیاں ہی سہی

خونِ دل ! اور ٹپک مژگاں سے
آج گل کاریٔ داماں ہی سہی

شبِ وعدہ کوئی آیا تو ضرور
تم نہیں گردشِ دوراں ہی سہی

زندگی کا کوئی عنوان تو ہو
آپ کے وعدہ و پیماں ہی سہی

وہ تو آرام سے ہیں اے ماہر!
میرا کیا ہے میں پریشاں ہی سہی

(فاران نومبر ۶۰ء)

وہ نگاہِ مستانہ کچھ جھکی سی جاتی ہے
میری بیخودی شاید آئینہ دکھاتی ہے

جرأتِ محبت پر مجھ کو خود ندامت ہے
زندگی میں انساں سے چُوک ہو ہی جاتی ہے

میں تو خیر دشمن ہوں، غیر بھی نہیں کچھ خوش
وہ نگاہِ بے پروا کس کے کام آتی ہے

سرد ہو گیا شاید سوزِ قلبِ پروانہ
آج شام ہی سے کیوں شمع جھلملاتی ہے

کیا کسی کے دل کو بھی تم دُکھا نہیں سکتے
اس طرح کی باتوں سے آس ٹوٹ جاتی ہے

برق کی سی چمک تھی وہ نگاہِ بے پروا
اس پہ آرزو کیا کیا حاشئے چڑھاتی ہے

اس قدر حسیں منظر، اور میں تہی آغوش
کیوں دکھے ہوئے دل کو چاندنی دکھاتی ہے

اب تری محبت میں زندگی کی ہر ساعت
یاد بن کے آتی ہے، آہ بن کے جاتی ہے

اس نے ایک دن ماہر مسکرا کے دیکھا تھا
وہ گھڑی محبت کی روز یاد آتی ہے

(چراغ راہ۔ خاص نمبر ۶۰ء)

○

نور کی تحریر تھا ہر خطِ پیمانہ مجھے
یاد ہے اب تک طلوعِ صبحِ میخانہ مجھے

عشق نے بخشا ہے جذبِ سرفروشانہ مجھے
ان کو کیا کہئے کہ جو کہتے ہیں دیوانہ مجھے

بھیجتا ہوں چشمِ ساقی کے تصور پر درود
کر دیا ہے بے نیازِ جام و پیمانہ مجھے

اس تغافل کے تصدق، اس توجہ کے نثار
جاتے جاتے اس نے دیکھا بن کے بیگانہ مجھے

یہ شبِ غم کا اندھیرا، ہائے! یہ تنہائیاں
جذب کر لے اے خیالِ بزمِ جانانہ مجھے

میری وحشت ڈھونڈتی ہے اور ہی کوئی فضاء
اب گلستاں روک سکتا ہے نہ ویرانہ مجھے

میں ہوں ماہر! میگسار و بادہ آشامِ غزل
یہ شرف پہنچا ہے پیمانہ بہ پیمانہ مجھے

(فاران فروری ۱۹۶۱ء)

○

ناصح! یہ عاشقی ہے، محبت کی بات ہے
سود و زیاں کا ذکر تو فرصت کی بات ہے

پیتا ہے کوئی جام سے کوئی نگاہ سے
یہ اپنے اپنے ذوق و طبیعت کی بات ہے

اے دوست! تیرے لطف و توجہ کا شکریہ
لیکن یہ ابتدائے محبت کی بات ہے

ہر حسن، ہر کمال، ہر اک منظرِ جمال!
جیسے انہی کی شکل و شباہت کی بات ہے

اے ضبطِ غم! سنبھال کہ ہوتا ہے راز فاش
اے چشمِ اشکبار! ندامت کی بات ہے

ان کی طرف سے آئے ہیں اب کے پیامِ شوق
حیرت کا ہے مقام، مسرت کی بات ہے

ماہر ہے صنفِ نظم بھی اپنی جگہ بلند
لیکن غزل لطیف نزاکت کی بات ہے

(فاران مئی ۱۹۶۱ء)

○

کاغذ کے پھول پتے محبوب و محترم ہیں
شاید اس انجمن میں اہلِ نگاہ کم ہیں

طوفاں ہیں اور ساکت، شعلے ہیں اور نم ہیں
کیا وقت آ گیا ہے، آہو بغیر رم ہیں

ایماں کا امتحاں ہے، فتنے قدم قدم ہیں
نغموں کے زیر و بم ہیں، زلفوں کے پیچ و خم ہیں

یہ ملک و جاہ والے جو صاحبِ حشم ہیں
کچھ یادگارِ کیَے ہیں، کچھ جانشینِ جم ہیں

بڑھتے ہی جا رہے ہیں لات و ہبل کے سائے
اور شیخ ہیں کہ اب تک آسودۂ حرم ہیں

ان انگلیوں کے خاکے کتنے عجیب ہوں گے
وہ انگلیاں کہ جن میں ٹوٹے ہوئے قلم ہیں

دشتِ خلیل اب بھی کیا تیشہ زن نہ ہو گا
آذر ہے بت گری ہے، ترشے ہوئے صنم ہیں

اے انقلابِ عالم! یہ ظرف ہے ہمارا
برباد ہو چکے ہیں اور پھر بھی تازہ دم ہیں

آنکھیں ترس گئی ہیں فطرت کی سادگی کو
اہلِ حجاز جب سے وارفتۂ عجم ہیں

ماہر ہمیں نہیں ہے کچھ خوف حادثوں کا!
مانوسِ درد و غم ہیں، خودکردۂ ستم ہیں

(فاران ستمبر ۱۹۶۱ء)

○

کسی کی بے رخی کا غم نہیں ہے
کہ اتنا ربط بھی کچھ کم نہیں ہے

نہ ہشیاری، نہ غفلت ہے، نہ مستی
ہمارا اب کوئی عالم نہیں ہے

رگِ جاں سے بھی وہ نزدیک تر ہیں
مگر یہ فاصلہ بھی کم نہیں ہے

یہاں کیا ذکر شرم و آبرو کا
یہ دورِ عظمتِ مریم نہیں ہے

کوئی دعویٰ کرے کیا معرفت کا
صفت بھی ذات کی محرم نہیں ہے

فغاں اک مشغلہ ہے عاشقوں کا
یہ عادت بر بنائے غم نہیں ہے

فرشتوں کی یہ شانِ بے گناہی
جوابِ لغزشِ آدم نہیں ہے

(فاران اکتوبر ۶۱ء)

○

حسن والو تمہاری بھی کیا بات ہے
ہر ملاقات ، پہلی ملاقات ہے

میرے اشکوں سے بھیگی ہوئی رات ہے
دل کی دھڑکن نہیں ہے، مناجات ہے

حسن اپنی جگہ چاہے کچھ بھی سہی
عشق کو بھی تو پاسِ روایات ہے

ہر طرف لغزشیں ہر طرف شورشیں
سیرِ دنیا کہ سیرِ خرابات ہے

ہے تغافل مگر جور نا آشنا
ہے توجہ مگر بے مدارات ہے

روئے روشن پر گیسو ہیں بکھرے ہوئے
دوپہر کا سماں اور برسات ہے

بے ارادہ مرے گھر جو آپ آگئے
یہ مرے جذبِ دل کی کرامات ہے

پرسشِ غم وہ کرتے ہیں اس شان سے
جیسے یہ بھی کوئی راز کی بات ہے

(فاران مارچ ۶۲ء)

دل تھا بہار پر یہ ہے اگلے برس کی بات
اب آشیانے میں بھی نہیں ہے قفس کی بات

کیوں میرا ذکر آئے کسی بزمِ ناز میں!
پھولوں کی انجمن میں ہو کیا خار و خس کی بات

بیمارِ شامِ غم کو ہو مژدہ سکون کا
اب رہ گئی ہے صرف نفس دو نفس کی بات

ممکن نہیں کہ عشق میں رسوا نہ ہو کوئی
مجنوں کے بس کی بات، نہ لیلیٰ کے بس کی بات

(فاران مارچ ۶۲ء)

○

سراپا ساز ہوتا ہے، مجسم ساز ہوتا ہے
وہ نغمہ ہائے وہ نغمہ جو بے آواز ہوتا ہے
گلستاں کی فضا میں تو سبھی پرواز کرتے ہیں
قفس میں امتحانِ جرأتِ پرواز ہوتا ہے

(فاران مئی ۶۲ء)

○

بہت رہا ہوں میں جھرمٹ میں خوش اداؤں کے
تمہاری بات کسی میں نظر نہیں آتی

مسافرانِ عدم تھے، لحد کی منزل تھی
پھر اس کے بعد کسی کی خبر نہیں آتی

سنا ہے دہر میں غم بھی ہے اور مسّرت بھی
یہ دھوپ چھاؤں مگر میرے گھر نہیں آتی

(فاران مئی ۶۲)

ان کی خوشی یہی ہے تو اچھا یوں ہی سہی
الفت کا نام آج سے دیوانگی سہی

ہر چند نامراد ہوں پھر بھی ہوں کامیاب
کوشش تو کی ہے، کوششِ برباد ہی سہی

جب چھڑ گئی ہے کاکلِ شب رنگ کی غزل
ایسے میں اک قصیدۂ رخسار بھی سہی

ماہر سے اجتناب نہ فرمائیں اہلِ دل
اچھوں کے ساتھ ایک گنہگار بھی سہی

(فاران اکتوبر ۶۳ء)

○

بہ ہر شکل جلوہ طلب ہو گئی ہے
نظر کس قدر بے ادب ہو گئی ہے

وفا برہمی کا سبب ہو گئی ہے
تمہاری طبیعت عجب ہو گئی ہے

مجھے دیکھ کر زیرِ لب مسکراہٹ
ستم بن گئی ہے، غضب ہو گئی ہے

تمہاری نوازش سے پہلے کہاں تھی
یہ حالت ہماری جو اب ہو گئی ہے

وہ ماہر تصوّر میں جب آ گئے ہیں
شبِ غم بھی صبحِ طرب ہو گئی ہے

(فاران فروری ۶۳ء)

ان کی جانب سے بھی پیغام کوئی لائی ہے
یا نسیمِ سحر یوں ہی چلی آئی ہے

شوق تنہا ہے مگر اس کے ہزاروں عالم
حسن کے پاس فقط انجمن آرائی ہے

نو گرفتارِ محبت پہ خدا رحم کرے!
آج اس شخص کی پہلی شبِ تنہائی ہے

آپ اور مجھ پہ توجہ کی نظر فرمائیں
یہ تصور کی مرے حاشیہ آرائی ہے

انگلیاں اٹھتی ہیں کس کس کے سلام آتے ہیں
عشق اک قافلہ شہرت و رسوائی ہے

ہائے! وہ لوگ جو طوفاں کا گلہ کرتے ہیں
ان کی کشتی کبھی ساحل سے بھی ٹکرائی ہے

اے اجل! نزع کی فرصت کو بڑھا اور بڑھا
یاد کرلوں مری کس کس سے شناسائی ہے

یہ جہاں حسنِ مشیت کا ہے پرتو ماہر
آدمی صرف مناظر کا تماشائی ہے

(فاران اگست ۷۳ء)

دل جو دھڑکا تو ان کا خیال آ گیا
ساز چھڑتے ہی صوفی کو حال آگیا

خانقاہیں تو مدت سے ویران تھیں
میکدوں پر بھی اب کے وبال آ گیا

جام و مینا بھی تھے، لطفِ ساقی بھی تھا
غیرتِ تشنگی کا سوال آ گیا!

(فاران اکتوبر ۶۳ء)

ہے دھندلکا ہی دھندلکا ابھی تا حدِ نظر
اے تباشیرِ سحر ! اور بکھر اور بکھر

مجھ سے دیکھی نہ گئی جام کی یہ بے کیفی
گھول دی میں نے خود اپنے ہی تبسم کی شکر

شوخیٔ بادِ صبا سے ہے شکایت کیا کیا
ٹوٹتے دیکھے ہیں جس آنکھ نے شبنم کے گہر

میری دنیا میں اندھیرا بھی، اجالا بھی ہے!
زلفِ مشکیں کی ہے شب، عارضِ رنگینِ سحر

اللہ اللہ ! یہ منظر چمن آرائی کا!
آتشِ گل کا ہے یہ رنگ، دھواں ہے نہ شرر

یہ غریبوں کے مصائب کا مداوا تو نہیں !
کچھ فقیروں کو اگر کر بھی دیا شہر بدر !

مجھ کو اس خاک سے کرنے ہیں ستارے پیدا
جستجو کا مری مرکز نہ عطارد نہ قمر !

حسن آغازِ محبت میں بہت سادہ تھا
اب یہ چالاک ہے، پُرکار ہے، اور شعبدہ گر

راہ میں ایسے مسافر بھی نظر آئے ہیں
جسم آرام طلب، دل میں نہیں ذوقِ سفر

سیم و زر، لعل و جواہر پہ نہیں میری نگاہ
میرا سرمایہ ہے بے تابیٔ دل، سوزِ جگر

جام و مینا کی کھنک کتنی خوش آہنگ سہی
خودکشی پر مجھے اے دوست! تو مجبور نہ کر

(فاران نومبر ۶۳ء)

○

یارانِ ہوس وقت کے دھارے پہ رواں ہیں
اے حسن ! ترے عاشقِ جاں باز کہاں ہیں

گونجے کا کسی روز یہاں نعرۂ تکبیر
یہ قصر، یہ ایوان جو محرومِ اذاں ہیں

مظلوم نہ دیں عدل و مروت کی دہائی
شاہوں کی طبیعت پہ یہ الفاظ گراں ہیں

اے صاحبِ سجادۂ و تسبیح ، اِدھر دیکھ
ہم بھی تو نظر کردۂ صاحب نظراں ہیں

ہو روس کی تہذیب کہ یورپ کا تمدن
یہ کچھ بھی نہیں کارگہِ شیشہ گراں ہیں

(فاران جنوری ۶۴ء)

اب تبسم کا ہے یہ رنگ دھواں ہو جیسے
آج نغمہ کا یہ عالم ہے فغاں ہو جیسے

قافلہ مہر و وفا کا یہ کہاں آپہنچا
زندگی راہ میں خود سنگِ گراں ہو جیسے

کچھ نہ کہنے پہ بھی سب کچھ ہے زمانہ پہ عیاں
خامشی حسن و محبت کی زباں ہو جیسے

آپ بیتی کو بھی اس طرح بیاں کرتا ہوں
میرا افسانہ حدیثِ دگراں ہو جیسے

دردِ دل سخت ہے جانکاہ مگر کیا کیجے
زندگانی کی یہی روحِ رواں ہو جیسے

واعظِ شہر کی باتوں پہ ہنسی آتی ہے
یہ بھی مِن جملۂ صاحب نظراں ہو جیسے

آدمی موت کے دھارے پہ جب آ جاتا ہے
بلبلہ ٹوٹ کے بے نام و نشاں ہو جیسے

دل غمِ ہجر سے مانوس ہے اتنا ماہر
خواہشِ وصل محبت کا زیاں ہو جیسے

(فاران مارچ ۶۴ء)

وہ شوخ نظر، کیفیتِ ناز کہاں ہے
اے تلخیٔ انجام وہ آغاز کہاں ہے

ٹوٹا ہوا دل کچھ نہیں جز نالہ و فریاد
آواز ہی آواز ہے اب ساز کہاں ہے

صیاد کے شکووں ہی پہ کرتے ہو قناعت
اے ہم قفسو جرأتِ پرواز کہاں ہے

(فاران اپریل ۶۴ء)

○

دعوتِ وجد و حال دیتا ہوں
زندگی کو خیال دیتا ہوں

جب بھی ہوتا ہے آفتاب طلوع
میں بھی ساغر اچھال دیتا ہوں

حادثے جن کو لوگ کہتے ہیں
ان غموں کو میں ٹال دیتا ہوں

بزم میں لڑکھڑانے والوں کو
گرتے گرتے سنبھال دیتا ہوں

الجھنیں زیست کا مقدر ہیں
میں بھی کچھ پیچ ڈال دیتا ہوں

تذکرہ جب وفا کا ہوتا ہے
میں تمہاری مثال دیتا ہوں

شعر کہتا ہوں اس طرح ماہر
دل کے کانٹے نکال دیتا ہوں

(فاران مئی ۶۴ء)

○

تغافل پر بھی ان سے دل کو اک وابستگی ہو گی
محبت نے محبت کی نظر پہچان لی ہو گی

مری جانب کسی دن بے ارادہ اٹھ گئی ہو گی
نگاہِ ناز کو پھر بھی بہت زحمت ہوئی ہو گی

یہ عادت ہے حسینوں کی تو اس عادت کو کیا کہئے
کہ جس سے دوستی ہو گی اسی سے دشمنی ہو گی

وہاں بھی کشمکش پائی، وہی سوداگری دیکھی
میں سمجھا تھا کہ میخانے میں دنیا دوسری ہو گی

ستارے، چاند، سورج، شمع سب کو آزما دیکھا
وہ جب تشریف لائیں گے تو گھر میں روشنی ہو گی

بہار آنے تو دو تم دیکھ لینا اے چمن والو !
مری دیوانگی میں بھی بڑی شائستگی ہو گی

ابھی ان سے تعلق ہے نگاہوں سے نگاہوں تک
کبھی وہ مسکرائیں گے، کسی دن بات بھی ہو گی

جہاں ٹھہرا ہوا سا ہے، فضا بدلی ہوئی سی ہے
مرے ساقی نے پیمانے کی گردش روک دی ہو گی

جہاں پہلے نشیمن تھا وہاں اب پھول پتے ہیں
مگر آثار کہتے ہیں یہاں بجلی گری ہو گی

یہ رازِ میکدہ سب کو نہیں معلوم اے ماہر
توجہ چشمِ ساقی کی بقدرِ تشنگی ہو گی

(فاران جون ۶۴ء)

منکرِ حسن سے دل مائلِ ایماں کر لیں
لاؤ پہلے اسی کافر کو مسلماں کر لیں

آپ کی یاد سے روشن شبِ ہجراں کر لیں
خلوتِ عشق میں یہ شمع فروزاں کر لیں

ہم سے اس باب میں تائید نہ چاہے دنیا
عشق سی جنسِ گراں مایہ کو ارزاں کر لیں

آ بھی جا لالہ رخ و سرو قد و گل اندام
گھر میں بیٹھے ہوئے ہم سیرِ گلستاں کر لیں

ان کے ماتھے کی شکن دیکھ کے دل کہتا ہے
آپ اس موج سے اندازۂ طوفاں کر لیں

(فاران اگست ۶۴ء)

○

ان کے جب وعدۂ پیماں کا خیال آتا ہے
ساتھ ہی عمرِ گریزاں کا خیال آتا ہے

ہم ہیں منجدھار میں ابرو پہ شکن تک بھی نہیں
تم کو ساحل پہ بھی طوفاں کا خیال آتا ہے

دل بہلنے کی ہیں دنیا میں بہت سی شکلیں
آبروئے غمِ جاناں کا خیال آتا ہے

کوئی دشوار نہیں آبلہ پائی کا علاج
دشت کے خارِ مغیلاں کا خیال آتا ہے

آکے رہ جاتی ہے دوری کی شکایت لب پر
دوست کے قربِ رگِ جاں کا خیال آتا ہے

یہ بھی کیا ترکِ تعلق ہے الٰہی توبہ!
پھر اسی دشمن ایماں کا خیال آتا ہے

(فاران اگست ۶۴ء)

○

میری قسمت سے توجہ پر جو مائل ہو گئیں
وہ نگاہیں اور قاتل اور قاتل ہو گئیں

اس قدر آشفتہ منظر اس پہ یہ رعنائیاں
کیا مری حیرانیاں جلووں میں شامل ہو گئیں

مشکلیں جب تک رہیں ذوقِ سفر تازہ رہا
کیا کروں آسانیاں رستے میں حائل ہو گئیں

آیئے مشقِ خرامِ ناز کا وقت آ گیا
حسرتیں پامال ہو جانے کے قابل ہو گئیں

پرسشِ احوال کا اے دوست! پھر بھی شکریہ
الجھنیں کچھ اور نازک اور مشکل ہو گئیں

مجھ کو ماہر عشق کی خودداریوں پر ناز ہے
اور اگر یہ بھی شریکِ رنگِ محفل ہو گئیں

(فاران فروری ۶۵ء)

ترے نام سے جس کو نسبت نہ ہو گی
وہ افسانہ ہو گا حقیقت نہ ہو گی

خزاں کے تصور میں اس طرح گم ہوں
بہار آئے گی مجھ کو وحشت نہ ہو گی

یہ روزِ ازل فیصلہ ہو چکا ہے
خوشی سازگارِ محبت نہ ہو گی

خزاں ہے غنیمت بہار آ نہ جائے
نشیمن بنانے کی فرصت نہ ہو گی

بہت شوخ ہیں میری مشتاق نظریں
خطائیں کروں گا ندامت نہ ہو گی

خدا جانے کب تک مرے ناصحوں کو
خدا کی طرف سے ہدایت نہ ہو گی

سلامت رہے میری بزمِ تصور
وہ آئیں گے اور ان کو زحمت نہ ہو گی

بہت کچھ ہے ان کے ستم کا سہارا
کرم کی بھی شاید ضرورت نہ ہو گی

یا ----- مسرت شریکِ محبت نہ ہو گی

(فاران مئی ۶۵ء)

○

اے نگاہِ دوست! یہ کیا ہو گیا کیا کر دیا
پہلے پہلے روشنی دی پھر اندھیرا کر دیا

آدمی کو دردِ دل کی قدر کرنی چاہئے
زندگی کی تلخیوں میں لطف پیدا کر دیا

وہ خرامِ ناز، موجِ آبِ رکنا باد ہے
جس نے ویرانوں کو گلگشتِ مصلا کر دیا

اس نگاہِ شوخ کی تیر افگنی رکھی رہی
میں نے پہلے اس کو مجروحِ تماشا کر دیا

ان کی محفل کے تصور نے، پھر ان کی یاد نے
میرے غم خانہ کی رونق کو دوبالا کر دیا

میکدے کی شام اور وہ کانپتے ہاتھوں میں جام
تشنگی کی خیر ہو، کس کس کو رسوا کر دیا

(فاران اگست ۶۵ء)

چشمِ ساقی جو بیگانہ بیگانہ ہے
مدتوں سے یہی رنگِ میخانہ ہے

ہے توجہ مگر بے نیازانہ ہے
میرا حسنِ طلب کیا گدایانہ ہے

دل کی گرمی ہے یا آرزو کی تپش
رنگِ مے ہے کہ یہ رنگِ پیمانہ ہے

چل رہا ہے یوں ہی کاروبارِ جہاں
کوئی فرزانہ ہے، کوئی دیوانہ ہے

(فاران اگست ۶۵ء)

○

آئینہ دارِ خونِ شہیداں ہے آج کل
لالہ کا جو چراغ فروزاں ہے آج کل

تہذیبِ نو کی حکمت و دانش کو الوداع
پیشِ نظر، ہدایتِ قرآں ہے آج کل

ہر آنکھ ہے دلیل، تجلّیِ ذات کی
ہر دل، ثبوتِ قربِ رگِ جاں ہے آج کل

ہیں علم و آگہی کے مسائل چھڑے ہوئے
اک درسگاہِ محفلِ رنداں ہے آج کل

ذہن و خیال، فکر و نظر بے غبار ہیں
دل خود برائیوں سے گریزاں ہے آج کل

اتنی ہی دل میں گرمیٔ جوشِ جہاد ہے
جتنا بلند جذبۂ ایماں ہے آج کل

اے ارضِ پاک تیری حفاظت کے واسطے
چہروں سے دل کا جوش نمایاں ہے آج کل

اسلام سر بلند ہے، اسلام کامیاب
اور کفر کا یہ حال کہ لرزاں ہے آج کل

سب ہو رہے ہیں شوق شہادت سے بے قرار
ارزاں بہت متاعِ دل و جاں ہے آج کل

منکر کی بھی زباں سے سنا ہے خدا کا نام
ایمان اک حقیقتِ عریاں ہے آج کل

○

کتنی عجیب گردشِ دوراں ہے آج کل
ساحل پہ بھی کشاکشِ طوفاں ہے آج کل

یہ کشمکش، یہ الجھنیں، یہ رنگِ اضطراب
خود عقل دل سے دست و گریباں ہے آج کل

غارت گرانِ ہند نے تاراج کر دیا
کشمیر ایک جنتِ ویراں ہے آج کل

یہ جنگ ہے کہ صلح، یہ طوفاں ہے یا سکوں
دل سخت پیچ و تاب میں غلطاں ہے آج کل

دستِ دعا بلند نظر غازیوں کی سمت
پھر انتظارِ نصرتِ یزداں ہے آج کل

ان کے لئے جو پنجۂ دشمن میں آ گئے
ہندوستاں جہنمِ سوزاں ہے آج کل

ماہرؔ! یہ اپنی فتح کے سب تذکرے درست
دل اس کے باوجود پریشاں ہے آج کل

(فاران جنوری ۶۶ء)

ساقی بھی دورِ جام بھی، بادل گھرے ہوئے
اور میرا حال یہ کہ میں توبہ کئے ہوئے

ان کو غرورِ حسن ہے مجھ کو سرورِ عشق
وہ بھی نشہ میں چور ہیں میں بھی پئے ہوئے

عارض کی سرخیوں میں جھلتی ہوئی حیا
لوگوں کے دیکھنے کی شکایت لئے ہوئے

میں خود پہل کروں کہ اُدھر سے ہو ابتدا
برسوں گزر گئے ہیں یہی سوچتے ہوئے

صیاد نے اجازتِ فریاد دی تو ہے
میں پھر بھی ڈر رہا ہوں زباں کھولتے ہوئے

ان کو ہوائے تند تھی موجِ بہار بھی
شاخوں پہ رہ گئے جو تنکے جلے ہوئے

یہ حال ہو گیا ہے کہ جھونکے نسیم کے
آتے ہیں اب قفس میں مجھے چھیڑتے ہوئے

اس محفلِ نشاط میں اس بزم ناز میں
اے موجِ بادِ صبح ! مجھے بھی لئے ہوئے

شاید اب اس کے بعد قیامت نہ آئے گی
ماہر وہ دل کا حال وطن چھوڑتے ہوئے

(فاران فروری ۶۶ء)

○

گلشن میں آ جاؤ، اب رت بھی سہانی ہے
کلیوں کا لڑکپن ہے، پھولوں کی جوانی ہے

اب وقت ہی ایسا ہے ایک ایک مسافر کو
طوفاں سے بھی لڑنا ہے، کشتی بھی بچانی ہے

کچھ دن سے گلستاں کے حالات پریشاں ہیں
بلبل کے بھی لہجہ میں آشفتہ بیانی ہے

اے حسن ترے صدقے! کیا خوب کرشمے ہیں
جلوے بھی دکھانے ہیں صورت بھی چھپانی ہے

جو اشک ترے غم میں مژگاں پہ ابھر آیا
رک جائے تو موتی ہے، بہہ جائے تو پانی ہے

(فاران مئی ۶۶ء)

○

حسن کے جور و تغافل کا گلہ ہوتا ہے
کیا یہی شیوۂ اربابِ وفا ہوتا ہے

ان کے اب لطفِ تبسم سے بھی کیا ہوتا ہے
ایسی باتوں سے غم اور سوا ہوتا ہے

ہر نفس معرکۂ کرب و بلا ہوتا ہے
عشق ہر حال میں راضی بہ رضا ہوتا ہے

آہِ مظلوم سے ڈر ظلم پہ مغرور نہ ہو
یہ وہ ناوک ہے جو شاید ہی خطا ہوتا ہے

ایک افسانہ کو دہرائے چلے جاتے ہیں
صرف ہر دور میں عنوان نیا ہوتا ہے

بزمِ ساقی میں گزاری ہیں بہت سی راتیں
اسی امید میں اب جام عطا ہوتا ہے

نہ کوئی جلوہ، نہ پردہ، نہ حقیقت، نہ مجاز
آدمی اپنے تصور میں گھرا ہوتا ہے

اپنے گلشن میں کہاں فصلِ بہار اے ماہر!
چند کلیوں کے چٹک جانے سے کیا ہوتا ہے

(فاران اکتوبر ۶۶ء)

○

کچھ دن سے دل میں اب ہوسِ خام بھی نہیں
اس بتکدے کو حاجتِ اصنام بھی نہیں

اے دل! ادب کہ پرسشِ غم کو وہ آئے ہیں
شکوے شکایتوں کا یہ ہنگام بھی نہیں

انسان اور کشمکشِ جبر و اختیار
آزاد بھی نہیں ہے تہہِ دام بھی نہیں

اے دوست! احتیاطِ محبت کی داد دے
فریاد کر رہا ہوں ترا نام بھی نہیں

رندی و تشنگی کا یہ اللہ رے غرور
ساقی سے اب معاملۂ جام بھی نہیں

اے اہلِ تاج و تخت! یہ طغیانِ کبر و ناز
تم کو خیالِ گردشِ ایام بھی نہیں

ماہر! میں اپنی ذات سے جو کچھ ہوں ٹھیک ہوں
غالب نہیں ہوں، حافظ و خیّام بھی نہیں

(فاران اپریل ۶۷ء)

○

درد پہلے جگر میں رکھا ہے
پھر تماشا نظر میں رکھا ہے

خاک چھانی ہے خاک چھانیں گے
اور کیا رہگزر میں رکھا ہے

اس ستم گر نے اپنی محفل میں
ہر نظر کو نظر میں رکھا ہے

ہم نے اک لمحۂ سکوں کے لئے
زندگی کو سفر میں رکھا ہے

وہ نظر ہائے! وہ نظر ماہر
جیسے نشتر جگر میں رکھا ہے

(فاران مئی ۶۷ء)

○

دیکھ کر ان کے مسکرانے کو
طول دیتے رہے فسانے کو

روشنی دوسروں کی قسمت ہے
رہ گئے ہم دیئے جلانے کو

ہم خود اپنی ہنسی اڑاتے ہیں
مسکراتے ہیں غم چھپانے کو

ان کے لطف و کرم ہیں اوروں پر
ہم تو ہیں تہمتیں اٹھانے کو

آ رہے ہیں وہ حضرتِ ناصح
اور کچھ الجھنیں بڑھانے کو

جب کبھی ان کی یاد آئی ہے
بے وفا کہہ لیا زمانے کو

(فاران مئی ۶۷ء)

○

اب موسمِ گل یاد، نہ گلشن کی فضا یاد
اس طرح قفس میں رہے کچھ بھی نہ رہا یاد

پیمانِ کرم یاد، نہ اقرارِ وفا یاد
کیا کیجئے جب ان کو نہیں اپنا کہا یاد

بھولے سے کبھی بزم میں مجھ کو نہ کیا یاد
یہ بھی ہے بہت آپ کو اتنا تو رہا یاد

دل ہجر کی شب میں بھی پریشان نہ ہو گا
جب تک ہے تری زلفِ مسلسل کی گھٹا یاد

صیاد نے پوچھا ہے اسیرانِ قفس سے
کس کس کو ہے کلیوں کے چٹکنے کی صدا یاد؟

ہاں! دیکھ لیا ترکِ تعلق کا نتیجہ
اس دن سے تو وہ اور بھی آتے ہیں سوا یاد

تم اہلِ کرم طرزِ کرم بھول چکے ہو
ہم جیسے فقیروں کو تو اب بھی ہے دعا یاد

اے عشق! ہے اس دور کا مجنوں بھی عجب چیز
محمل کی خبر اور نہ جنگل کا پتہ یاد

آثار قیامت کے نمودار ہیں ماہر
ایسے میں تو کافر کو بھی آتا ہے خدا یاد

(فاران نومبر ۶۷ء)

○

یوسفی گر نہیں ممکن تو زلیخائی کر
ان سے پیدا کوئی تقریبِ شناسائی کر

پہلے ہر غم کی محبت میں پذیرائی کر
چاک، پھر دامنِ تمکین و شکیبائی کر

روبرو ان کے مرا حال سنانے والے
اپنی جانب سے بھی کچھ حاشیہ آرائی کر

نہ تمنا، نہ تری یاد، نہ غم ہو، نہ خوشی
کبھی ایسا بھی عطا عالمِ تنہائی کر

میری قسمت میں ہیں پتھر تری قسمت میں ہیں پھول
اپنی شہرت سے نہ اندازۂ رسوائی کر

سب مرے حالِ پریشاں کا اڑاتے ہیں مذاق
اے غمِ دوست ! مری حوصلہ افزائی کر

(فاران اگست ۶۸ء)

○

جھوٹے وعدے سے بھی دل بہل جائے گا
بات رہ جائے گی وقت ٹل جائے گا

گر توجہ نہیں ہے، تغافل سہی
اب تغافل سے بھی کام چل جائے گا

ان دنوں میکدہ اپنی گرمی پہ ہے
جام چھونے سے بھی ہاتھ جل جائے گا

دوستو! ذکرِ مہر و وفا مت کرو
جانے کیا میرے منہ سے نکل جائے گا

غم کی دھوپ اور بھی تیز تر ہو تو کیا
دل کوئی برف ہے جو پگھل جائے گا

(فاران دسمبر ۶۸ء)

○

اس چشمِ التفات میں رنگِ عتاب ہے
میری گزارشوں کا یہ پہلا جواب ہے

ہے رند کشمکش میں عجب پیچ و تاب ہے
توبہ ہے لب پہ ہاتھ میں جامِ شراب ہے

چونکے ہیں نیند سے ابھی آنکھوں میں خواب ہے
سمٹا ہوا نشہ ہے چھلکتی شراب ہے

(فاران جنوری ۶۹ء)

○

حسن اور عشق کا بھی یہی ہے معاملہ
شبنم کے ساتھ جو روشِ آفتاب ہے

باقی ہے رات صبح کے آثار ابھی کہاں
اے محتسب! یہ پرتوِ جامِ شراب ہے

بڑھتی ہے جتنی عمر نکھرتا ہے اور رنگ
پیری حیاتِ شعر کا دورِ شباب ہے

موجوں سے آندھیوں سے الجھتی ہے بار بار
انساں کی زندگی کہ نمودِ حباب ہے

دیکھا مری طرف تو وہ شرما کے رہ گئے
گویا مرا سکوت بھی حاضر جواب ہے

ان کا خیال، ان کا تصور، انہی کی یاد
میری شبِ فراق شبِ ماہتاب ہے

ناصح! تمہیں بھی بزمِ نگاراں میں لے چلوں
لیکن تمہاری شہر میں شہرت خراب ہے

ماہر نفس نفس میں ہے بوئے قبائے دوست
میرا ہر ایک شعر مہکتا گلاب ہے

(فاران فروری ۶۹ء)

○

اپنی آشفتہ سری پر ہے بہت ناز مجھے
آپ کر سکتے نہیں اب نظرانداز مجھے

ان کی محفل سے اٹھا پھر نہ پلٹ کر دیکھا
وہ بھی دیتے رہے آواز پہ آواز مجھے

بازوؤں ہی میں سکت ہے نہ موافق ہے فضا
مار ڈالے گی مری کوششِ پرواز مجھے

چشمِ مشتاق نے وہ چوٹ لگائی ہے کہ ہائے!
یاد رکھے گی نگاہِ غلط انداز مجھے

جانیں! کس حال میں کس وقت مرا آنا ہو
خوب پہچان لے اے انجمنِ ناز مجھے

(فاران مارچ ۶۹ء)

○

کس وہم میں اے دل تو گرفتار ہوا ہے
آنکھوں سے کہیں دوست کا دیدار ہوا ہے

کشتی کبھی قسمت سے جو پہنچی ہے کنارے
کشتی سے اترنا مجھے دشوار ہوا ہے

وہ راہ میں چلتے ہوئے نظروں کا تصادم
پیمانِ محبت سرِ بازار ہوا ہے

جو چاہے سزا دیجئے اف تک نہ کروں گا
دل جرمِ محبت کا گنہگار ہوا ہے

پرسش ہے، دعا ہے، نہ دوا ہے، نہ تسلی
ایسے بھی علاجِ دلِ بیمار ہوا ہے

ہر سمت ہیں سجدوں کے نشاں راہِ وفا میں
تب جا کے کہیں راستہ ہموار ہوا ہے

یہ گرمئ احساس مری تشنہ لبی کی
اک شعلہ صراحی سے نمودار ہوا ہے

آتی ہے طبیعت تو پھر آتی ہے اندھا دھند
جب عشق ہوا ہے تو دھواں دھار ہوا ہے

یہ حال ہے سایہ بھی مرے واسطے ماہر
تپتی ہوئی جلتی ہوئی دیوار ہوا ہے

یہ ہجر کی شب کہ شبِ قدر ہے ماہر
غم خانہ مرا جلوہ گہِ یار ہوا ہے

۱؎ لا تدرکہ الابصار (فاران اکتوبر ۷۰ء)

○

کچھ اور ہے اب گردشِ دنیا مرے آگے
ماضی مرے پیچھے ہے نہ فردا مرے آگے

اللہ رے! تری مست نگاہوں کا تصور
رکھے ہی رہے ساغر و مینا مرے آگے

الجھیں ترے رخسار سے گستاخ نگاہیں
تو اور ہو مجروحِ تماشا مرے آگے

دیکھی ہے مری آنکھ نے کلیوں کی تباہی
اٹھا ہے تبسم کا جنازا مرے آگے

میں بھی تو سند ہوں مرے نقاد سے کہہ دو
دیتا ہے کتابوں کا حوالا[1] مرے آگے

پروانہ ہو یا شمع ہو بلبل ہو کہ گل ہو
جمتا نہیں اب رنگ کسی کا مرے آگے

ناصح اگر آئیں تو ذرا سوچ سمجھ کر
الفاظ کا جادو نہیں چلتا مرے آگے

میں دوش کسی اور کو دیتا نہیں ماہر
آیا مری تقدیر کا لکھا مرے آگے

[1] حوالہ (قاران دسمبر ۷۰ء)

○

گزرے ہوئے شباب کی یوں یاد آئے ہے
پانی پہ جیسے کوئی لکیریں بنائے ہے

یا رب! یہ کیا مقام محبت میں آ گیا
ہے عقل بدحواس، جنوں لڑکھڑائے ہے

گزرے مرے قریب سے وہ اس ادا کے ساتھ
جس طرح کوئی آگ سے دامن بچائے ہے

دل کی لگی پہ اشک بہانے سے فائدہ
شبنم سے بھی کہیں کوئی شعلے بجھائے ہے

جگنو سمجھ کے میں نے شرارہ اٹھا لیا
احساس تیز ہو تو نظر چوک جائے ہے

دل میں کوئی امید ہی باقی نہیں رہی
پھر بھی خیال دامِ تمنا بچھائے ہے

ماہر ابھی سے اہلِ چمن بند بند ہیں
اب کے بہار دیکھئے کیا گل کھلائے ہے

(فاران مئی ۱۹۷۱ء)

○

درد و غم بھی تو پائیدار نہیں
بے قراری کو بھی قرار نہیں

عشق مایوس ہو نہیں سکتا
حسن کہہ دے ہزار بار "نہیں"

ان کا وعدہ تو ان کا وعدہ ہے
مجھ کو اپنا بھی اعتبار نہیں

فکرِ سود و زیاں ارے توبہ
عاشقی کوئی کاروبار نہیں

ذہن ہو، دل ہو یا ضمیر و نگاہ
کوئی آئینہ بے غبار نہیں

کیا غضب ہے کہ دل کی حالت کا
اب تبسم بھی پردہ دار نہیں

اس گلستاں کو کیا کہیں ماہر
جس کی تقدیر میں بہار نہیں

(فاران مئی ۱۷ء)

○

چشمِ ساقی کے تصور سے جو یارانہ ہے
اب مرے سامنے شیشہ ہے نہ پیمانہ ہے

عشق خود اپنی جگہ عشق ہے اور کچھ بھی نہیں
عشق کے پاس حقیقت ہے نہ افسانہ ہے

کیا خبر جلوہ و نظارہ کا انجام ہو کیا
نگہِ شوق کا انداز حریفانہ ہے

شمع بجھتی ہے، سحر ہونے کو ہے، کیا کیجے
اور ابھی کشمکشِ نزع میں پروانہ ہے

دل ہے اک جنتِ آباد یقیں کے دم سے
بے یقینی ہو تو یہ باغ بھی ویرانہ ہے

توبہ و شکر بھی ہو شغلِ مے و جام کے بعد
ایک مسجد بھی قریبِ درِ میخانہ ہے

مال و دولت کے نہ ہونے کا نہیں غم ماہر
مطمئن ہوں کہ طبیعت مری شاہانہ ہے

(فاران جولائی ۷۱ء)

○

میں تو غم دیدہ تھا میری ہر خوشی جاتی رہی
آپ کے ہونٹوں کی آخر کیوں ہنسی جاتی رہی

ان کی مرضی وہ نہ آئے میرے گھر وعدے کی شب
کم سے کم یہ تو ہوا' بے رونقی جاتی رہی

دل دھڑکتا ہے تمنائے سکوں کے ساتھ ساتھ
کیا کروں گا میں اگر یہ بے کلی جاتی رہی

یہ مرا شوقِ طلب تھا جام و صہبا کے بغیر
آنکھ ساقی سے ملی اور تشنگی جاتی رہی

دل کی یہ حالت ہے اب، ساون کی جیسے دھوپ چھاؤں
اک خوشی کی موج ابھی ابھری' ابھی جاتی رہی

میرے اظہارِ تمنا پر وہ اب برہم نہیں
رفتہ رفتہ بات کی پیچیدگی جاتی رہی

زندگی بے کیف ہے ماہر، فضا ناسازگار
میں وہ جگنو ہوں کہ جس کی روشنی جاتی رہی

(فاران ستمبر ۱۹۷۱ء)

○

نگاہ مست کی ہو خیر تشنگی کیا ہے
وہ آ گئے تو ضرورت شراب کی کیا ہے

ادھر سے بندہ نوازی کی کوئی حد نہ رہی
میں سوچتا ہی رہا کہ فرضِ بندگی کیا ہے

سفر کا لطف تو جب ہے ٹھہر ٹھہر کے چلو
یہ راہِ شوق ہے ایسی روا روی کیا ہے

نیاز مندوں سے وحشت ہے، ربط غیروں سے
حضور! آپ کا معیارِ دوستی کیا ہے

خیال و فکر کے سب جھلملا رہے ہیں چراغ
ہجوم ہے یہ اندھیروں کا، روشنی کیا ہے

بڑے بڑوں کی نہیں اس جگہ پذیرائی
ہم ایسے خاک نشینوں کا ذکر ہی کیا ہے

نہ حسن ہی کو خبر ہے نہ عشق کو معلوم
وصال و ہجر میں یہ ربطِ باہمی کیا ہے

(فاران اکتوبر ۱۹۷۱ء)

○

جاگتے رہئے مگر کیا ہو گا
وقت پر اپنے سویرا ہو گا

مجھ کو اک شخص نے برباد کیا
تم نہ ہو گے، کوئی تم سا ہو گا

میں کہاں جرأتِ دیدار کہاں
پہلے اس نے مجھے دیکھا ہو گا

اتنی شمعوں کی ضرورت کیا تھی
کیا ابھی اور اندھیرا ہو گا

پرسشِ حال کو وہ آئے ہیں
درد کم ہو کے زیادا ہو گا

میں تو آمادۂ فریاد بھی تھا
غیرتِ عشق نے روکا ہو گا

آہِ مظلوم سے اک دن ماہر
شیش محلوں میں دھماکا ہو گا

(فاران نومبر ۱۷ء)

○

حسن کے ناز و ادا کی شرح فرماتا ہوں میں
شعر کیا کہتا ہوں ماہر پھول برساتا ہوں میں

تشنگی اس حد پہ لے آئی ہے شرماتا ہوں میں
آج پہلی بار ساقی ہاتھ پھیلاتا ہوں میں

شوق و مستی میں کہاں کا ضبط، کیسی احتیاط
ان حدوں سے تو بہت آگے نکل جاتا ہوں میں

عاشقی سب سے بڑا ہے زندگی کا حادثہ
اب کسی خطرے کو خاطر میں کہاں لاتا ہوں میں

بے وفائی بھی مجھے بے زار کر سکتی نہیں
اب بھی دانستہ فریبِ دوستی کھاتا ہوں میں

زندگی اپنی جگہ پیچاک ہی پیچاک ہے
اور الجھتی جا رہی ہے جتنا سلجھاتا ہوں میں

اے مرے عہدِ جوانی یہ زمانہ آ گیا
آج اپنی پارسائی کی قسم کھاتا ہوں میں

(فاران دسمبر ۱۷ء)

○

اب ان کے تکّون سے شکایت بھی نہیں ہے
غم اس کا ہے خود دار محبت بھی نہیں ہے

یہ رنگِ بہاراں کبھی دیکھا نہ سنا تھا
کلیوں کو چٹکنے کی اجازت بھی نہیں ہے

اے حسن ! تجلی کی یہ تکرار کہاں تک
آئینوں میں اب طاقتِ حیرت بھی نہیں ہے

اللہ رے ! مرے عشق کی رسوائی کا عالم
اتنی تو ترے حسن کی شہرت بھی نہیں ہے

یہ اور قیامت ہے کہ وہ بھول گئے ہیں
پہلی سی غمِ ہجر میں شدت بھی نہیں ہے

توبہ میں صداقت ہے نہ تاثیر دعا میں
اشکوں میں اگر رنگِ ندامت بھی نہیں ہے

دل اتنا کبھی بے کس و تنہا نہ ہوا تھا
حد ہے کہ ترے غم کی رفاقت بھی نہیں ہے

ماہر مرا افسانۂ غم کون سنے گا
اتنی تو کسی شخص کو فرصت بھی نہیں ہے

(فاران جون ۷۲ء)

○

لطف تو جب ہے کہ دونوں کو سزا دی جائے
میرے حصے کی بھی واعظ کو پلا دی جائے

روشنی کے لئے کیوں خون ہو پروانے کا
شام ہوتے ہی ہر اک شمع بجھا دی جائے

لطفِ آزادیٔ وحشت تو اٹھالوں کچھ روز
کیا خبر کب مجھے زنجیر پنھا دی جائے

عام دیدار کا اعلان بہت خوب رہا
پھر بھی نظارے پہ کچھ قید لگا دی جائے

مرحلے ہجر کے طے میں نے کئے ہیں ماہر
اب قیامت مرے قدموں میں بچھا دی جائے

(فاران فروری ۷۳ء)

اسیرو! اور ہی تیور ہیں اب زمانے کے
قفس میں تذکرے کرتے ہو آشیانے کے

خدا نکردہ محبت سے میں کروں توبہ
جنابِ شیخ مصنف ہیں اس فسانے کے

مقابلہ ترے جلووں سے ہے، ہم اہلِ نظر
بہانے ڈھونڈ رہے ہیں شکست کھانے کے

(فاران مئی ۷۳ء)

○

کونین کو قرار تھا، غم کا پتا نہ تھا
یہ جب کی بات ہے کہ ابھی دل بنا نہ تھا

سورج نکل رہا تھا، سویرا ہوا نہ تھا
وہ ایسے وقت آئے کہ سجدہ روا نہ تھا

اتنے ہوئے قریب کہ وہ دور ہو گئے
ہم دور دور تھے تو کوئی فاصلہ نہ تھا

وہ قول، وہ قرار، وہ قسمیں کہاں گئیں
تم مجھ کو بھول جاؤ گے، میں نے کہا نہ تھا

یہ بے تعلقی کی اذیت کہ ہائے! ہائے!
اے دوست! دشمنی کا زمانہ برا نہ تھا

کترا گیا میں قرب کی منزل سے بارہا
شاید وصالِ دوست مرا مدعا نہ تھا

فردوسِ گوش، لذتِ دل، جنتِ نگاہ
تم میرے پاس تھے تو مرے پاس کیا نہ تھا

خلوت میں جو ہوا سو ہوا پر ستم ہے یہ
واعظ کا یہ گمان کہ کوئی دیکھتا نہ تھا

ماہرؔ! یہ میرا حال تھا اس بزمِ ناز میں
آئینہ دیکھتا تھا مگر بولتا نہ تھا

(فاران اگست ۷۳ء)

○

پردے گرا گئی ہے کہ پردے الٹ گئی
وہ اک نظر جو دیکھنے والوں میں بٹ گئی

قدرت کا کھیل ہے یہ مقدر کی بات ہے
ساحل ہوا قریب تو کشتی الٹ گئی

کتنی حسین ہے مرے قاتل کی برہمی
میں ہوں وہ سخت جان کہ تلوار اچٹ گئی

کہتے ہیں شر کو خیر، ہوس کا ہے نام عشق
اس دور میں ہر ایک حقیقت الٹ گئی

اس کے لئے جہاں میں نہ عزت نہ احترام
وہ بے شعور قوم جو مرکز سے ہٹ گئی

کچھ اور بڑھ گئی ہیں غلامی کی بندشیں
ہم اس گمان میں تھے کہ زنجیر کٹ گئی

دل کا غبار اشک کے چھینٹوں سے دھل گیا
بادل برس گئے ہیں تو سب گرد چھٹ گئی

یہ بھی بجا وہ آئے تو درد اور بڑھ گیا
یہ بھی درست ہے مری تکلیف گھٹ گئی

ماہر وطن کی یاد بھی اب کشمکش میں ہے
دامن سے گردِ وادیٔ غربت لپٹ گئی

(فاران ستمبر ۷۳ء)

○

جگمگائی نہ محبت کی فضا میرے بعد
بزمِ خوباں میں چراغاں نہ ہوا میرے بعد

کوئی مجھ سا نہ وفادار ملا میرے بعد
اس نے پھر وعدۂ فردا نہ کیا میرے بعد

نظر آیا نہ کہیں نقشِ وفا میرے بعد
کیا سے کیا ہو گئی دنیا کی ہوا میرے بعد

شوقِ آرائشِ گیسو نہ رہا میرے بعد
اس نے آئینہ کو بھی توڑ دیا میرے بعد

جس زمانے نے مری مدح بھی کی، قدر بھی کی
کس قدر جلد مجھے بھول گیا میرے بعد

حسن اب کس کی عیادت کے لئے آئے گا
کس کو لے جائے گی پیغامِ صبا میرے بعد

میرے ہی نام سے آغاز، اسی پر انجام
جب چھڑا تذکرۂ مہر و وفا میرے بعد

میں ستمگار ہوں، قاتل ہوں، جفا پیشہ ہوں
ان کو کچھ بھی نہ کہے خلقِ خدا میرے بعد

میرے آہنگ کی شوخی نہ ملے گی ماہر
یوں تو آئیں گے بہت نغمہ سرا میرے بعد

(فاران نومبر ۷۳ء)

○

تجلی بے حجابی کے لئے تیار ہو جائے
نگاہِ شوق تھوڑی سی اگر خود دار ہو جائے
اسے کیا زندگی کا لطف جس کی یہ تمنا ہے
مجھی پر صرف سارا التفاتِ یار ہو جائے

(فاران جنوری ۷۴ء)

○

نہ وفا آتی ہے نہ ان کو جفا آتی ہے
ہاں مگر دل کے چرانے کی ادا آتی ہے

دیدنی ہے مری مظلوم محبت کا خلوص
شکوے کرتا ہوں مگر لب پہ دعا آتی ہے

کتنے طوفانِ بلا سر سے گزر جاتے ہیں
پھر کہیں منزلِ تسلیم و رضا آتی ہے

درد و غم، رنج و مصیبت بھی بڑی نعمت ہیں
دل شکستہ ہو تو پھر یادِ خدا آتی ہے

دل کی دھڑکن کا یہ انداز، خدا خیر کرے
جس طرح نزع میں ہچکی کی صدا آتی ہے

اللہ اللہ ! یہ توبہ شکنی کا اعزاز
میری تعظیم کو ساون کی گھٹا آتی ہے

سوزِ غم ہی سے ہے سب ظاہر و باطن کا فروغ
دل سلگتا ہے تو چہرے پر جلا آتی ہے

فکر دوشیزہ، طبیعت بھی جواں ہے ماہر
میرے شعروں سے ابھی بوئے وفا آتی ہے

(فاران مارچ ۷۴ء)

○

وہ ہجر کی شب ہو کہ وصل، خوشی یا ملال ہو
جو کوئی واقعہ ہو مرے حسبِ حال ہو

تم ناپتے ہو چاند ستاروں کے فاصلے
کوشش کرو کہ خاک کا ذرہ ہلال ہو

دل کی خلش سے، تاب و تواں زندگی میں ہے
غم ساتھ اگر نہ دے تو یہ جینا وبال ہو

گزرے ہوئے شباب کی بس یاد رہ گئی
اور یاد بھی کہ جیسے فریبِ خیال ہو

یہ حسن، یہ جمال، یہ رعنائی شباب
آسان دیکھنا ہو، سنبھلنا محال ہو

(فاران جولائی ۷۴ء)

○

یا دوستوں میں مہر و مروت نہیں رہی
یا میری زندگی میں صداقت نہیں رہی

اے چشمِ تر ٹھہر! کہ زمانہ کچھ اور ہے
ان موتیوں کی اب کوئی قیمت نہیں رہی

یا رب میں زندگی کے یہ کس مرحلے میں ہوں
جس سے فرار کی کوئی صورت نہیں رہی

اک دوسرا بھی رخ ہے ترے التفات کا
مانا کہ مجھ پہ چشمِ عنایت نہیں رہی

کھائے ہیں وہ فریب محبت کے نام پر
اب اپنی ذات سے بھی محبت نہیں رہی

(فاران اکتوبر ۷۴ء)

جب بھی وہ مجھ کو بہ عنوانِ کرم یاد آ گئے
کتنے غم، کتنے الم، کتنے ستم یاد آ گئے

یہ محبت کی کشش ہے یا کرامت حسن کی
اس نے آئینے کو دیکھا اور ہم یاد آ گئے

جب وفا کا ذکر نکلا، جب چلی الفت کی بات
وہ زمانے وہ فسانے بیش و کم یاد آ گئے

غم کی وہ شدت کہ دل مایوس تھا نومید تھا
وہ تو یہ کہئے ترے قول و قسم یاد آ گئے

(فاران مارچ ۷۵ء)

○

فغاں اے دوست! تیری دوستی سے
کہ ہم اب تک ہیں دونوں اجنبی سے

کرم ساقی! مگر تاخیر ہی سے
کہ میں سیراب ہو لوں تشنگی سے

میں باز آیا غمِ چارہ گری سے
مری حالت کا اندازہ اسی سے

توجہ کا بھی آئے گا زمانہ
ابھی تو سابقہ ہے بے رخی سے

صبا ان سے سلامِ شوق کہنا
ادب سے، عجز سے، شائستگی سے

نیا سورج جو چڑھتا جا رہا ہے
اندھیرا ہو رہا ہے روشنی سے

(فاران مارچ ۷۵ء)

ان کے جلووں کا عجب عالم نظر آنے لگا
میں یہ سمجھا جیسے مجھ کو کم نظر آنے لگا

زندگی کا میری سرمایہ تھا اک نقشِ وفا
لیکن اب یہ نقش بھی مبہم نظر آنے لگا

ابتدائے عشق میں تھی کچھ خوشی کی دھوپ چھاؤں
اور اس کے بعد غم ہی غم نظر آنے لگا

(فاران اگست ۵۷ء)

○

وعدہ کرتے ہوئے وہ شوخ جو شرماتا ہے
میں تو کیا میرے فرشتوں کو یقیں آتا ہے

آپ افسانۂ الفت کو ذرا چھیڑ تو دیں
میں بھی کہہ دوں گا جہاں تک مجھے یاد آتا ہے

دیکھنے والو! میرے دل کی نزاکت پہ نہ جاؤ
یہ وہ شیشہ ہے چٹانوں سے جو ٹکراتا ہے

شکریہ پرسشِ حالات کا لیکن اے دوست!
صرف لہجہ سے بھی مفہوم بدل جاتا ہے

کتنی مظلوم محبت ہے، محبت کی قسم
آج ہر شخص محبت کی قسم کھاتا ہے

دوستو! مجھ کو مرے ناصحِ مشفق سے بچاؤ
یہ تو سلجھی ہوئی باتوں کو بھی الجھاتا ہے

میں کسی اور کے دامن پہ نظر کیا ڈالوں
جب مجھے اپنا گریبان نظر آتا ہے

کون مانے گا کہ ماہر کی جوانی کیا تھی
کل جو ظالم تھا وہ مظلوم نظر آتا ہے

(فاران فروری ۷۵ء)

○

روک دی رو مری بڑھتی ہوئی رسوائی کی
یہ بھی اک چال تھی اس آہوئے صحرائی کی

دل کی چوٹیں ہیں ہری، رت بھی ہے پروائی کی
آخری حد ہے مرے صبر و شکیبائی کی

کیا کہوں آپ نے اس کا بھی نہ کچھ پاس کیا
وہ جو اک رسم پرانی تھی شناسائی کی

عرضِ غم ان سے کیا میں نے بصد عجز و نیاز
آنسوؤں نے بھی بہت حاشیہ آرائی کی

شدتِ غم کا وہ عالم کہ لبوں پہ دم تھا
وہ تو یہ کہئے ترے غم نے مسیحائی کی

تم کسی بچھڑے ہوئے شخص کا غم کیا جانو
تم نے پرچھائیں بھی دیکھی نہیں تنہائی کی

میں نے شکوے نہ کئے، صبر کیا، شکر کیا
میں نے آہوں کی جگہ زمزمہ پیرائی کی

حسن کو خود بھی محبت کی طلب ہے ماہر
ہر تماشے کو ضرورت ہے تماشائی کی

(فاران جنوری ۷۶ء)

○

غم میسر ہے تو اس کے بعد پھر کیا چاہئے
یہ مقامِ شکر ہے شکوہ نہ کرنا چاہئے

میری نظروں کی تمنا ہے مسلسل انتظار
سب کی نظروں کا تقاضا ہے کہ جلوا چاہئے

شکریہ وعدے کا لیکن یہ تو فرما دیجئے
یاد رکھنا چاہئے یا بھول جانا چاہئے

حسن اور الفت میں ربطِ باہمی کے باوجود
صید کو صیاد سے غافل نہ رہنا چاہئے

ایک جرعہ بھی بہت ہے تشنگی کے واسطے
وہ تو پیاسا ہی رہے گا جس کو دریا چاہئے

ان کی بے پروائیاں بن جائیں حسنِ التفات
اُس زمانے کے لئے کتنا زمانا چاہئے

دشت میں رہ کر ستاتا ہے مجھے گھر کا خیال
گھر میں ہوتا ہوں تو دل کہتا ہے صحرا چاہئے

میرے مالک صرف توفیقِ دعائے پرخلوص
اس دعا کے بعد کیا ملتا ہے دیکھا چاہئے

مجھ کو بھی ماہر بہ رنگِ حافظِ رنگیں خیال
آبِ رکنا باد و گلگشتِ مصلا چاہئے

(فاران جون ۷۶ء)

○

کیا یہ بہار بھی نہ مجھے آ سکے گی راس
بجلی چمک رہی ہے نشیمن کے آس پاس

نظارۂ جمال قیامت سے کم نہ تھا
یہ عشق کا ہے معجزہ قائم رہے حواس

اے دوست! تو کہ شعلہ و برق و شرار تھا
کس نے بنا دیا ہے تجھے مصلحت شناس

میری بیاضِ شعر کی رنگینیاں نہ پوچھ
میں نے کیا ہے روئے کتابی سے اقتباس

میں نے ہنسی ہنسی میں کیا تھا وفا کا ذکر
اتنی ذرا سی بات پہ تم ہو گئے اداس

آنکھوں کی تشنگی کا تمہیں تجربہ نہیں
تم دیکھتے رہو گے تو بڑھتی رہے گی پیاس

ماہر! پڑا ہے اس سے محبت میں واسطہ
میرے سکوت کو جو سمجھتا ہے التماس

(فاران اگست ۷۶ء)

○

گل و بلبل کی یکجائی بھی ہو گی
کبھی میری[1] پذیرائی بھی ہو گی

حقیقت ہے جو تخئیل و تصور
کسی کو وہ نظر آئی بھی ہو گی

یہ سعئ احتیاط و ضبط کب تک
محبت ہے تو رسوائی بھی ہو گی

مظاہر کی یہ کثرت اللہ اللہ
اسی میں شانِ یکتائی بھی ہو گی

ابھی تنہائیوں کے مرحلے ہیں
کسی دن بزم آرائی بھی ہو گی

جنوں بے دانش و حکمت نہ ہو گا
سمندر ہے تو گہرائی بھی ہو گی

۱۔ اپنی بھی پڑھا جا سکتا ہے (فاران جنوری ۷۷ء)

○

ازل کے دن سے یہی کشمکش ہے گلشن میں
بہار جاتی ہے دورِ خزاں بھی آتا ہے
مہ و نجوم سے پوچھوں کہ گردِ منزل سے
زمیں کی راہ میں کیا آسماں بھی آتا ہے

(فاران اکتوبر ۷۶ء)

○

دعویٰ حسن کو میں اور مدلّل کر دوں
آ تری زلف پریشاں کو مسلسل کر دوں

دوستو! ذکرِ مسرت سے پریشاں نہ کرو
میں ابھی غم کا فسانہ تو مکمل کر دوں

کچھ نہیں درد کی صورت تو بدل جائے گی
دل میں جو آگ ہے اشکوں سے مبدّل کر دوں

مختصر عرضِ تمنا کو وہ سمجھے بھی نہ ہوں
اب یہ حسرت ہے کہ مجمل کو مفصل کر دوں

دور کیوں جاؤں کہیں حشر اٹھانے کے لئے
اپنے ماحول میں پیدا کوئی ہل چل کر دوں

(فاران اگست ۷۸ء)

○

دیکھ کے مجھ کو طوفانوں میں
ساحل سے اک موج چلی تھی

بجلی کڑکی بادل گرجا
جیسے تیسے آنکھ لگی تھی

ذکرِ وفا پر اتنے برہم
میں نے تو اک بات کہی تھی

جنگل جنگل مینہ برسا تھا
بستی بستی آگ لگی تھی

(فاران اپریل ۷۸ء)

فارسی کلام

گماں مبر کہ بہ پایاں رسید کارِ مغاں
ہنوز بادۂ ناخوردہ در رگِ تاک است

درمدحِ رسولؐ

پیام آمدہ "الکتاب" آمدہ
بہ نامِ محمدؐ خطاب آمدہ

تجلّیِ حق بے نقاب آمدہ
کہ ذاتِ رسالت مآب آمدہ

شبِ کفر و طغیاں بہ پایاں رسید
سحر جلوہ کرد، آفتاب آمدہ

زہے شہسوارے! عجب رہبرے!
کہ فتح و ظفر ہم رکاب آمدہ

عذابے رسیدہ بہ خمر و قمار
قیامت بہ چنگ و رباب آمدہ

جہاں حرف "اِنّا فتحنا" شنید
خوشا! مژدۂ فتحِ باب آمدہ

بہ ہر شاخ صبحِ بہاراں دمید
بہ گلزارِ گیتی شباب آمدہ

نگاہِ مسلماں حیا پیشہ کرد
زناں را چو حکمِ حجاب آمدہ

ببوسید* ماہر ضریحِ رسولؐ
دعائے دلش مستجاب آمدہ

* از نگاہِ عقیدت چرا کہ در شریعت بجز "حجرِ اسود" ہیچ مقام مستحقِ تقبیل (بوسہ دادن) نیست (فاران دسمبر ۵۸ء)

انسان گرے پیدا شُد

عیشِ امروز کہ اندیشۂ فردا می خواست
آں تمنائے کہ ہر چشمِ تمنا می خواست

گُلِ مقصود کہ مقصودِ ہمہ باغ و بہار
دُرِ نایاب کہ ہر موجۂ دریا می خواست

آں نگارے کہ زِ او رونقِ بزمِ ہستی
آں تماشائے کہ ہر بزمِ تماشا می خواست

آں چراغے کہ بیفروخت بہ مصر و کنعاں
آں تجلی کہ فروغِ یدِ بیضا می خواست

آں دعائے کہ برآمد زِ دلِ ابراہیم
آں نویدے کہ تمنائے مسیحا می خواست

منتظر بود جہانے کہ نبیؐ می آید
پیکرِ رحمت و اخلاق کہ دنیا می خواست

خندہ زد صدق و صفا حق نگرے پیدا شد
کفر نالید کہ پیغامبرے پیدا شد

مہرِ انوارِ ہدایت سرِ فاراں رخشید
در شبِ تیرہ و ظلمت، سحرے پیدا شد

برنہالے کہ بہ بندند رسولانِ کرام
لِلّٰہِ الحمد کہ شیریں ثمرے پیدا شد

جہل و وحشت ہمہ لرزاں کہ محمدؐ آمد
مژدہ اے دہر کہ انسان گرے پیدا شد

(ذکرِ جمیل) (ذکرِ جمیل)

دو منظر

دربارِ کسریٰ

نغمۂ بربط صدائے چنگ و نے
شیشہ و ساغر فروغِ موجِ مے

لحظہ لحظہ گردشِ جام و سبو
پے بہ پے رقصِ بتانِ لالہ رو

پردہ ہائے اطلس و کمخواب و زر
غیرتِ فردوس سقف و بام و در

عود و گل، فانوس و نقل و انگبیں
جنتِ شدّاد بر روئے زمیں

ایں طریقِ عیش باجاہ و حشم
عشرتِ جمشید زندہ در عجم

مزدک و زردشت در فکر و نگاہ
آتشِ سوزندہ معبود و الٰہ

سطوتِ شاہی بہ ایں جاہ و وقار
آدمی را آدمی پروردگار

بارگاہِ فاروقِ اعظمؓ

کوزۂ گِل، بوریا، نانِ جویں
یک قبا کہنہ، شکستہ آستیں

چوبِ خرما سقف را تمکین داد
سادگی ایں خانہ را تزئین داد

بردرش یک حاجب و دربان نیست
حرفِ او جز آیۂ قرآن نیست

تاجِ دیں برسر، جہاں زیرِ قدم
فاتحِ روم و فلسطین و عجم

لرزہ بر اندام کفر از نامِ او
سوزِ عشقِ مصطفیٰؐ پیغام او

تیرگی را ہمچو صبحِ شرق کرد
درمیانِ حق و باطل فرق کرد

(فردوس)

اولیاءاللہ

اولیاءَ اللہ در بزمِ وجود
ہر نفس سازند با ذکر و درود

جسمِ ایشاں پاک جاں ہاپاک تر
گرم و روشن مثلِ تابندہ شرر

محرمانِ خاص و دانایانِ راز
اہلِ دل، اہلِ نظر، اہلِ نیاز

بندگانِ باصفا، مردانِ حر
امثالِ امرِ حق در خواب و خور

محوِ ذکرِ و فکرِ حق در نیم شب
مثلِ چوبِ خشک پیشِ حکمِ رب

صد ہزاراں شکر بریک نانِ جو
در عمل چوں شہ سواراں تیز رو

از خشیت چشمِ ایشاں اشکبار
و زغمِ روزِ قیامت بے قرار

مرحبا! ایں طائرانِ ارجمند
در فضائے قدس بالے می زنند

حبذا! ایں آہوانِ خوش نہاد
پاکدل، قدسی صفت، جنت نژاد

مسلکِ ایں بندگاں صدقِ مقال
مشرب ایں عاشقاں اکل حلال

دینِ ایں آزادگاں درجزو و کل
اتباعِ اسوۂ ختمِ رسلؐ

ایں سبک روحانِ بزمِ اتقا
ایں نگہدارانِ شرعِ مصطفےٰؐ

رازدارانِ نکاتِ "کاف و نون"
حاملانِ منصبِ لایحزنون

راہِ حق را باجبیں پیمودہ اند
"ہر کسے را بہرِ کارے ساختند"

(فاران اگست ۵۸ء)

چیست ہستی

("محسوسات ماہر" میں اس نظم کے صرف چار شعر شائع ہوئے تھے)

چیست ہستی اضطراب و انقلاب
بوئے گل، برقِ تپان و موجِ آب

بوئے گل خود را پریشاں می کند
ہر فضا را عطر افشاں می کند

برق در ظلمت فشاند نور را
رہ نماید رہروِ مجبور را

موج را مرگ است یک لحظہ قرار
زندگیِ موجِ پیہم، انتشار

بوئے گل شو، برق شو، یا موج شو
بعد ازیں در منزلِ ہستی برو

زندگی را از عمل آراستند
جام چوں از موجِ مے پیراستند

گوشۂ صبر و قناعت راگیر
ہمچو راہب کنجِ خلوت راگیر

از عمل شمعِ تمنا بر فروز
تاشود شبہائے تو مانندِ روز

مردِ مومن مالکِ خشک و تر است
مردِ مومن نائبِ پیغمبر است

مردِ مومن در عمل چوں موجِ آب
فطرتِ بے تابِ اُو بوئے گلاب

مردِ مومن شعلۂ جوالہ ایست
در کتابِ او سکوں را نام نیست

مردِ مومن را محمدؐ ابتدا ست
مردِ مومن را محمدؐ انتہا ست

(نغماتِ ماہر)

اشتراکیت

بے یقین و بے ضمیر و کم نگاہ
منکرِ اخلاق و آیاتِ الٰہ

عصمتِ کردار در راہش غبار
مذہب او را شکم پروردگار

در مساواتِ جہاں مصروفِ کار
زاں مساواتیکہ فطرت شرمسار

آدمی را صرف ماشین[1] شمرد
در دخاں زائید و در آتش بمرد

آتشیں سیلاب لرزاں بر زمیں
فتنۂ دنیا و ہم آشوبِ دیں
(فردوس)

[1] MACHINE

یک منظرِ بہار

صلصل و دراج و بلبل فوج فوج
رنگ و بو و رقص و نغمہ موج موج

در ہوائے شاخساراں نغمگی
برگل و سرو و صنوبر تازگی

کنجِ صحنِ باغ چوں محرابِ کاخ
غنچہ ہائے نو شگفتہ شاخ شاخ

نرگسِ شہلا نگارِ مست چشم
لالۂ احمر بتِ آلودہ خشم

می کند شوخی صبا زود و شتاب
شبنم از احساسِ غیرت آب آب

ایں فروغِ نسترین و نارون
آں بہارِ ضیمران و یاسمن

خار و خس بدمست از کیفِ بہار
قلقلِ مینا ست در صوتِ ہزار

برگ ہا چوں پردہ ہائے بزمِ نور
از فروغِ حسن بر ہر شاخِ طور

برگ و گل بر صنعتِ خالق گواہ
می سراید "اشہد ان لآ الہ"

(فردوس)

○

ایں فرصتِ ہستی کہ شمعِ سر راہے
حیف است برآناں کہ نہ کردند گناہے

در میکدۂ عشق تمنا بفر و شند
پیمانہ بہ پیمانہ، نگاہے بہ نگاہے

در فکرِ تو بیگانہ گذشتیم زِ عالم
ہر چند کہ ہر ذرہ طلب کرد نگاہے

عشق است بہ ہر لحظہ، طلبگارِ تمنا
در انجمنِ شوق کجا فرصتِ آہے

در صومعہ افشانتواں شد ز ریاضت
کاں راز بہ میخانہ عیاں کردنگاہے

عالم ہمہ لبریزِ تمنا و تماشا
بے عشقِ تو در دہر سپیدے نہ سیاہے

خواہی کہ شود منظرِ فردوس میسر
دریاب بہ نظارہ لبِ جُو شبِ ماہے

○

در بحرِ دہرِ فانی یابی نہ جُز سرابے
ہستی ہمہ حکایت، عالم تمام خوابے

چشمم بہ دید شاداں آں شوخ بے حجابے
شبنم بہ زعمِ ہستی پیچد بہ آفتابے

آں غمزۂ نوازش ایں شوخیٔ عتابے
پیدائی تلاطم، نابودنِ حبابے

آں ماہ وش بہ ہر دم یک انجمن سراپا
رفتارِ موجِ صہبا، گفتارِ او ربابے

باکشتگانِ وصل و ہجرت دمے نہ سازد
جنت بہ ایں مسرت، دوزخ بہ ایں عذابے

خلوت گہہِ تصور دارد عجیب عالم
در ہر نفس پیامے، در ہر نظر خطابے

در دیدہ اشک دارم او مائلِ تبسم
من می کنم سوالے او می دہد جوابے

در نازکی و شوخی آں یارِ شاخِ طوبیٰ
لبہا تمام شکر، عارض ہمہ گلابے

ماہر زِ صد حیاتِ دنیا و دیں فزوں تر
یک لحظہ بے قراری، یک لمحہ اضطرابے

(نغماتِ ماہر)

○

رشکِ صنوبر و گلاب، غیرتِ لالہ و سمن
من کہ خزانِ باغِ خود، تو کہ بہارِ ہر چمن

عشق بہ شکلِ کوہکن، حسن بہ رنگِ پیر زن
عشق تمام سادگی، حسن تمام مکر و فن

اے کہ ترا بہ ہر نفس بربط و چنگ سازگار
وقتِ خرامِ نازِ تو گرمیٔ راہ نغمہ زن

بر ورقِ جہاں نوشت مصر عجب حکایتے
حسن شکستِ جامِ دل، عشق دریدِ پیرہن

محرمِ کیفِ سرمدی کرد دل و نگاہ را
بادۂ ساغرِ نوی، ساغرِ بادۂ کہن

از نظر و عمل بساز، عالمِ خود جہانِ خود
در رہِ شوق و آرزو راہنما، نہ راہ زن

غنچۂ شوق چیدہ ام، درشبِ ماہ دیدہ ام
جانِ بہارِ گلستاں، روح و روانِ انجمن

صبح مرا خراب کرد خالِ جبینِ پارسی
شام مرا تباہ کرد قشقۂ دخترِ برہمن

در نظرِ جمال بیں بہ ز ہزار بحر و بر
قطرۂ شبنمِ سحر، بر سرِ برگِ نسترن

فرقِ نیاز و ناز بیں، محرمِ رازِ دہر شو
حسنِ عزیز ہر کجا، عشق غریب در وطن

ماہرِ خستہ حال را شاعرِ خوش مقال را
شومئیِ بختِ واژگوں، حیف فتاد در دکن

(جذباتِ ماہر)

غزل

تا آں بتِ گلفام بہ گلشن نہ رسیدہ
بلبل نہ سرائید، نسیمے نہ دزیدہ

از بو نتواں کرد جہانے گرویدہ
آں غنچۂ نورس کہ گریباں نہ دریدہ

افسوس! مریضے کہ بہ ہجراں نتواں مُرد
اے وائے! مسافر کہ بہ منزل نہ رسیدہ

باچاکِ گریباں ترا دیوانہ نہ گویم
در پائے تو یک خارِ بیاباں نہ خلیدہ

گیسو بکشا، دامن گلگن، ناز بفرما
اے دوست! کرم کن بہ غزالانِ رمیدہ

فریاد زِ اندازِ ستم کوشئ کلیمیں
او باز نظر کرد بہ گل ہائے نہ چیدہ

در عالمِ مستی بشنواز لبِ ماہر
سّریست کہ ہم گوشِ ملائک نہ شنیدہ

(فردوسی)

○

سرشکے بہ چشمم چکیدہ چکیدہ
شرابِ محبت مگر نا کشیدہ

بہ ایں سعی و کاوش بصد فکر و دانش
غزالِ تمنا رمیدہ رمیدہ

بہار آمد و جوشِ وحشت فزوں شد
گریبانِ عاشق دریدہ دریدہ

خیالِ قدِ او کہ یک شعرِ موزوں
بہ ذہن و طبیعت خلیدہ خلیدہ

نہ بے باک فطرت، نہ آگاہِ طوفاں
کہ ایں مرغکے برق و باراں نہ دیدہ

الٰہی چہ سازم بہ شیخِ طریقت
خلش نا رسیدہ، الم نا چشیدہ

زِ تہذیبِ افرنگ عالم پریشاں
نظر تیرہ باطن، خرد نارسیدہ (فردوسی)

○

غریبِ عشق سامانے نہ دارد
جنوں دارد بیابانے نہ دارد

زہے غم! غمگسارے را نہ جوید
خوشا دردے ! کہ درمانے نہ دارد

محبت فارغ از رسم و تکلف
اسیرِ عشق زندانے نہ دارد

بہارِ او گلستاں در گلستاں
بہارِ من گلستانے نہ دارد

مبیں الفاظ در اشعارِ ماہر
حدیثِ شوق پایانے نہ دارد

(فردوس)

○

چہ وجد و کیف حاصل بود، شب جائیکہ من بودم
دلم ہشیار و غافل بود، شب جائیکہ من بودم

نگاہِ شوقِ خود دل بود، شب جائیکہ من بودم
تماشا کارِ مشکل بود، شب جائیکہ من بودم

نوائے مطرب و سازے، گہے سجدہ، گہے رقصے
شریکِ رنگِ محفل بود، شب جائیکہ من بودم

زہے نزدیکی و دوری، بہ نامِ وصل و مہجوری
محبت حدِ فاصل بود، شب جائیکہ من بودم

خوشا! آں چشمِ خونخوارے کہ از بارِ حیا لرزاں
عجب قاتل کہ بسمل بود، شب جائیکہ من بودم

نظر حیراں، نفس لرزاں، ہمہ آشوبِ قلب و جاں
مقامِ قربِ منزل بود، شب جائیکہ من بودم

در آں بزمِ صفا ماہر کہ تاجِ قیصر و سنجر
بہ شکلِ دستِ سائل بود، شب جائیکہ من بودم

(فاران جولائی ۶۲ء)

قطعہ

یک روز سرِ راہِ چمن یک بتِ افرنگ
خندید بصد غمزہ و کج کرد کلاہے

گفتم کہ چرا خندہ کنی از رہِ مستی
او گفت کہ عالم ہمہ مستی و گناہے

ماہر نفروشم بہ تمنائے دو عالم
آں دولتِ دیدار کہ یا بم سرِ راہے

(محسوساتِ ماہر)

○

موجِ دریا حباب را بشکست
شیشہ ہائے گلاب را بشکست

در فضا نغمہ با پریشاں گشت
خود مغنّی رباب را بشکست

(جذباتِ ماہر)

خامشی حسنِ بیانے دارد
نگہِ شوق زبانے دارد

(فاران اپریل ۱۹۶۱ء)

قطعہ

یکے در سایۂ شاخِ صنوبر، نغمہ ہا برزد
کہ برگِ گل بقدرِ زحمت صد خارمی ارزد

کسے دانند بوقتِ صبح بر ہر قطرۂ شبنم
شعاعِ مہرِ عالمتاب می رقصد کہ می لرزد

ہماری دیگر خوبصورت کتب

شعری ادب

الحمد	مظفر وارثی
دل سے درِ نبیؐ تک	مظفر وارثی
کعبۂ عشق	مظفر وارثی
نورِ ازل	مظفر وارثی
میرے اچھے رسولؐ	مظفر وارثی
قدیر و بشیرؐ	جسٹس محمد الیاس
سنہری جالیوں کے سامنے	خالد بزمی
کھلے دریچے بند ہوا	مظفر وارثی
برف کی ناؤ	مظفر وارثی
لہجہ	مظفر وارثی
راکھ کے ڈھیر میں پھول	مظفر وارثی
نخلِ جاں	اسلم کولسری
کاکش	اسلم کولسری
تلخیاں	ساحر لدھیانوی

نثری ادب

بیگمات کے آنسو	خواجہ حسن نظامی
آپ بیتی	"
ادبی معرکے	ماہر القادری
وقت کی کہانیاں	انیس ناگی
لاہور جو شہر تھا	"
ایک مسافر وادیِ دل میں (افسانے)	جیلانی بی اے
خوشامدی ادب اور سیاست	وارث میر
سورج ہے تماشائی (افسانے)	نظر زیدی
افسانے جو پہچان بنے (انتخاب)	سعد اللہ شاہ
عظمتِ غالب	ڈاکٹر عبد المغنی
رقصِ ابلیس	ایم اسلم

القمر انٹرپرائزز غزنی سٹریٹ / اردو بازار لاہور

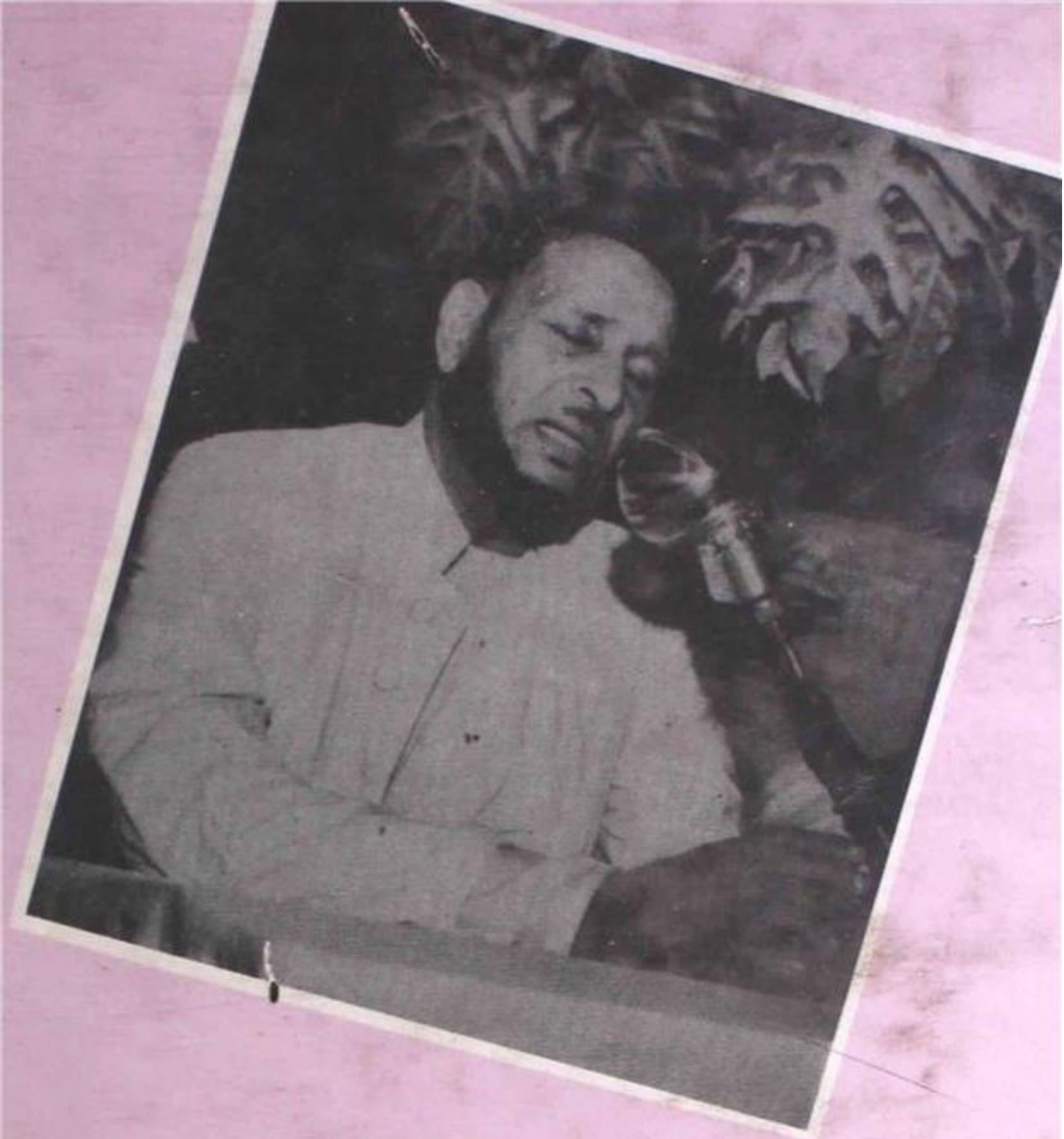

ماہر میں محبت کے صحیفوں میں ملوں گا
ڈھونڈیں جو کبھی مجھ کو مرے ڈھونڈنے والے